

اُردو ترجمہ

تفسیر رُوح البیان

پارہ نمبر ۴

○

تالیف

الامام العالم الفاضل والشیخ النحریر الکامل الجامع بین البواطن والظواہر ومفخر الاثل والاکابر خاتمۃ المفسرین وقدوۃ ارباب الحقیقۃ والیقین فرید اوانہ وقطب زمانہ منبع جمیع العلوم مولانا ومولی الروم

اَلشّیخ اِسمٰعِیل حقّی البرُوسوی قدس سرہ العالی

○

ترجمہ

شیخ التفسیر والحدیث الحاج حضرت مولانا ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی

○

مکتبہ اویسیہ رضویہ ○ روڈ ○ بہاولپور

نام کتاب ________ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان پارہ نمبر ۴

مصنّف ________ حضرت علاّمہ اسماعیل حقّی قدس سرّہٗ

مترجم ________ حضرت علاّمہ محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہٗ

سن طباعت ________ ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء

مصحح ________ چوہدری مشتاق احمد خاں لاہور

ناشر ________ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور



لَنْ تَنَالُوْا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ

اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَمَنِ

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ قف

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ

لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ

دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ

كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ ق

وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ○ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ

اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

كٰفِرِيْنَ ○ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ

يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ع

ترجمہ: تم ہرگز خیر بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو، اور تم جو کچھ خرچ کرو اللہ کو معلوم ہے تمام طعام بنی اسرائیل کو حلال تھے مگر وہ جو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا توریت نزول سے پہلے۔ تم فرماؤ توریت لاکر پڑھو اگر سچے ہو تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے تو وہی ظالم ہیں تم فرماؤ اللہ سچا ہے۔ تو ابراہیم کے دین پر چلو جو ہر باطل سے جدا تھے اور مشرکوں میں نہ تھے بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کا مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کا راہنما ہے اس میں کھلی نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں آئے امان میں ہو اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو اس تک چل سکے اور جو منکر ہو تو اللہ سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔ تم فرماؤ۔ اے اہل کتاب کیوں اللہ کی راہ سے روکتے ہو اُسے جو ایمان لائے۔ اسے ٹیڑھا کیا چاہتے ہو۔ اور تم خود اس پر گواہ ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔ اے ایمان والو اگر تم کچھ اہل کتاب کے کہنے پر چلے تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر کر چھوڑیں گے۔ اور تم کیونکر کفر کرو گے تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ اور تم میں اس کا رسول تشریف فرما ہے اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ

تفسیر عالمانہ

(حل لغات) نَالَہ۔ نَیْلاً سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شئے کو پالے۔ یعنی اے مومنو! تم اس نیکی کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتے جس میں رغبت کرتے ہو اور نہ ہی اس کے اصلی منشا کو نہیں پا سکتے ہو اور نہ ہی تم نیک لوگوں کے زمرے میں شمولیت کا حق رکھ سکتے ہو۔ یا معنٰی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے احسان اور اس کے ثواب اور رحمت و رضا و جنت کو نہیں پا سکتے۔ حَتّٰی تُنْفِقُوْا یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر ڈالو اس رغبت میں جو اس کے ہاں ہے۔ مِمَّا تُحِبُّوْنَ اس میں سے جو محبت کرتے ہو۔ یعنی اُن اشیا کو جنہیں تم خود چاہتے ہو اور وہ تمہارا بہترین اموال میں شمار ہوتا ہے بلکہ تمہارے ہاں وہ محبوب ترین مال ہے یا آیت میں ما عموم کے لیے ہے وہ اموال ہوں یا اعمال جب کہ انفاق سے مُطلق خرچ مُراد ہو۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ بِرّ ایک اُونچا مرتبہ ہے جو قسمت والے کو نصیب ہوتا ہے وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ اور جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو۔ وہ اچھا مال جو تمہیں محبوب ہے یا وہ خبیث شئے جس سے تم خود کراہت کرتے ہو۔ مِنْ شَیْءٍ جار مجرور کا محل علی التمیز ہے۔ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ پس بیشک اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ یہ جواب شرط کی علت ہے یعنی وہ تمہیں پوری جزا دے گا۔ اگر اچھا مال ہے تو اچھی جزاء ہو گی اگر ردی ہوگا تو سزا ملے گی۔ کیونکہ وہ کریم جل شانہ

ہر شئے کو جانتا ہے تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اس کا بھی اسے علم ہے اور اس کا اتنا علم کامل ہے کہ اس سے کوئی شئے مخفی نہیں ۔ شئے کی کنہ اور اُس کی ذات وصفات کو ہر طرح جانتا ہے ۔

مسئلہ : آیت میں بہتر شئے خرچ کرنے کی ترغیب اور ردی شئے سے احتراز کرنے کی نصیحت ہے ۔

ف : اسلاف کی عادت تھی کہ وہ اپنی اچھی شئے کو چھپا رکھتے جب لوگوں کو اس کی اشد ضرورت ہوتی تو اُسے اس وقت خرچ کرتے ۔

نکتہ : انسان کی فطرت ہے کہ وہ اچھی شئے اس وقت خرچ کرتا ہے جب سمجھتا ہے کہ اُسے اس سے اعلیٰ شئے نصیب ہوگی ۔

نکتہ : انسان دنیا میں اچھی شئے خرچ کرتا ہے جب سمجھتا ہے کہ مجھے قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونا ہے اور وہ میرے حال کو جانتا ہے اور اسے بہت بڑی قدر سے رکھتا ہے جب سمجھتا ہے کہ اس سے اُسے بہتر صلہ ملیگا کیونکہ اُسے یقین ہے کہ مر کر اٹھنا ہے اس کا حساب ہوگا ۔ اور اُس کی جزاء ملے گی ۔ اگر اچھے عمل ہوں گے تو بہتر جزاء اگر برے عمل ہوں گے تو سخت سزا ۔

ف : اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان دُنیا میں ہر محبوب شئے کو خرچ کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اُس کے دوسرے اعمال بھی نیک ہوں ۔ آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو شخص بھی بہتر مال خرچ کرے اُسے وہ نیک صلہ نصیب ہو اگرچہ باقی نیکیوں کو ہاتھ نہ لگائے ۔

حضرت ابُو طلحہ کی عجیب داستان

مروی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو حضرت طلحہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا محبوب ترین باغ بیرحا ہے ۔ (بیرحا مدینہ طیبہ میں اُن کے باغ کا نام تھا اور وہ بالکل مسجد نبوی کے عین سامنے تھا ۔) اور عرض کی میں نے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا ۔ اب آپ کی جہاں مرضی ہو خرچ فرمائیں حضور علیہ السلام نے فرمایا واہ واہ ۔ یہ بہتر مال اور منافع والا مال ہے اے ابُو طلحہ میری رائے یہ ہے کہ آپ اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم فرمائیے ۔ حضرت ابُو طلحہ نے اُسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم فرما دیا ۔

مسئلہ : ثابت ہوا کہ بہتر مال اپنے عزیز رشتہ داروں میں خرچ کرنا افضل ہے ۔

حکایت حضرت عمر بن عبدالعزیز

مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ کی اہلیہ محترمہ کی لونڈی تھی جو حسن وجمال میں بے نظیر تھی ۔ حضرت عمر کو اس لونڈی سے محبت ہو گئی ۔ آپ نے کئی بار اپنی اہلیہ سے وہ لونڈی طلب کی لیکن وہ انہیں نہیں دیتی تھیں ۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفۃ المسلمین کے عہدے پر فائز ہوئے اور تخت خلافت پر بیٹھے تو آپ کی اہلیہ نے اُس لونڈی کو ہار سنگار کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی کہ میں نے آپ کو ہبہ کے طور دے دی آپ نے ازراہ تقویٰ فرمایا پہلے یہ بتا کہ یہ لونڈی تونے کہاں سے حاصل کی ۔ اُس نے عرض کی کہ مجھے میرے والد عبدالملک (بادشاہ تھا) نے عنایت فرمائی تھی ۔ پھر آپ نے پوچھا کہ

اُنہوں نے کہاں سے اور کیسے حاصل کی۔ عرض کی گئی فلاں علاقہ کے حاکم پر اُن کا قرضہ تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو انہوں نے اپنے قرضہ کے عوض یہی لونڈی لی تھی۔ آپ نے اس حاکم کے عزیز دل کو بلا کر اس لونڈی کی رقم اُن کے منہ مانگی ادا کر دی۔ آپ کو اس سے بہت محبت تھی اور چاہتے بھی تھے کہ یہ لونڈی میرے قبضہ میں ہو۔ چنانچہ اس سے قبل انہوں نے اس کے حصول کے لیے بہت جدوجہد بھی فرمائی تھی لیکن باوجود اسکے آپ نے لونڈی کو دیکھے بغیر فرمایا جا میں نے تجھے فی سبیل اللہ آزاد کیا۔ آپ سے عرض کی گئی کیوں حضرت اب تو اس سے مال حرام کا شائبہ بھی ہٹ گیا۔ اور آپ نے اس شک و شبہ کو مٹانے کے لیے بڑی کوشش بھی فرمائی۔ اب آپ پر یہ لونڈی ہر طرح سے حلال ہو گئی۔ آپ نے فرمایا میں ان لوگوں سے نہیں ہوں جو اپنے نفس کی خواہشات پر غالب ہوں گویا انہوں نے اپنی محبوب ترین متاع اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی۔

حکایت حضرت ربیع رحمہ اللہ تعالیٰ پر فالج گرا۔ جب آپ کے دروازے پر سائل دستک دیتا تو آپ اپنی اہلیہ سے فرماتے کہ اسے گڑ دیجئے اس لیے کہ آپ کی محبوب غذا گڑ تھی ایک دفعہ بیماری نے طول پکڑا عرصہ تک آپ اس مرض میں مبتلا رہے آپ کے جی میں مرغی کے گوشت کی خواہش پیدا ہوئی۔ چالیس روز تک آپ اپنے نفس سے لڑتے رہے وہ مرغی کا گوشت مانگتا آپ اُس کے خلاف کرتے۔ ایک دن آپ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ چالیس دن ہوئے کہ میرا نفس مجھ سے مرغی کا گوشت مانگتا ہے لیکن میں بضد ہوں آخر یہ بھی نفس ہے یہ میری ایک بھی نہیں مانتا اب کیا کیا جائے۔ بی بی صاحبہ نے عرض کی اس میں کونسا حرج ہے جب آپ کے لیے مرغی کا گوشت کھانا حلال ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے حلال سے منہ موڑنا کون سی بہتری ہے آپ نے رضا کا اظہار کیا تو بی بی صاحبہ نے بازار سے مرغی منگوا کر اسے بہترین طریقہ سے پکا کر حضرت ربیع کی خدمت میں پیش کی تو باہر سے سائل نے صدا لگائی کہ اسے خدا تعالیٰ کے بندو! اس کے لیے کچھ دو حضرت ربیع نے فرمایا کہ میرا یہی دستر خوان اس فقیر کے حوالے کر دو۔ عرض کی گئی کہ آپ عرصہ سے بھوکے اور بیمار بھی ہیں۔ اور اس میں آپ کی صحت و عافیت کی اُمید بھی ہے ہم اس فقیر کو اس دستر خوان کے کھانے کی قیمت پیش کر دیتے ہیں اس سے وہ راضی بھی ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا اُس کی قیمت لے آؤ۔ بی بی صاحبہ نے دستر خوان کے کھانے کی قیمت لائیں۔ آپ نے فرمایا اب یہ کھانا اور یہ رقم اس صدا لگانے والے گدا کو دے دو۔ ناچار بی بی کو دینا پڑا۔

سبق : سبحان اللہ یہ بھی اللہ والوں کی بلند شان ہے

باحسان آسودہ کردن دلے   بہ از الف رکعت بہر منزلے

ترجمہ : کسی دل کو احسان سے خوش کرنا ہر منزل پہ ہزار رکعت ادا کرنے سے بہتر ہے۔

کسی دوسرے شاعر نے کہا ہے

دل بدست آور کہ حج اکبر است   از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

کعبہ بنیادِ خلیل آزر است   دل نظر گاہ جلیل اکبر است

ترجمہ: دل خوش رکھ کہ یہی حج اکبر ہے کیونکہ ہزار کعبے سے ایک دل بہتر ہے کعبہ خلیل کی بنیاد ہے اور دل اللہ تعالےٰ کی نظر کرم کی جگہ ہے۔

(نکات) (۱) جب نیکی کو محبوب ترین شئے کے خرچ کئے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا تو پھر نیکی والے کو کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جب بندہ حظوظ نفسانیہ کو اپنا مقصود سمجھے۔

(۲) حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا جو شخص نیکی کا طالب ہے وہ بعض مال کو خرچ کرے اور جو نیکی والے کا طالب ہے اسے تمام کا تمام محبوب مال خرچ کر ڈالنا ضروری ہے۔

(۳) حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ کی تفسیر میں فرمایا کہ جتنا تم اللہ تعالیٰ کے بنو گے اتنا وہ تمہارا ہوگا۔ چنانچہ اس نے خود حدیث قدسی میں مَنْ كَانَ اللّٰهُ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ دیکھئے پروانے کو شمع کی روشنی سے عشق ہے وہ اسے حاصل نہیں کر سکا جب تک اس نے اپنی پیاری جان اس میں فنا نہ کردی۔

(۴) حضرت امام قاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا قرب نیکی سے ہی حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اپنے آپ کو ماسوی اللہ سے بری کرے۔ اس لیے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ماسوی کو طلب کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے محجوب رہے گا۔ بلکہ وہ اصول طریقت پر شرک خفی میں مبتلا ہے جو غیر اللہ کی محبت میں گرفتار ہے ؎

ترا ہر چہ مشغول دارد ز دوست — اگر راست خواہی دلارا ست اوست

ترجمہ: جو شئے تجھے دوست سے مشغول رکھے میرے نزدیک وہ بھی تیری محبوب ہے۔

خلاصہ: یہ کہ بندہ جب تک مال و متاع اور محبت غیر اللہ سے فارغ نہیں ہوگا صفات رذیلہ سے اپنے نفس کو فنا نہ کر ڈالے اسے قرب حق نصیب نہیں ہوگا ؎

اگر یاری از خویشتن دم مزن — کہ شرکست با یار و خویشتن

ترجمہ: اگر تم یاری لگاتے ہو تو اپنے ہونے کا دم نہ مارو۔ اس لیے کہ دوست کے سامنے اپنا ہونا ظاہر کرنا شرک ہے۔

تفسیر عالمانہ كُلُّ الطَّعَامِ:

شان نزول: جب آیت۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ الاية

اور آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ الیٰ قولہ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ اتری تو یہودیوں نے انکار کردیا بلکہ انہیں ان آیتوں نے غصہ دلایا۔ اور انہوں نے اپنی برأت میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیا۔ اور جو کچھ قرآن پاک نے ان کے متعلق فرمایا اس کے سراسر منکر ہوگئے اور کہنے لگے کہ یہ طعام صرف ہمارے لیے حرام نہیں بلکہ ان کی حرمت تو قدیم سے چلی آرہی ہے یہی طعام حضرت نوح علیہ السلام پر حرام تھا اور ابراہیم علیہ السلام پر بھی اور ان کے بعد ہم تک جتنے دیندار لوگ گزرے ہیں

سب پر حرام تھا۔ اس سے اُن کا مقصد یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو انہیں بغی و ظالم اور نیک راہوں سے روکنے اور سود کھانے اور دیگر اُن کی بُرائیاں بیان فرمائی ہیں (معاذ اللہ) غلط اور اُن پر سراسر بہتان ہے۔ ہاں چند ایک طعام اُن پر حرام کر دیئے گئے۔ جب وہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے اور وہ بھی انہیں سرزنش کے طور۔

ف: طیبات تمام مطعومات کو کہا جاتا ہے۔ اور مطعومات طعام کے جمیع انواع کا نام ہے۔ جب لفظ طعام مطلق ہو تو اس سے گندم (اس کے جمیع متعلقات) مراد ہوتے ہیں لیکن عرف میں طعام میں ہر کھانے پینے کی شے یہاں تک کہ پانی بھی شامل ہے۔ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ہر طعام حلال تھا بنی اسرائیل کے لیے۔ یعنی اس کا کھانا اُن پر حلال تھا۔ اس لیے کہ صرف افعال المکلف کو ہی حلال و حرام سے موصوف کیا جاتا تھا نہ کہ اعیان کو۔ یہی وجہ ہے کہ شراب کا پینا بالذات حرام ہے اور شراب کا عین بالعرض إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ یہ استثناء متصل ہے کان کے اسم سے یعنی تمام طعام بنی اسرائیل پر حلال تھے مگر وہ طعام جو اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام نے اپنے نفس پر حرام کیا یعنی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بارہ لڑکے عطا فرمائے تو اُن میں سب سے آخر کو بیت المقدس میں قربان کردوں گا۔ اور وہ بشرطیکہ خود صحیح و سالم اور تندرست ہو کر بیت المقدس تک پہنچ جائیں اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو ایک فرشتہ انسانی بھیس بدل کر ملا اور کہا اے یعقوب علیہ السلام آپ مضبوط جوان اور پہلوان معلوم ہوتے ہیں کیا میرے ساتھ کشتی لڑیں گے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ دونوں نے لڑنا شروع کیا۔ لیکن کوئی بھی ایک دوسرے کو پچھاڑ نہ سکا۔ لیکن فرشتے نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو جھنجوڑا تو آپ کو مرض عرق النساء (وہ درد جو ران سے شروع ہو کر گھٹنوں یا قدم تک پہنچتا ہے) پیدا ہو گیا۔ اس پر فرشتے نے عرض کی کہ اگر میں چاہتا تو میں آپ کو کشتی میں پچھاڑ دیتا۔ لیکن میں نے جھنجوڑنے سے آپ کو یہ تکلیف پیدا کر دی اس لیے کہ آپ نے نذر مانی ہے کہ اگر میں بیت المقدس تک تندرست ہو کر پہنچا تو میں اپنی اولاد سے آخری لڑکا قربان کروں گا۔ چونکہ اب آپ بیت المقدس تک نہیں پہنچیں گے اب اس بیماری کی وجہ سے آپ کو بچہ قربان نہیں کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد یعقوب علیہ السلام بیت المقدس میں حاضر ہوئے تو ارادہ کیا کہ نذر پوری کریں یعنی ایک بچہ قربان کریں۔ انہیں فرشتہ کی راستہ والی بات یاد نہ رہی۔ جب وہ بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہوئے تو وہی فرشتہ حاضر ہوا اور اپنی پچھلی بات یاد دلائی اور کہا کہ میں نے آپ کو جھنجوڑا تھا اور آپ کو عرق النساء (بیماری) پیدا ہوئی۔ اب چونکہ آپ کی نذر کی شرط مفقود ہوئی فلہٰذا اب بیٹے کو ذبح کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام اس بیماری میں مبتلا ہوئے جس سے آپ کو بہت سخت تکلیف ہوئی۔ یہاں تک کہ رات کو درد کی وجہ سے نیند نہ آتی۔ اس پر آپ نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے شفا دی تو میں اپنا محبوب ترین

طعام کھانا چھوڑ دوں گا۔ اس بیماری سے شفا پائی تو اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ دینی غیرت یا نفس کو دبانے کی نیت پر آپ نے ایسے فرمایا تھا۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کے حلال کو اپنے اوپر حرام کر دینا سب کے لیے جائز ہے لیکن اس عمل سے باز آنا لازمی اور کفارہ یمین ادا کرنا واجب مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ اس کا متعلق کَانَ حِلًّا ہے۔

سوال : اس کے اور متعلق کے درمیان استثناء واقع ہوا ہے۔

جواب : یہ جائز ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا حرج بھی نہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان پر تمام طعام حلال تھے تورات کے نزول سے پہلے۔ اس کے بعد جب انہوں نے بغاوت اور ظلم کا ارتکاب کیا تو ان پر چند چیزیں حرام ہوئیں جب یہ بات ہے تو پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اطعمہ حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام وغیرہما پر بھی حرام تھے۔

مسئلہ : اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو طعام حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کیا وہی بنی اسرائیل پر حرام کیا گیا۔

مسئلہ : اس میں یہودیوں کا رد ہے۔ جب کہ وہ کہتے ہیں ہم نے نہ ظلم کیا اور نہ بغاوت۔

مسئلہ : اس سے یہودیوں کو لاجواب کرنا مطلوب ہے جب وہ کہتے کہ کوئی حکم منسوخ نہیں ہوتا۔

مسئلہ : اس طرح اُن کی تردید ہوئی جب وہ حضور نبی علیہ السلام کو مطعون کرتے کہ آپ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہوتے تو اُن کی شریعت کے خلاف اونٹ کا گوشت حلال نہ فرماتے اور نہ اس کا دودھ۔ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَا اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے کہ لاؤ تورات اور اسے پڑھو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ یہودیوں سے اُن کی کتاب سے ہی دلائل قائم فرمائیں کہ ان اطعمہ کی حرمت یہودیوں پر اس وقت ہوئی جب کہ انہوں نے بغاوت اور ظلم کیا آپ انہیں حکم فرمائیں کہ وہ اپنی تورات لائیں آپ انہیں تورات کا حوالہ دکھا کر اُن کے منہ پر لگام دیں اُن کے منہ پر پتھر پڑ جائیں گے۔ اور اُن کا جھوٹ ظاہر ہو جائے گا جس سے اُن کا منہ کالا ہوگا)۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور میرے سامنے پڑھو اور تمہارے صدق کا تقاضا بھی یونہی ہے کہ تم اپنی کتاب سے ہی اپنا دعوےٰ ثابت کرو۔

ف : مروی ہے کہ یہودی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے تورات سے دلیل پیش کرنے سے عاجز آ کر مبہوت ہو کر ذلیل و خوار ہو کر لوٹے۔

مسئلہ : یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی چمکتی ہوئی دلیل ہے نیز ثابت ہوا کہ احکام کا نسخ سابقہ شریعتوں میں بھی تھا۔ اس سے یہودیوں کے غلط عقیدہ کی تردید ہوئی جب کہ وہ نسخ کے مطلقاً منکر ہیں۔ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ پس وہ شخص جو اللہ پر جھوٹ تراشے یعنی بزعم خویش اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے کہ تورات کے نزول سے

بنی اسرائیل اور امم سابقہ پر اشیاء مذکورہ حرام تھیں مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ بعد اس کے جو مذکور ہوا جب انہیں کہا گیا کہ تورات لاؤ اور اُسے پڑھ کر سناؤ تو وہ منکر ہو گئے بلکہ یوں سمجھو کہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہو کر لاجواب ہوئے۔

فَأُولٰٓئِكَ پس یہی لوگ ہیں جو بجائے نادم ہونے کے اپنے افتراء پر اصرار کرنے والے ہیں جب کہ اُن کی حقیقت کھل گئی اور حجت بازی اور اُن کے جنگ و جدال کے تمام راستے بند ہو گئے هُمُ الظّٰلِمُوْنَ وہ لوگ ظالم ہیں یعنی ظلم اور زیادتی کرنے والے اور ان دونوں امور میں دور ہونے والے ہیں۔ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ یعنی تحریم کے متعلق جو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا اس کا صدق واضح اور ثابت ہو گیا۔ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ پس تابعداری کرو ابراہیم علیہ السلام کی ملت یعنی اسلام کی۔ جو دراصل یہی ملت ابراہیم علیہ السلام ہے۔ اس لیے کہ تم بزعم خویش انہی کی اتباع کا دم بھرتے ہو۔ حَنِيْفًا یہ لفظ ابراہیم سے حال ہے یعنی تمام ادیانِ باطلہ سے وہ روگرداں تھے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور وہ نہ تھے مشرکین سے یعنی وہ نہ اصول میں ان مشرکین میں سے تھے اور نہ فروع میں۔

خلاصہ: اس آیت میں یہودیوں پر تعریض ہے کہ تم شرک جیسی لعنت میں مبتلا ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت کا دم بھرتے ہو اور انہیں تو شرک سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ اور اے یہودیو! تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ذرّہ برابر بھی نسبت نہیں۔ آیت سے اصلی غرض یہ ہے کہ حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی وارث ہیں کہ یہ اُن کی طرح توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام معبودانِ باطلہ سے بیزاری کا اظہار فرماتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام نجم الدین تاویلات میں فرماتے ہیں۔ کہ آیات مذکورہ سے تحقیقاً ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق تین قسم ہے۔

(۱) فرشتے رُوحانی علوی لطیف اور نورانی۔ اُن کی غذا ذکر الٰہی ہے۔ اور انہیں صرف عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

(۲) حیوانی جسمانی سفلی کثیف اور ظلمانی۔ اُن کی غذا طعام ہے۔ لیکن انہیں عبرت اور خدمت کے لیے پیدا فرمایا

(۳) انسان ملکی رُوحانی اور جسمانی سے مرکب فرمایا۔ اُن کی روح کی غذا ذکر اور اُن کی جسمانی غذا طعام سے بنائی اور انہیں عبادت و معرفت و خلافت کے لیے پیدا فرمایا۔ پھر یہ انسان کئی قسم ہیں۔

(۱) اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے۔ ان کی روحانیت پر اُن کی جسمانیت کا غلبہ ہے۔ ایسے لوگ جسمانیت کی غذا میں بڑی جدوجہد کرتے ہیں لیکن روحانیت کی غذا سے قاصر رہتے ہیں یہاں تک کہ اُن کی روحانیت مُردہ ہو کر رہ جاتی ہے اور حیوانیت کا دور دورہ ہوتا ہے یہ جانوروں کی طرح بلکہ اُن سے بدتر سمجھے جاتے ہیں ؎

مرد دے ہر چہ دل خواہدت   کہ تمکین تن نور جاں کاہدت

زد دراں بسے نامرادی بُری — اگر ہر چہ باشد مرادت خوری
کند مرد رانفس اَمّارہ خوار — اگر ہوشمندی عزیزش مدار

ترجمہ: (۱) جو دل میں آئے اس کے درپے نہ جا اس لیے کہ جسم کی تمکین تیری روح کے نور کو کم کر دے گی۔
(۲) زمانہ کے گرداب سے نامرادی پائے گا اگر دنیوی ہر مراد کو پورا کرے گا اور ارادہ کرے گا
(۳) انسان کو نفس امارہ خوار کرتا ہے اگر تو سمجھدار ہے تو اس سے پیار مت کر۔

۲ بعض اُن میں میانہ رو ہوتے ہیں۔ جن کی حیوانیت و رُوحانیت برابر ہو جاتی ہے۔ پھر ان ہر دو کی غذا اسے حاصل ہوتی ہے۔ یہ کبھی نیکیوں میں مست نظر آتے ہیں کبھی برائیوں میں منہمک۔ اُن کی قسمت یاوری کرتی ہے تو انہیں توبہ کا موقعہ بسر ہو جاتا ہے ورنہ مشکل۔

۳ نیکیوں میں سبقت کرنے والے جن کی حیوانیت پر روحانیت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یہ ہمیشہ روحانیت کی غذا کے لیے کوشاں رہتے ہیں یعنی ذکر الٰہی میں مصروف اور حیوانیت کی غذا یعنی طعام کے لیے چنداں پرواہ نہیں کرتے یعنی طعام کے حصول کے درپے نہیں رہتے۔ یہاں تک کہ ایسے لوگوں کی حیوانیت فنا ہو کر رُوحانیت کو جلا نصیب ہوتا ہے۔ یہی تمام مخلوق سے بہتر و اعلیٰ متصور ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اُن پر ہر طعام حلال ہوتا ہے۔ جیسے ان سے پہلے نیک حضرات کے لیے ہر طعام حلال تھا۔ مگر وہ طعام بھی اُن پر حرام ہو جاتا ہے جو سابق بالخیرات نے نفس کو مٹانے اور قلب کو جلا بخشنے اور اپنی روح کو غالب رکھنے کے لیے اپنے اوپر حرام کیا۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ وحی والہام سے نوازا گیا۔ جیسے تصوف کا ایک قاعدہ مشہور ہے المجاہدات تورث المشاہدات۔ مجاہدہ سے مشاہدہ نصیب ہوتا ہے فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ پس وہ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء کرتا ہے بعد اس کے کہ اُسے حق کی طرف مجاہدۂ نفس کے بغیر ہدایت نصیب ہوئی۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ پس یہی لوگ ظالم ہیں جو کہ شئے کو غیر محل میں رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ) میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ میرے رب نے سچ فرمایا اس ارشاد میں کہ۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا اُن کی ملت یہ تھی۔

(۱) مہمانوں پر مال و دولت لٹا دینا۔
(۲) آزمائش کے وقت روح کو راہِ حق پہ قربان کر دینا۔
(۳) اُس کے قرب کے لیے سر تسلیم رکھنا یہی خلیل بننے کی ملت ہے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا خلیل کھڑا کر کے شرک نہیں کرتے جب کہ دوسرے لوگ خلتِ حق میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں سے

اگر جز بحق میرود جادہ ات   در آتش فشانند سجادہ ات

ترجمہ :- اگر تیرا حق کے سوا کوئی اور راہ ہوگا تو تیری مسند جہنم میں پھینکیں گے ۔

اولیاء اللہ وہی ہیں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن سے محبت کرتا ہے ۔

مسئلہ : اولیاء اللہ سے محبت کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے اُن کی محبت سے شرک کا شائبہ بھی نہیں ۔

ف : حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم تو نے دنیا میں زہد صرف اس لیے کیا کہ تیرے نفس کو آخرت میں راحت و قرار ملے اور تیرا میری طرف متوجہ ہونا بھی صرف اس لیے تھا کہ تیرے نفس کو عزت نصیب ہو ۔ کیا تو نے کبھی میری خاطر کسی سے بغض و عداوت کیا یا میرے ولی (دوست) سے صرف میری خاطر محبت کی یا نہ ۔

ف :- ملتہ ابراہیم کی اتباع بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تابعداری ہے ۔ اسطرح ماسوی اللہ سے بیزاری اور اللہ کے ولیوں سے محبت اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے بغض و عداوت بھی طاعت حق ہے ۔

ف : کسی بندے میں تمام طاعت کی ادائیگی کی عادت ہو ۔ لیکن اس کے قلب میں خلوص و محبت نہ ہو تو سمجھو کہ وہ ٹھنڈے لوہے کو توڑ رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز محبت نہیں کرتا جو اس کی محبت میں کسی دوسری محبت کو شریک کرتا ہے خواہ وہ محبت شہوانی ہو یا کوئی اور ۔

حکایت : حضرت محمد بن حسان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جبل لبنان میں سیر کر رہا تھا کہ اچانک میری ایک نوجوان پر نگاہ پڑ گئی ۔ اسے دیکھا کہ اس کا جسم گرم ہواؤں سے جلا ہوا ہے ۔ مجھے دیکھ کر وہ پہاڑوں کی غاروں میں چھپنے کے لیے بھاگنے لگا ۔ میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا ۔ میں نے اُن کے قریب پہنچ کر کہا جناب ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے ۔ انہوں نے فرمایا ۔ بس میری ایک بات یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ بڑا غیور ہے وہ اپنے بندے کے دل کے اندر سوائے اپنے کسی دوسرے کی محبت کو دیکھنا نہیں چاہتا ۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ اس راہ پر چلنے کی جدوجہد کرے تاکہ منزل تحقیق تک رسائی نصیب ہو ۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام (خواہ وہ خفی ہو یا جلی بڑا ہو یا چھوٹا) میں توفیق طلب کرنا ضروری ہے ۔

تفسیر عالمانہ :- اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ

حل لغات) **البیت** اس مکان کو کہتے ہیں جہاں کوئی رات گزارے پھر ہر مکان پر اس کا استعمال ہونے لگا وُضِعَ لِلنَّاسِ

شانِ نزول :- جب قبلہ حسب منشاء نبوت کعبہ مقرر ہوا تو یہودیوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں طعنہ مارا کہ بیت المقدس کعبہ سے افضل ہے فلہٰذا وہی زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جائے اس لیے کہ اسے کعبہ سے پہلے ہی مقرر کیا گیا ۔ اور وہ اس زمین میں واقع ہے جہاں محشر میں سب کو جمع ہونا ہے اور پھر یہ انبیاء علیہم السلام کی ہجرت گاہ ہے اور یہ وہی زمین مقدس ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے عالمین کے لیے برکتیں جمع فرمائی ہیں ۔ اور اس میں وہی پہاڑ (کوہ طور) ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی کا شرف نصیب ہوا ۔ ان دلائل

سے واضح ہوا کہ کعبہ کو قبلہ بنانا باطل ہے یہودیوں کے ان دلائل کے رد میں یہی آیت نازل ہوئی کہ بیشک یہی پہلا گھر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے عبادت کے واسطے مقرر فرمایا۔ وضع یہ فعل مجہول ہے اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ یہ اَنَّ کی خبر ہے۔ یعنی وہ گھر جو مکہ میں ہے۔

حل لغات: بکہ بلد الحرام شریف کا علم ہے ربکہ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی پر ہجوم کرے اور اسے اس لیے بکہ کہتے ہیں کہ اس میں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ بہت بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں توڑ کے رکھ دیتا ہے۔ جب بھی کسی سرکش نے اسے ویران کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن توڑ کے رکھ دی۔

سوال: مروی ہے کہ حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد حرام (بیت اللہ شریف) کے اندر باندھا اور ابوقبیس کے پہاڑ پر کھڑے ہو کر فلاخن کے ذریعے تیر پھینکا جس سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد حرام کے اندر شہید ہوئے اس ظالم کو بیت اللہ شریف کی بیحرمتی سے تو کچھ نہ ہوا۔

جواب: اس سے اس ظالم کا ارادہ بیت اللہ کی بے حرمتی مطلوب نہ تھی اور نہ ہی اسے نقصان پہنچانے کا ارادہ تھا۔ بلکہ صرف عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ کی گرفتاری مقصود تھی۔ اس طریق سے اعتراض نہیں پڑتا۔

ف: مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا گیا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی عبادت کے لیے کونسا گھر بنایا۔ آپ نے فرمایا مسجد الحرام یعنی کعبہ شریف۔ اس کے بعد بیت المقدس۔ پھر سوال ہوا کہ ان کے دونوں کی وضع کے درمیانی سالوں کا عرصہ کتنا ہے۔ آپ نے فرمایا چالیس سال۔

ف: مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک گھر بنایا جسے بیت المعمور کہتے ہیں اور ملائکہ کرام کو حکم فرمایا کہ وہ اس کے اردگرد طواف کریں۔ پھر ان ملائکہ کو حکم ہوا جو زمین میں سکونت رکھتے تھے کہ اس بیت المعمور کے بالمقابل اس کی مثل ایک گھر بنائیں چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل کی تو پھر حکم ہوا کہ جو زمین پر رہتے ہیں اس گھر (مسجد الحرام کعبہ) کا طواف کریں جیسے آسمان والے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں۔

ف: مروی ہے کہ ملائکہ کرام نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے مسجد حرام یعنی کعبہ شریف کو تیار فرمایا جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو انہیں ملائکہ کرام نے عرض کی کہ کعبہ شریف کے اردگرد طواف کیجئے کہ ہم آپ کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل اس کا طواف کرتے رہے۔ ملائکہ کے کہنے پر آدم علیہ السلام نے کعبہ کا طواف کیا۔ اس کے بعد آپ کی اولاد حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ اقدس تک اس کا طواف کرتی رہی۔ پھر جب طوفان نوح آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسے چوتھے آسمان پر اٹھا لیا۔ وہ بیت المعمور اس کے بالمقابل ہے جس کے اردگرد آسمان کے فرشتے طواف کرتے ہیں۔

ف: مروی ہے کہ آدم علیہ السلام نے زمین پہ تشریف لاتے ہی سب سے پہلا گھر جو بنایا وہ یہی کعبہ

شریف تھا۔

تطبیق روایات ان روایات سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو مسجد حرام یعنی کعبہ کے بانی اول نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں انہیں یوں بانیٔ اوّل کہا جا سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں کعبہ شریف کے بنانے کا حکم دیا تو انہوں نے مٹی ہوئی دیواروں کو کھڑا کیا اور اس کے جو نشانات مٹ گئے تھے بلکہ لوگوں کے ذہنوں سے اس کا نقشہ بھی اُتر گیا تھا تو انہوں نے اسے اسی پرانی وضع پر تیار کیا۔ اس بنا پر انہیں بانی اول اضافی طور پر کہنا بجا ہے۔ اس لیے کعبہ شریف تو طوفان کے بعد بالکل ختم ہو گیا تھا جب ابراہیم علیہ السلام نے اُس کی تجدید کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ وہ انہیں اس بیت الحرام کی نشاندہی کریں کہ وہ اس کے مطابق اس کی تعمیر کریں۔

ف: کعبہ کی بنا کا حکم دینے والا اللہ تعالیٰ خود ہے پھر اُس کی نشاندہی کرنے والے اور پورا نقشہ بنانے والے حضرت جبریل علیہ السلام اور اس کی بنا کرنے والے خلیل علیہ السلام اور اُن کی شاگردی میں ان کی معاونت کرنے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

مسئلہ: اسی لیے کہا گیا کہ جمیع عالم میں کعبہ شریف کے سوا اور کوئی تعمیر افضل نہیں مُبٰرَکًا بہت بڑی برکت والا ہے یہ ظرف کی ضمیر مستتر سے حال ہے مطلب یہ ہے کہ وہ گھر جو کہ بکہ میں ہے وہ بہت بڑی برکت اور بہت بڑے منافع پر مشتمل ہے اس لیے کہ جو بھی یہاں حج اور عمرہ کے لیے حاضر ہوتا ہے اور اس میں اعتکاف بیٹھتا اور اس کا طواف کرتا ہے تو اُسے بہت بڑا ثواب حاصل ہوتا ہے اور اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ وَ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ اور تمام جہانوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ کیونکہ وہ اُن کی عبادت گاہ اور اُن کا قبلہ ہے اور اس لیے کہ اس میں بہت بڑی آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت اور بہت حکمت پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ فرمایا فِیْهِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ اس میں کئی آیات واضحات ہیں۔ مثلاً عرصہ دراز سے دیکھا جا رہا ہے کہ پرندے قبلہ سے منحرف ہو کر گزرتے ہیں۔ ضرر دینے والے درندے عام پرندے کے ساتھ حرم شریف میں اکٹھا ہو کر گزارتے ہیں لیکن درندے پرندوں کو کچھ نہیں کہتے۔ جتنے سرکش لوگوں نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھی تو انہیں اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کر ڈالا جیسے اصحاب فیل وغیرہ مَقَامُ اِبْرٰهِیْمَ یعنی وہ پتھر کہ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی تو اس پتھر پر حضرت ابراہیم کے قدموں کے نشان پڑ گئے یا یہ نشان اس لیے پڑے کہ آپ نے اُس پر اپنا پاؤں مبارک رکھ کر اپنے سر مبارک دھویا تھا۔

واقعہ: مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شام سے مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ملاقات کے لیے تشریف لائے جب یہاں مکہ معظمہ میں پہنچے تو اسماعیل السلام گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت اسماعیل السلام کی بیوی

نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ سواری سے اُتر یئے تاکہ میں آپ کا سر مبارک دھو ڈالوں۔ آپ سواری سے نہ اُترے لیکن وہاں سوار ہو کر کھڑے کھڑے سر دھلایا۔ بی بی صاحبہ یہی پتھر لائیں آپ نے اپنا دایاں پاؤں اس پر رکھا۔ جس سے بی بی صاحبہ نے سر کا دایاں حصہ دھو لیا۔ اسی طرح بائیں طرف پتھر کو لائیں تو آپ نے بایاں پاؤں اس پتھر پر رکھا۔ جس سے بی بی صاحبہ نے آپ کے سر مبارک کی بائیں جانب کو دھولیا۔ اس وقت سے آپ کے قدموں کے نشانات اس پتھر پر پڑ گئے۔

ف: یہ جملہ سابقہ آیات سے بدل البعض ہے۔ وَمَنْ دَخَلَهُ اور جو بھی اس بیت اللہ شریف کے حرم مبارک میں داخل ہوگا۔ كَانَ اٰمِنًا ہوگا امن والا۔ اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہ ہوگا۔

مسئلہ: سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حرم شریف کے احاطہ سے باہر حل میں جس پر قصاص واجب ہو اور وہ حرم شریف میں آکر پناہ لے تو اسے حرم میں سزا نہ دی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ حرم شریف کے احاطہ سے خود بخود باہر نکل جائے۔ البتہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے کہ وہ احاطہ حرم سے باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے۔ مثلاً اسے نہ طعام دیا جائے اور نہ ہی پانی۔ اور نہ اُسے رہنے سہنے کے لیے جگہ۔ اور نہ اس سے بیع و شرا کی جائے۔ یہاں تک کہ مجبور ہو کر احاطہ سے باہر نکلے۔

مسئلہ: یہ اُس کے حق میں ہے جو قصاص کے موجب کا ارتکاب حل یعنی حرم کے احاطہ سے باہر کر کے حرم میں پناہ لے۔

مسئلہ: جو شخص حد کے موجب کا ارتکاب احاطہ حرم میں کرے تو اسے سزا دی جائے۔ مثلاً حرم میں چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے یا اس میں قتل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى یُقٰتِلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام شریف کے نزدیک قتل کرنا روا رکھا ہے جب کہ وہ ہمیں قتل کریں۔ اسی طرح جو بھی حرم میں اس قتل کا ارتکاب کرے گا تو اُسے حرم میں قتل کیا جائے گا۔ ہاں جو شخص قتل کا ارتکاب تو حرم شریف کے باہر کرے لیکن حرم شریف میں آکر پناہ لے تو پھر اسے حد کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا۔ یہ ایسے ہے جیسے کفار ہمارے ساتھ حرم شریف میں لڑائی نہ کریں تو ہم بھی ان سے نہیں لڑیں گے۔

فضائل حرمین شریفین

جو اس حرم شریف میں داخل ہوا تو اُسے نارِ جہنم سے امان مل گئی۔

حدیث شریف: میں ہے کہ جو شخص بھی حرمین شریفین میں مرے گا تو وہ قیامت میں اَمن والا ہو کر اُٹھے گا۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حجون اور بقیع کی دونوں طرفین بہشت میں ہیں حجون

اور بقیع مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے گورستانوں کے نام ہیں) یعنی اُن کے اندر ہیں مدفون لوگوں کو بہشت میں داخل کیا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حرم کی گرمی پر صرف ایک پل بھی صبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ دو سو سال کی مسافت پر اس سے جہنم کو دُور فرمائے گا۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ یہاں پر الناس سے مومن مُراد ہیں نہ کہ کفار۔ اس لیے کہ شرائع کی ادائیگی کے لیے وہ مخاطب نہیں۔ ہم احناف کے نزدیک یہی حق ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ نے خلاف فرمایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے مومنین پر ثابت ہو چکا ہے۔ حِجُّ الْبَيْتِ بیت اللہ کا حج پڑھنا۔ اَلْبَيْت کی الف ولام عہد کا ہے۔

حل لغات: الحج اہل حجاز کی لغت میں فتح کے ساتھ اور اہل نجد کی لغت میں کسرہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ بہر حال دونوں میں حج بمعنے القصد یعنی وجہ مخصوص اور مقرر وجہ پر زیارت کا ارادہ کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا حق واجب ہے لوگوں کے ذمہ میں کہ ادائیگی کے بغیر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ وہ جو راستہ کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ جملہ مُحلاً مجرور ہے اس لیے کہ للناس سے بدل البعض ہے اس کے عموم کی تخصیص کرتا ہے اس کی ضمیر جو کہ مبدل منہ کی طرف عائد ہوتی ہے وہ محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے۔ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْهُمْ۔ یعنی وہ شخص جو قادر ہے اور بیت اللہ شریف پہنچنے کی قدرت رکھتا ہے۔

مسئلہ: یہاں پر قدرت سے مُراد آلات و اسباب کی سلامتی مراد ہے۔

مسئلہ: زاد راہ اور بیت اللہ شریف تک پہنچنے کی سواری بھی اسباب میں شامل ہے اور یہ قدرت فعل پر مقدم ہوا کرتی ہے۔

ف: وہ استطاعت جو کہ وجوب الفعل کی شرط ہے اس سے یہی استطاعت مراد ہے نہ وہ استطاعت جو حصولِ فعل کے لیے شرط ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ تو فعل کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ فعل کے وجود کی علت و سبب ہے اور جس کی شئے کی یہی صفت ہو تو فعل کے ساتھ ہوگی نہ کہ پہلے۔ نتیجہ نکلا کہ پہلی استطاعت وجوب کے لیے شرط ہوتی ہے اور دوسری حصول فعل کے لیے مَنْ كَفَرَ اور وہ جو کفر کرے۔

سوال: یہاں پر "وَمَنْ لَمْ يَحُجَّ" یعنی جو حج ادا نہ کرے) کے بجائے "وَمَنْ كَفَرَ" کیوں کہا گیا ہے۔

جواب: حج کے وجوب کی تاکید کی طرف اشارہ ہے اور اس کے تارک کو شدت کے ساتھ افہام و تفہیم کی گئی ہے کہ جو شخص بھی قدرت کے باوجود حج نہیں کرتا گویا وہ کفر کی سرحد تک پہنچ گیا۔ اور وہ اس جیسا ہوگا جو حج کے حکم سے کفر کرتا ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ بس بیشک اللہ تعالیٰ عٰلمین سے بے پرواہ ہے۔ اُسے اُن کی عبادت کی ضرورت ہی نہیں۔ اور جو شخص حج کے امور سے کفر کرتا ہے تو وہ بھی منجملہ انہی سے ہے اور اس کا اُن میں داخل ہونا بدیہی ہے

اور شرط جزا کے مابین رابط کی ضمیر کے لیے اس طریق سے اکتفا کیا گیا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس پر حج فرض ہے بنا سے کوئی ضرورت شدید د ردکتی ہے اور نہ ہی اسے کوئی بیماری مانع ہے اور نہ اُسے حکومت کی طرف سے رکاوٹ ہے پھر بھی حج نہیں اط کرتا تو وہ یہودی ہوکر مرا یا نطرانی ہوکر۔

سوال: یہودیت و نصرانیت کی تخصیص کیوں۔

جواب: چونکہ یہ دونوں حج کی فرضیت کے سرے سے قائل ہی نہیں اور نہ ہی وہ کعبہ شریف کی افضیلت کو مانتے ہیں گویا یہ شخص عملی طور انہیں میں سے ہوگیا۔

مختارِ کل نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی زجر و توبیخ سنائی تو یہ وہی کر سکتا ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ماذون و مختار ہو۔

حکایت: حضرت علی بن الموفق رحمہ اللہ نے ساٹھ حج پڑھے ۔ایک سال انہیں خیال گزرا کہ میں نے اتنے حج پڑھے ہیں ۔نا معلوم میرے حج قبول ہوئے یا نہ ۔اس اثنا میں انہیں نیند آگئی ۔خواب میں سُنا کہ اے علی بن الموفق جس طرح تم اپنے گھر میں صرف اس کو دعوت دیتے ہو جو تمہارا محبوب ترین ہوتا ہے ۔اس طرح ہم بھی اپنے گھر کی دعوت اپنے دوستوں کو دیتے ہیں ۔یہ بات سُن کر حضرت علی بن الموفق بہت خوش ہوئے۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ حج ادا کرنے کی طاقت تو ہے لیکن وہ حج کو جاتا نہیں تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی دعوتِ ضیافت کو ٹھکرا رہا ہے ۔اور جو اللہ تعالیٰ کی دعوتِ ضیافت کو ٹھکراتا ہے اس جیسا محروم القسمۃ کون ہوگا ۔اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ شخص بہت قبیح الحال ہے جو اللہ تعالیٰ کی ضیافت کے استحقاق کا خود کو اہل نہیں بناتا ۔بلکہ اُلٹا بغاوت و فساد کے دہانے کھڑے ہونے کی جدوجہد کرتا ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ ان امکنہ مبارکہ اور مقامات مطہرہ کی زیارت کو مخلوق جمع ہو تو اُن کے دلوں میں ان مکانات و مقامات کی محبت ڈال دی کہ ہر سال ہر ایک کا جی چاہتا ہے کہ کاش ہمیں دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا نتیجہ ہے جب کہ بارگاہ الٰہ میں عرض کیا ۔فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ تہوی بمعنے تحب ”یعنی لوگوں کے دلوں کی محبت کا رخ ادھر یعنی کعبہ کی طرف پھیرے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ہے پھر جہاد فی سبیل اللہ پھر حج مبرور۔

مسئلہ: حج سے گناہوں کی مغفرت اور بہشت نصیب ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حج مبرور (مقبول) ہو۔

ف : حج مبرور دو امروں سے نصیب ہوتا ہے۔ (امر اول) حج اعمال برّ بجالائے اور برّ کا اطلاق تین امور پر ہوتا ہے۔
۱۔ احسان للناس (۲) اطعام الطعام (۳) افشاء السلام (امر دوم) وہ اعمال کہ جن سے حج کی تکمیل ہو اور حج کی تکمیل رفث۔ فسوق۔ معاصی سے اجتناب سے ہوتی ہے۔

ف : حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ جو شخص حج کا ارادہ کرے تو اسے تین باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ (۱) وہ پرہیزگاری جو محارم الٰہی سے بچائے (۲) تو صلہ جو اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رکھے (۳) احباب و رفقائے حج کی صحبت کے حقوق کی پاسداری۔ ان تینوں امروں کا مسافر کو پابند ہونا ضروری ہے۔ خصوصاً حج کو جانے والے کے لیئے نہایت ضروری ہے جس نے ان تینوں کو مکمل طور ادا کیا اس کو حج کامل نصیب ہوا۔

سبق : سالک کے لیئے ضروری ہے کہ عوام سے خوش خلقی سے پیش آئے ؎

از من بگو حاجیٔ مردم گزارا — کو پوستین خلق بآزار می درد

حاجی تو نیستی شتر است از برائے آنکہ — بیچارہ خار می خورد و بار می برد

ترجمہ (۱) لوگوں کے دل دکھانے والے حاجی کو میری طرف سے کہہ دو جب کہ وہ خلق خدا کا چمڑا اُدھیڑ لیتا ہے۔
۲۔ تو حاجی نہیں بلکہ اُونٹ تیرے سے بہتر ہے جب کہ وہ کانٹے کھا کر بوجھ اٹھاتا ہے۔

حج مبرور کی علامات : بعض مشائخ نے فرمایا کہ حج مبرور کی علامت یہ ہے کہ حج سے واپسی پر دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رجوع ہو۔

تفسیر صوفیانہ حضرت نجم الدین کبریٰ نے اپنی تاویلات میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو بیت اللہ کو جانے اور ان میں امور حج بجالانے اور ارکان حج و مناسک مقرر فرمائے ہیں ان میں تمام کے تمام سلوک کے ارکان اور سیر الی اللہ کے شرائط و آداب بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً حج کے ارکان میں سے احرام بھی ہے اس میں اشارہ ہے کہ سالک رسوم سے خارج ہو جائے اور نفسانی خواہشات کا ترک کرے اور دنیا و مافیہا سے بالکل فارغ ہو جائے اور نفس کو اخلاق رذیلہ سے پاک کرے۔ خصوصی توجہ کے ساتھ عبودیت کا احرام باندھے۔ نیز حج کے ارکان میں سے وقوف بالعرفات بھی ہے اس میں اشارہ ہے کہ سالک معرفت کے عرفات پہ ٹھہرے اور صدق التجاء و حسن العہد و الوفاء سے عقبۂ جبل رحمت پہ بیٹھے اور اس کے ارکان میں سے طواف بھی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ وہ کعبۂ ربوبیت کے اردگرد ات طوافوں سے امور بشریہ کی درندگی سے خارج ہو جائے اور اس کے ارکان میں سے سعی (دوڑنا) بھی ہے اس میں اشارہ ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ صفائے صفات اور مروۂ ذات کی طرف سیر کرے اور اس کے ارکان میں سے حلق (سر مونڈانا) بھی ہے اس میں اشارہ کہ سالک کے لیے ضروری ہے کہ انوار الٰہیہ کے موسیٰ سے آثار عبودیۃ مٹا ڈالے۔ اس پر تمام مناسک کا قیاس کیجئے۔ نیز حج ہیں عین الطالب و القصد الی اللہ کی طرف اشارہ ہے بخلاف اسلام کے باقی ارکان کے وہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ استعداد طالب کے ایک حصہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے صرف حج میں ہی اپنے بندوں سے لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ کا حکم فرمایا ہے دوسرے ارکان اور واجبات کے لیے اس طریق سے حکم نہیں فرمایا کہ کہیں کہا ہو وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ (الصلوٰۃ والصوم والزکوٰۃ وغیرہ وغیرہ) اس میں یہی نکتہ ہے کہ حج سے مقصود اعظم ذاتِ حق ہے اور باقی ارکان میں یا نجات مطلوب ہے یا درجات و قربات یا مقامات و کرامات اور مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا میں استطاعت سے جذبۂ حق مراد ہے جو ثقلین کے عمل کے برابر ہے اور سیر الی اللہ اور وصول اللہ کے مراتب صرف اس استطاعت سے ہی نصیب ہوتے ہیں۔ وَمَنْ کَفَرَ اور جو کفر کرتا ہے یعنی وجدانِ حق کا قائل نہیں اور نہ ہی الطافِ رب کے نفحات کی تلاش میں ہے اور نہ ہی جذبات الوہیت کے جذبات کا قرب حاصل کرتا ہے جیسا کہ اس کی طرف حج کے ارکان اشارہ کرتے ہیں۔ فَاِنَّ اللہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔ بیشک اللہ تعالیٰ عالمین سے بے پرواہ ہے یعنی اسے یہ ضرورت نہیں کہ وہ عبادت کریں کے تو اُس کی ترقی ہوگی۔ ہاں البتہ عالمین کو اس کی ضرورت ہے کہ اس کے سوا انہیں کوئی چارہ نہیں (ہم سب کو اللہ تعالیٰ ان کاملین سے بنائے جو کعبہ یقین و تمکین تک پہنچ چکے ہیں)

تفسیر عالمانہ

قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ (اے اہل کتاب) اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

سوال : اہل کتاب سے صرف دو گروہوں کو کیوں موسوم کیا گیا حالانکہ اُن کے علاوہ اور قوموں پر بھی کتابیں اور صحیفے اُترے ہیں۔

جواب : اس لیے کہ صرف یہ لوگ تحریف کر کے اپنی طرف سے گھڑے ہوئے مضامین کے مجموعہ کو خدائی کتاب کہتے تھے پھر اصلی و نقلی یعنی القائے رُوحِ امین اور محرف شدہ مجموعہ کے لحاظ سے اُن کی اس نام سے خصوصیت ہوگی۔ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللہِ (اللہ تعالیٰ کے آیات سے تم کفر کیوں کرتے ہو) اس میں انہیں توبیخ کی جا رہی ہے اور تنبیہ ہے کہ اُن کے ان آیات سے کفر کے اسباب میں سے کوئی سبب بھی نہیں تھا اور ثابت کرنا ہے کہ انہیں کفر سے پورے طور اجتناب کرنا ضروری تھا۔

ف : لفظ آیات میں عموم ہے خواہ آیات قرآنیہ ہوں (منجملہ اُن کے یہی آیات ہیں جو حج وغیرہ کے متعلق مذکور ہوئیں) یا وہ آیات جو تورات و انجیل میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے متعلق موجود تھیں۔ وَاللہُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے وہ کردار جو تم عمل میں لاتے ہو اور یہ تکفرون کے فاعل سے حال ہے اب معنی یوں ہوا کہ تم لوگ کس سبب سے اللہ تعالیٰ کے آیات کے ساتھ کفر کرتے ہو حالانکہ تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے اور اُن پر سزا دینے پر بھی بہت بڑی قدرت رکھتا ہے پھر شک کا ہے کا جب تمہاری غلط کاروائیوں کے تمام راستے بند ہو گئے۔ بلکہ اُن کے تمام اسباب منقطع ہو چکے قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو جو بھی

پھیرتے ہو عَنْ سَبِيْلِ اللهِ اللہ تعالیٰ کے راستے اور اُس کے توحید سے اور ملت اسلام میرا ہے مَنْ اٰمَنَ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں۔ یہ تصُدُّونَ کا مفعول بہ ہے۔

شانِ نزول یہود و نصاریٰ کی عادت تھی کہ وہ مؤمنوں کو فتنہ میں ڈالتے اور اُن کو دین اسلام سے ہٹانے کی کئی قسم کی فریب کاریاں کرتے اور جو لوگ اسلام میں داخل ہونا چاہتے تھے تو سر کی بازی لگا کر انہیں اسلام کے داخلہ سے روکتے اور ساتھ یہ بھی کہتے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ کریمہ اُن کی کتابوں میں نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی تشریف آوری کی بشارت اُن میں موجود ہے۔ تَبْغُوْنَهَا ھا ضمیر کلام حرف جارہ محذوف کر کے فعل کو براہ راست ھا ضمیر کا عامل بنایا گیا۔ دراصل عبارت تَبْغُوْنَ لَهَا تھی۔ اس لیے کہ بغی صرف ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں بغیت المال اور تَبْغُوْنَهَا کی ضمیر سبیل اللہ کی طرف راجع ہے اور لفظ سبیل مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث بھی یعنی تم طلب کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے راستہ کو جو کہ تمام راستوں سے بہت زیادہ سیدھا ہے۔ عِوَجًا ٹیڑھا۔ یعنی میانہ روی اور استقامت سے ہٹا کر کہ لوگوں کے سامنے ایسے غلط طریقے سے اسے بیان کرتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کبھی منسوخ ہونے والی نہیں اور تم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مبارکہ کو اپنی کتابوں میں بدل ڈالا ہے۔ وغیرہ وغیرہ یہ جملہ تَصُدُّونَ کے فاعل سے حال ہے۔

حل لغات: العوج بکسر العین و فتحہا بمعنے المیل والانحراف۔ لیکن بالکسر صرف معانی میں اور بالفتح اعیان میں مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فی دینہ عوج (بالکسر) یہ معانی کی مثال ہے۔ اور کہا جاتا ہے "فی الجدار والقناۃ و شجر عوج (بالفتح) یہ اعیان کی مثال ہے وَاَنْتُمْ شُهَدَآءُ یہ تَصُدُّونَ کے فاعل سے حال ہے بایں اعتبار کہ وہ حال اُولیٰ سے مقید ہے یعنی تمہارا حال یہ ہے کہ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے راستے ٹیڑھا ہونے کا شائبہ تک بھی نہیں۔ الٹا تمہارا روکنا تمہارا اپنا نقصان ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں وہ جو تم اللہ تعالیٰ کے راستہ سے رکاوٹ ڈالتے ہو اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کریمہ بیان نہیں کرتے ہو تمہارے ان تمام کرتوتوں کو وہ خوب جانتا ہے۔

ربط جب اللہ تعالیٰ نے مومنین کے راہِ حق سے روکنے والے اہل کتاب کو زجر و توبیخ فرمائی تو اب ضروری ہوا کہ مومنین کو راہ حق سے روکنے والے لوگوں کی اتباع سے منع کیا جائے۔ اس لیے فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا۔ اے ایمان والو اگر تم اطاعت کرو گے ایک گروہ کی۔ صرف ایک گروہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ اُن میں بعض حضرات تو دولتِ ایمان سے نوازے گئے مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ان لوگوں کی جو کتاب دیئے گئے ہیں تو وہ بعد تمہارے ایمان لانے کے تمہیں کافر بنا ڈالیں گے۔

ترکیب: کافرین یَرُدُّوْكُمْ کا مفعول ثانی ہے اس لیے کہ رَدَّ بمعنی تصییر (بنا ڈالنا) کے ہے۔

شانِ نزول حضرت عکرمہؓ نے فرمایا کہ آنے والی آیت شماس بن قیس یہودی کے حق میں نازل ہوئی ۔ جب کہ اس نے ایک ہی مجلس میں اوس وخزرج کا بے پناہ ہجوم دیکھا ۔ اور ساتھ ہی ان کی آپس کی محبت کا معائنہ کیا تو اسے سخت غصہ آیا کہ یا یہ دونوں ایک دوسرے کے جان کے پیاسے تھے ابھی اسلام للئے ہیں اور پھر ایک دوسرے کو جان سے پیارا رکھنے لگ گئے ہیں ۔ اس نے یہ شرارت کی ایک نوجوان کو بھیجا تاکہ انہی کی مجلس میں بغاث کی جنگ کے اشعار سنائے (اور اس دن یہی ان دونوں قبیلوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی تھی جس پر اوس فتیاب ہوئے تھے) نوجوان کے اشعار مذکور سنانے سے ان کی پرانی عداوت کے زخم پھوٹے ۔ جس کی وجہ سے وہیں پر ان دونوں قبیلوں کا پھر جھگڑا شروع ہوگیا ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی ۔ آپ ان کی صلح کی خاطر تشریف لائے اور یہ ارشاد گرامی سنایا ۔ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ اور تم کیسے کفر کرتے ہو ۔ انکار د تعجب کی بنا پر استفہام لایا گیا وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں آیات اللہ سے قرآن مجید مراد ہے وَفِيكُمْ رَسُولُهُ اور تمہارے اندر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں یعنی تمہارے ہاں کفر کیسے گھس سکتا ہے جب کہ تمہیں قرآنِ پاک جیسی مجسم معجزہ کتاب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنایا جاتا ہے اور پھر ابھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے درمیان زندہ موجود ہیں وہ تمہیں تنبیہ کر سکتے ہیں تمہیں وعظ سناتے ہیں اور تمہارے شبہات کو دور فرما سکتے ہیں ۔ انہی امور کے باوجود تمہارا ایمان سے ہٹنا اور کفر میں داخل ہونا بعید بات اور عجیب تر معاملہ ہے ۔ وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ اور وہ جو تمسک پکڑتا ہے اللہ تعالیٰ سے یا اس کے دین حق سے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے آیات بیان فرمائے اس سے اسلام اور توحید مراد ہے ۔ جسے اس سے قبل سبیل اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے فَقَدْ هُدِيَ یہ شرط کا جواب ہے اور لفظ قد معنے کے تحقق کا فائدہ دیتا ہے ۔ گویا ایسے شخص کو ہدایت حاصل بھی ہو گئی ۔ پس وہ اللہ تعالیٰ اس حاصل شدہ امر کی خبر دیتا ہے ۔ اور اس میں توقع کا معنیٰ ظاہر ہے اس لیے معتصم باللہ تعالیٰ ہے اور اسی سے ہدایت کی صرف امید نہیں بلکہ یقین ہے جیسے کریم کے قاصد کے بلاوے پر امید بندھ جاتی ہے یعنی اسے توفیق نصیب ہوگی اور ہدایت ملے گی ۔ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ سیدھے راستہ کی طرف یعنی وہ شخص اپنے مطلوب تک پہنچے گا ۔

تفسیر صوفیانہ ظاہری طور تو اہل کتاب کو خطاب ہے اور درحقیقت علماء سوء سے خطاب ہے کہ دین بیچ کر دینا حاصل کرتے ہیں اور وہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے اس لیے یہ حقیقی طور قرآنی احکام کے منکر ہیں ۔ یعنی دنیا میں زہد اور ورع و تقویٰ سے اعراض کرتے ہیں ۔ اور نفس کی خواہشات سے نہیں رکتے اور بقاء پر فناء کو ترجیح نہیں دیتے اور اعراض عن الخلق و توجہ الی الحق کے عامل نہیں ۔ مقصود کو حاصل کرنے کے لیے وجود کو فانی نہیں بناتے ۔ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ اور وہ عمل جو تم کرتے ہو ان کے ساتھ ہے اور انہیں دیکھتا ہے اور تمہارے اعمال خیر و شر کی نیات کو بھی جانتا ہے ۔ قیامت میں ان پر تمہیں جزاء و سزا دے گا ۔ اور وہ اپنے

دنیوی حرص اور اتباع شہوات کی وجہ سے اُلٹا اُن مومنین (جو کہ اُن کی اتباع کرنے کی سعادت سمجھتے ہیں اور انہیں اُن سے حسنِ ظن ہے اور اُن کے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ اُن کے اعمال و احوال قواعد شریعت اور ضوابطِ طریقت کے مطابق ہیں) کو یہ لوگ راہِ خدا اور طریق حق سے روکتے ہیں ۔ جب کہ وہ اس راہ کے طالب ہیں ۔ جس کے لیے انبیاء علیہم السلام خلقِ خدا کو دعوت دینے پر مامور ہیں ۔ یہ لوگ انہیں طریقِ حق کی سیر سے ہٹا کر طریق باطل کی طرف لے جانا چاہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو راہِ حق کی یوں وصیت فرمائی کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ الخ یعنے اے ایمان والو اگر تم اُن کفر کرنے والوں کی اتباع کرو گے تو وہ تمہیں مرتد بنا دیں گے ۔ یعنی تمہارے ایمان لانے کے اور تمہیں اپنی اتباع اور گندی عادتیں ڈال کر طریق حق سے پھیر دیں گے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ۔ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ اور گمراہوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو گمراہ ہوئے اور بہتوں کو سیدھے راہ سے ہٹایا ۔

علم و عمل کی بات : بہتر وہ علم ہے کہ جس کے ساتھ خشیت الٰہی ہو اس لیے کہ خشیت الٰہی صفات حق کے علم سے پیدا ہوتی ہے اور علم کا شاہد جو اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے اور وہ خشیت اسے ہی حکم الٰہی بجالائے جا سکتے ہیں اور وہ علم کہ جس میں خشیت نہ ہو بلکہ یہ امور ہوں (۱) دُنیا کی رغبت (۲) دُنیا داروں کی خوشامد ۔ (۳) دنیا کے حصول کے لیے اپنی ہمت لگا دینا (۴) دنیا جمع کرنا (۵) اُسے ذخیرہ بنانا (۶) اس پر فخر و مباہات کرنا (۷) اس کی کثرت کی فکر میں رہنا (۸) لمبی لمبی آرزوئیں رکھنا (۹) آخرت کو بھول جانا ۔ اس جیسا محروم عن العلم اور کون ہوگا ۔ اسے انبیاء علیہم السلام کی وراثت کیا نصیب ہوگی جب کہ قاعدہ ہے کہ مورث کی وراثت وارث کو اس طریق سے ملتی ہے کہ جن اوصاف سے مورث کی وراثت ایسے بدبخت علماء کی مثال اس شمع جیسی ہے کہ وہ اپنے سر پر روشنی رکھ کر تمام عالم کو تو روشن کر رہی ہے لیکن اپنا بیڑا غرق کر رہی ہے ؎

ترکِ دُنیا بمردم آموزند — خویشتن سیم و غلہ اندوزند

عالمے راکہ گفت باشد و بس — چوں بگوید نگیرد اندر کس

ترجمہ : (۱) لوگوں کو تو ترک دُنیا سکھاتے ہیں لیکن خود چاندی اور غلہ یعنی دنیا جمع کرتے ہیں ۔
(۲) جس عالمِ دین کی صرف باتیں ہوں اور عمل نہ ہو تو وہ جو کچھ کہتا ہے اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا ۔

علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت پر ایک وقت آئے گا کہ اس میں اسلام کا صرف نام رہ جائے گا ۔ اور قرآن صرف رسم ۔ اس

لے انہیں علماءِ سُوء کے متعلق حضرت پیر بُلھے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎
مُلاں تے مشعالچی دوہاں اکو چت ۔ لوکاں کرن چاننا آپ ہنیرے وچ (ترجمہ اویسی)

زمانہ کے لوگوں کے دل ہدایت سے محروم ہوں گے یعنی اُن کی مساجد صرف نمائشی طور پر آباد اور درحقیقت برباد ہوں گی۔ آسمان کے نیچے سب سے زیادہ بُرے اس زمانہ کے علماء ہوں گے۔ انہیں سے فتنے برپا ہوں گے اور اور انہیں کی طرف لوٹیں گے۔

بدعمل علماء کی سزا کا بیان حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ بدعمل علماء وحفاظ کو بُت پرستوں سے پہلے لایا جائے گا اور سب سے پہلے یہی لوگ جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔

روحانی نسخے داتا پر لازم ہے کہ وہ عُلماء کے ظاہری ٹھاٹھ کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھائے۔ بلکہ اعتقاد اور اعمال پر کڑی نگرانی کرے اور انہیں غور سے دیکھے اگر اُن کے اعمال بُرے ہوں تو اُن سے بچے اور اُن کی سیرت کو چھوڑ کر نیک لوگوں کے طریقے کو اپنائے ماسویٰ اللہ سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کا بن جائے اور توحید حقیقی کو ہاتھ سے نہ جانے دے یہاں تک کہ اسے صراط مستقیم پہ چلنا نصیب ہو جائے۔ پس جو شخص فناء بالوحدۃ سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا تو اُسے اللہ تعالیٰ کا راستہ نصیب ہوگا۔ بلکہ وہی خود صراط اللہ بن جائے گا۔ نہ اسے کوئی اس راہ سے ہٹا سکے گا۔ اور نہ کوئی شئے اسے ضرر پہنچا سکے گی۔ اور نہ ہی کسی دشمن کا مکر و فریب اس پر اثر انداز ہو سکے گا۔ اور نہ ہی اُسے کوئی گمراہ کر سکے گا۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بن جاتا ہے اور وہی اُس کا حافظ و ناصر ہوتا ہے اور ایسا طریقہ ہر سالک کو نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ قادر اپنی قدرت سے جس بندے کا ہاتھ پکڑ کر اسے منزل مقصود تک پہنچا دے تو وہ مالک ہے اور یہ بھی ہے کہ بندہ اگر اپنی طلب میں مخلص ہے تو اللہ تعالیٰ کی قبولیت اس کا استقبال کرتی ہے اس لیے کہ جو بھی کسی شئے کو طلب کرتا ہے آخر ایک دن اسے حاصل بھی کر لیتا ہے اور جو بھی کسی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے آخر اُس میں داخل ہونا نصیب ہو جاتا ہے ہم سب کو اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے مکر و فریب سے ہر آن محفوظ فرمائے۔ (آمین یا مستعان)



يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَ
اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ
اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا
حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ○ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا
وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ لا
يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ
وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ
بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ
وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○ ع

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور ہرگز نہ مرنا مگر اور تم مسلمان
اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر آپس میں پھٹ نہ جانا اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو،
جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے
اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا دیا اللہ تم سے یوں ہی اپنی
آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پاؤ اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف
بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے اور ان جیسا نہ ہونا جو آپس
میں پھٹ پڑے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی بعد اس کے کہ روشن نشانیاں آ چکی تھیں اور ان کے لیے بڑا
عذاب ہے جس دن کچھ منہ اونجالے ہوں گے اور کچھ منہ کالے تو وہ جن کے منہ کالے ہوئے کیا تم ایمان
لا کر کافر ہوئے تو عذاب چکھو اپنے کفر کا بدلہ اور وہ جن کے منہ اجالے ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہیں
وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم ٹھیک ٹھیک تم پر پڑھتے ہیں اور اللہ جہان والوں پر
ظلم نہیں چاہتا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ ہی طرف سب
کاموں کی رجوع ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔

حل لغات: الاتقاء از باب افتعال ہے اس کا مادہ ”قایۃ“ ہے یعنی بہت زیادہ بچانا (حَقَّ تُقَاتِهٖ) حق ڈرنے کا یعنی تقوی اور جو امور اس سے واجب ہیں کا حق کا پورا کرو (اصطلاح شریعت میں تقوی واجب کی ادائگی میں حسب وسعت بشریہ جدوجہد اور محارم ربانی وغیرہ سے بچنے میں کوشش کرنا۔ یعنی جہاں تک تمہاری بشری طاقت کا تعلق ہے اللہ تعالی سے ڈرو یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تقوی میں مبالغہ کرو یہاں تک کہ تمہاری طاقت کے حد درجہ تک کوئی شے ایسی نہ رہے جو تم نے تقوی کے حقوق کی ادائگی میں کوتاہی کی ہو۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ اور نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو یعنی اپنے نفوس کو خالص اللہ تعالی کے لیے بناؤ۔ اُن میں اللہ تعالی کے سوا کسی غیر کی شرکت نہ ہو۔ یہ اعم الاحوال سے استثناء مفرغ ہے۔ یعنی تم نہ مرو۔ یہ جملہ احوال کے کسی حال میں مگر اس حال میں کہ تمہارا اسلام محقق اور اس پر ثابت قدم ہو۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ اسلام میں زندگی گزارو۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ اور اللہ تعالی کی رسّی کو مضبوط پکڑو۔ حَبْل اللہ سے دین اسلام یا کتاب اللہ مراد ہے حبل بمعنے رسّی لیکن یہاں پر ان دونوں مطالب میں سے کسی ایک کے لیے استعارہ کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں حبل سے مشابہت رکھتے ہیں۔ جیسے رسی ہلاکت سے نجات دیتی ہے۔ ایسے ہی یہ دونوں عذاب الہی کی ہلاکت سے بچاتے ہیں۔ نیز جیسے رسّی کے ذریعے مطلوب تک پہنچا ہوتا ہے ان کی بدولت بھی مطلوب حقیقی کا وصال نصیب ہوتا ہے تم نے دیکھا کہ جو راستہ جان لیوا ہو کہ پاؤں پھسلتے ہی موت کے گھاٹ اُتر جاتا ہے تو اُس کی دونوں طرفوں پر رسی باندھ دی جاتی ہے تاکہ اس رسّی کو پکڑ کر آرام سے راستہ طے کر لیا جائے۔ ایسے ہی اللہ تعالی کی رضا اور سعادت ابدیہ کا راستہ بھی جانگداز وادی کی طرح ہے کہے ”درین ورطہ کشتی فروشد ہزار“ (ہزاروں کے یہاں قدم پھسلے اور مر کر مٹی میں مل گئے) اس لیے اس راہ کے قدم قدم پر گمراہی کے اسباب کا جال بچھا ہوا ہے۔ پھر جسے قرآن عظیم اور قوانین شرعیہ کا دامن نصیب ہو گیا۔ اور دینیات ربانی کی رسی مل گئی تو وہ صراط مستقیم تک پہنچ گیا۔ اور گمراہی (جو نار جہیم میں لے جاتی ہے) سے بچ گیا۔ جیسے رسّی کو پکڑ کر جانگداز راستہ طے کرنے والا پھسل کر مر جانے سے بچ گیا۔ جَمِیْعًا اِعْتَصِمُوْا سے حال ہے۔ یعنی حبل اللہ کو مضبوط پکڑنے میں سب کے سب اکٹھے ہو جاؤ۔ وَلَا تَفَرَّقُوْا اہل کتاب کی طرح آپس میں اختلاف کر کے حق سے دور نہ ہو۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اور اپنے اوپر اللہ تعالی کی نعمتوں کو یاد کرو۔ عَلَیْکُمْ نِعْمَتَ اللّٰهِ سے متعلق ہے اِذْ كُنْتُمْ یہ ظرف ہے۔ یعنی اپنے اُوپر اللہ تعالی کے انعام کو یاد کرو۔ جب کہ اَعْدَآءً زمانہ جاہلیت میں تم ایک دوسرے کے دشمن اور بغض و عداوت سے بھرپور اور عرصہ دراز تک جنگوں میں گھرے ہوئے تھے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اوس و خزرج دونوں سگے بھائی تھے لیکن اُن کی اولاد میں جنگ کا غیر

منتہی سلسلہ جاری ہوا یہاں تک کہ اُن کی ایک سو بیس سال تک خانہ جنگی رہی فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام لانے کی توفیق بخشی اور تمہارے میں ایک دوسرے کی محبت پیدا کر دی فَاَصْبَحْتُمْ پس تم ہو گئے اللہ تعالیٰ کی نعمت سے (یہاں پر نعمت سے اُن کا آپس میں محبت کرنا مُراد ہے) اِخْوَانًا بھائی بھائی یہ اصبحتم کی خبر ہے یعنی آپس میں ایسے بھائی بھائی ہو کہ اب ایک دوسرے کے سوا تمہارا گزارہ مشکل ہے۔ اخوتِ اسلامی کے پیشِ نظر آپس میں محبت اور ایک دوسرے پر رحم اور خیر خواہی کرتے ہو اور کلمہ حق کا منفق ہو۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔ تم نارِ جہنم کے کنارے پر تھے۔

حل لغات : شفا، بمعنی گڑھا اور اُس کا کنارہ یعنی تم نارِ جہنم کے کنارے پر بیٹھ کر اس کی طرف جھانک رہے تھے اور قریب تھا کہ تم اس میں گر جاتے فَاَنْقَذَكُمْ پس تم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف ہدایت دے کر بچایا اور جہنم سے نجات بخشی مِنْهَا اس گڑھے سے كَذٰلِكَ یہ اشارہ اس مصدر کی طرف ہے جو آنے والے فعل میں ہے یعنی مثل رسی واضح کے يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ اللہ تعالیٰ اپنے آیات یعنی دلائل بیان کرتا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تاکہ ہدایت پا جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی پکڑنے والے دو گروہ ہیں۔
(۱) اہل صورت یہ لوگ اسباب کے محتاج ہوتے ہیں کہ اُن کا مشرب صرف اعمال صالحہ ہیں۔
(۲) اہل معنے یہ لوگ اسباب کے محتاج نہیں ہوتے اس لیے کہ اُن کا مذہب احوال ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کو حاصل کرو۔ اس لیے کہ وہی تمہارا مولا ہے یعنی وہی تمہارا اصلی مقصود ہے اور جو حضرات اسباب کے محتاج ہیں انہیں فرمایا۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا یعنی اللہ تعالیٰ کی رسی مضبوط پکڑو۔ یہاں پر رسی سے مراد وہ اسباب ہیں کہ جن کے ذریعے سالک اللہ تعالیٰ تک پہنچے جو شخص اللہ تعالیٰ کی رسی پکڑنے والا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے والا ہے۔ اعمال صالحہ اور قربت کے وسائط سے جب بھی اعتصام پایا جائے گا تو لازمًا عدم تفرق عن الجماعۃ کا سبب بنے گا۔ ظاہرًا تو اس لیے کہ اعتصام کے ترک سے مفارقۃ الجماعۃ

مسئلہ : جو جماعت حق میں تفرقہ پیدا کرے اسے قتل کر دینا ضروری ہوتا ہے وہ اگرچہ بہت بڑے مراتب کا مالک بھی ہو اور باطنًا ایسے شخص سے اندرونی طور خواہشات نفسانیہ سے ایسے بُرے افعال سرزد ہوں گے جو امت کے تفرقہ کا سبب بنیں گے۔

حدیث شریف : حضور نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میری اُمت کے تہتر فرقے ہوں گے ان میں صرف ایک نجات پائے گا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ علیہ وسلم آپ اس کی علامت بتا دیں۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ (اعتقادًا و اعمالًا) پر ہو گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو پہلے تقویٰ کا حکم فرمایا پھر اعتصام کا پھر نعمتوں کو یاد رکھنے کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر بندے کا کام معلل بہ تعلیل ہوتا ہے اور وہ تعلیل یا رہبۃ سے ہوتی ہے یا رغبۃ سے اور قاعدہ ہے رہبۃ رغبۃ سے مقدم ہوتی ہے اس لیے کہ دفع ضرر نفع کی تحصیل سے مقدم ہوتا ہے جیسے تحلیہ سے تخلیہ پہلے ہوتا ہے یعنی پہلے صفائی پھر سنگار آسی لیے اِتَّقُوا اللّٰهَ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف دلانے کی طرف اشارہ ہے پھر اس خوف کو تمسک بدین اللہ کے حکم کا سبب مقرر فرمایا ہے۔ اس کے بعد رغبت دلائی ہے چنانچہ فرمایا۔ وَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔

سبق سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکائے فرمانبرداری کرے اور اُس کی مضبوط رسّی کو مضبوط پکڑے اور دین میں تفرقہ نہ ڈالے اسے کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ادا کرنا۔ کسی شاعر نے خوب فرمایا ہے ؎

متقی را بود چہار نشان ۔۔۔ حفظ احکام شرع اول دان
ثانیًا انچہ دسترس باشد ۔۔۔ برفقیراں ؤمسکیناں بخشد،
عہد را باوفا کند پیوند ۔۔۔ ہرچہ باشد ازاں شود خورسند

ترجمہ: (۱) متقی کی چار نشانیاں ہیں (۱) شرع شریف کے احکام کی پابندی (۲) اگر وسعت ہو تو فقیروں اور مسکینوں کو عطا کرے۔ (۳) وعدہ کو ہمیشہ پورا کرے (۴) اپنے طور ہر ایک کو خوش رکھنے کی کوشش کرے۔

ف: یہی مطلب ہے حضرت شیخ نصرآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی کا کہ انہوں نے فرمایا کہ متقی کی چار نشانیاں ہیں: (۱) حفظ الحدود (۲) بذل المجھود (اپنی طاقت کو راہ حق میں خرچ کرنا) (۳) الوفاء بالعھود (وعدہ کا ایفاء) (۴) القناعۃ بالموجود جو کچھ مل جائے اُس پر شاکر و صابر رہنا۔

ف: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تقویٰ کا حق یہ ہے کہ امر حق سے نہ آگے بڑھے نہ کمی کرے۔ اس کے کئی مراتب ہیں (۱) اجتناب الزلۃ (لغزشوں سے بچنا) (۲) اجتناب الفضلہ (فضولیات سے بچنا) (۳) ماسوی اللہ کی دوستی سے کنارہ کشی (۴) التنفی عن کل علۃ (ہر علت کی نفی) (۵) جب تقویٰ کے اوصاف نصیب ہو جائیں تو اپنے تقویٰ کا تصوّر دِل سے ہٹالے یہی حق تقویٰ کا ہے۔ پس جس کے دِل پر وجود کے اثرات سے کچھ معمولی تصور بھی باقی رہے گا تو اُسے شہودِ حقیقی نصیب نہیں ہوگا شیرازی حافظ فرماتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ ۔۔۔ متٰی تلق من تھوی دع الدنیا واھملھا

ترجمہ: اگر تمہیں اے حافظ محبوب کی حضوری چاہیے تو اس سے کسی وقت غائب نہ ہو۔ جب تجھے اُس کی ملاقات نصیب ہو جائے جس سے تمہاری محبت ہے تو دُنیا (واہل دُنیا) کو کلی طور ذہن سے اُتار دے۔

نکتۂ روحانی: حضرت ابومدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ان دو سالکوں کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔ ایک تو

---

(۱) لغزشوں سے بچنا۔ (۲) فضولیات سے بچنا۔ (۳) ہر علت کی نفی

حور و قصور کا طالب ہے اور دوسرا چاہتا ہے کہ یار کا درمیانی پردہ ہٹ جائے اور دائمی حضوری نصیب ہو۔ مبارک باد! اس سالک کو جو جذبات الٰہیہ سے تحقیق کے قدموں پر چلتا اور تجلی صفات ربانیہ سے توفیق کے پر پر اڑتا ہے۔

بہتر بندہ اور بہترین دعا: حضرت سہل بن تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بندے کا سہارا صرف اس کا اپنا آقا ہے اور وہ بندہ بھی قابل ستائش ہے جس کا رجوع اپنے مولیٰ کے سوا کسی طرف نہ ہو جب اس سے غلطی ہو جائے تو عرض کرتا ہے اے اللہ تعالیٰ مجھے ڈھانپ لے۔ جب اس کے گناہ اللہ تعالیٰ ڈھانپ دے تو عرض کرے اے اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول کیجئے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے تو کہتا ہے اے اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے تاکہ میں نیک عمل کروں جب اللہ تعالیٰ اسے نیکی کی توفیق دیتا ہے تو عرض کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ نیکی قبول فرمالے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوط ہو کر تھامے۔

تفسیر عالمانہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اور چاہیے تم میں سے اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ایک گروہ ایسا ہو جو خیر کی طرف بلائے یعنی تم میں سے ایسی جماعت ہونی چاہیے جو داعی الی الخیر ہو خیر سے وہ دینی دنیوی امور مراد ہیں جن میں بھلائی ہی بھلائی ہو۔

ف: یہاں دعا سے افعال پر مکلف بنانا یا ان سے روکنا ہر دونوں مراد ہیں۔ اس پر ایک خاص امر کا عطف ڈالا گیا ہے تاکہ اس کی فضیلت ظاہر ہو اور سب کو معلوم ہو کہ یہ فعل مہتم بالشان ہے۔ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اور وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ المعروف ہر وہ امر جسے شرع اور عقل ہر دونوں مستحسن سمجھیں یعنی شرع و عقل کے موافق عمل کرنا۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور وہ برائی سے روکتے ہیں۔ المنکر ہر وہ امر جسے شرع و عقل ہر دونوں قبیح سمجھیں یعنی امر الٰہی کی مخالفت کا نام منکر ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ یہ اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو اوصاف مذکورہ کاملہ سے موصوف ہوں۔ اور کاف مفرد اس لیے ہے کہ ان کا ہر ہر فرد انہی صفات کاملہ سے موصوف ہوتا ہے اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے خطاب کا مستحق بھی ہوتا ہے هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وہی لوگ کامیاب ہوئے۔ یعنے یہی لوگ کمال فلاح کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ضمیر "هم" فاصلہ کی ہے یہ فائدہ دے رہی ہے کہ یہ مسند صرف اس مسند الیہ سے خاص ہے اور منکم کا من تبعیضیہ ہے اگرچہ خطاب تمام مخاطبین کو ہے لیکن دعوت الی الخیر کا اسناد بعض کی طرف ہے۔

سوال: یہ عجیب منطق ہے کہ خطاب عام لیکن دعوت کا اسناد صرف بعض سے ہے۔

جواب: یہ عموماً ہوتا ہے جب قرینہ موجود ہو۔ یہاں پر بھی قرینہ موجود ہے کہ دعوت الی الحق بعض پر فرض ہے اسی لیے فقہائے کرام نے فرمایا تبلیغ فرض علی الکفایہ ہے۔ اگرچہ واجب سب پر ہے پھر جب ان میں سے بعض نے یہ

فریضہ ادا کر لیا تو تمام سے اُس کی فرضیت (وجوب) ساقط ہو گئی ۔ اگر کسی نے بھی اس پر عمل نہ کیا تو گناہ میں تمام شریک ہوں گے ۔ بہر حال تبلیغ کا فریضہ ادا کرنا سب پر لازم نہیں ۔ علاوہ ازیں تبلیغ اُن اُمور سے ہے جو مہتم بالشان کہلاتے ہیں ۔ اور ایسے ہی اہتمامی اُمور کو صرف عُلماء کرام سرانجام دے سکتے ہیں ۔ کیونکہ عالم دین کو مراتب احتساب و کیفیت ادائے تبلیغ معلوم ہوتے ہیں ۔ ورنہ جاہل بیچارہ[1] تو قدم قدم پہ ٹھوکریں کھائے گا ۔ جہاں امر بالمعروف کی ضرورت ہے وہاں نہی کو عمل میں لائے گا ۔ یعنی نیکی مطلوب تھی لیکن وہ الٹا نیکی سے روکے گا ۔ اور جہاں نہی عن المنکر کی ضرورت ہو گی وہاں امر کو عمل میں لائے گا ۔ یعنے وہ اُلٹا برائی کا حکم صادر کرے گا یا کہیں سختی سے کام لینا ہے تو وہ نرمی کرے گا اور اگر کہیں نرمی کرنی ہے تو وہ سختی کرے گا ۔ الٹا اس بیمار کے زخموں پر نمک چھڑکیگا ۔ جیسے برائی سے روکیگا اُلٹا اس کی سرکشی بڑھے گی یا برائی سے روکنے سے وہ کسی قسم کا اثر قبول نہیں کرے گا ؛ اصحاب المعاصی والجرائم کو برائی سے روکا جائے تو وہ اپنی دھن کے ایسے پکے ہیں کہ وہ سُنی کو ان سُنی کے کھاتے میں لکھ دیتے ہیں ۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ مِن تبیینیہ ہے اور کَانَ ناقصہ ہے اب عبارت یوں ہو گی "کُوْنُوْا اُمَّۃً یَّدْعُوْنَ الخ" یعنی مذکورہ بالا سوال کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عرب میں عام استعمال ہے کہ خطاب عام ہو لیکن مراد ان میں سے بعض ہوں ۔ چنانچہ جہاد فرض کفایہ ہے لیکن اس میں بھی خطاب عام لیکن ان میں سے بھی بعض مراد ہیں ۔

تبلیغ حق کے فضائل

حدیث : (۱) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ممبر پر رونق افروز ہو کر وعظ کر رہے تھے کہ کسی نے پوچھا حضرت! بتائیے کہ خلقِ خدا میں کون شخص بڑی فضیلت رکھتا ہے آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو نیکی کی تبلیغ کرتا اور برائی سے روکتا ہے اور خوفِ خدا اس کے دل میں ہو اور صلہ رحمی بھی کرتا ہو ۔

حدیث : (۲) جو شخص لوگوں کو نیک باتوں کی تلقین کرتا ہے اور بُرائی سے روکتا ہے یعنی وعظ و تبلیغ فی سبیل اللہ کرتا ہے تو وہ زمین پر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور کتاب اللہ کا نائب ہے ۔

حدیث : (۳) عنقریب میری اُمت پر ایک زمانہ آنے والا ہے کہ نیکی کی رغبت دینے والا اور برائی سے روکنے والا مردار گدھا سے بھی گیا گزرا نظر آئے گا ۔

حدیث : (۴) حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ جو اپنے ہمسائیگاں سے محبت کرتا ہے یعنی

---

[1] ہمارے دور میں تبلیغی جماعت (وہابی ۔ دیوبندی فرقہ) کے چند جاہلوں کو ملا کر تبلیغ کیلئے بھیجا جاتا ہے ان کو استنجاء کرنے کا علم نہیں ہوتا یہ ان کی شرعی تبلیغ نہیں بلکہ سیاست کا دھندا اور وہابیت پھیلانا ہے ۱۲ ۔ اویسی ۔

خالی محبت ہے لیکن انہیں حق کی بات نہیں کہتا اور اپنے بھائی کی نظروں میں بہت محبوب ہے(لوجہ حق نہ سمجھانے کے) تو سمجھو کہ وہ خدا تعالیٰ کے احکام میں چشم پوشی کرنے والا ہے۔

حدیث : (۵) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مداہن اور اللہ تعالیٰ کے حدود کی خلاف ورزی کرنے والے کی مثال یوں ہے کہ ایک قوم کشتی پر سوار ہو۔ وہ کشتی اوپر نیچے بھری ہوئی ہے لیکن اوپر والے نیچے والوں کو دکھ پہنچاتے ہیں۔ مثلاً اُن کی پانی کی ضروریات پوری نہیں کرتے نیچے والے غصے میں آکر کشتی کو کلہاڑے سے توڑنا شروع کر دیں جب اُوپر والے اُن کی حمایت دیکھیں تو اگر روکیں اور یہ کہیں کہ یہ حماقت کیوں۔ نچلے حصہ والے کہیں کہ تم ہمیں پانی وغیرہ نہیں دیتے ہو اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے ہو ہمیں بھی غصہ آگیا ہے بنا بریں ہم کشتی کو سوراخ کر کے دریا کا پانی پی لیں گے کیونکہ پانی کے بغیر زندگی بسر کرنا ناممکن ہے اب اوپر والے نیچے والوں کو اس حرکت سے باز رکھیں گے تو سب نجات پا جائیں گے۔

حدیث : (۶) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ بُرائی کو دیکھ کر لوگوں کو برائی سے نہیں روکتے تو جب اللہ تعالیٰ کا عذاب عام ہو جائے گا تو وہ انہی مجرموں کی طرح عمومی عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔

حدیث : (۷) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل قیامت میں جب تمام لوگ میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے تو میری اُمت کے بعض لوگ ایسے حاضر ہوں گے جن کے چہرے بندروں اور ریچھوں جیسے ہوں گے۔ وہ صرف اس لیے کہ انہوں نے بُرائی میں دوسرے ہمجولیوں سے چشم پوشی کی اور انہیں برائی سے نہ روکا حالانکہ انہیں روکنے کی طاقت بھی تھی۔

سبق انسان کو چاہیے کہ وہ نفس کو صبر پر اطمینان و تسلی دلائے اور علائق و عوائق سے دور بھاگے اور خلائق سے قطع تعلق اور ان سے طمع کرنے کی جڑ کاٹے یہاں تک کہ مخلوق سے موافقت کا تصوّر بھی پیدا نہ ہو۔

حدیث : (۸) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سابقہ اُمم میں جب ایک بستی کو برباد کیا گیا تو اس وقت اس میں اٹھارہ ہزار ایسے قدسی صفات بھی تھے کہ جن کے اعمال انبیاء علیہم السلام جیسے تھے لیکن وہ دوسروں کے ساتھ مارے گئے۔ عرض کی گئی یہ کیسے آپ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کو ناراض تو نہیں کرتے تھے لیکن امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کتراتے تھے۔

مسئلہ : امر کی قوت و ضعف کا دارومدار مامور بہ کی قوت و ضعف پر ہے اگر مامور بہ واجب ہو تو امر بالمعروف بھی واجب ہے اگر وہ مندوب ہے تو امر بالمعروف بھی مندوب ہے۔

مسئلہ : نہی عن المنکر ہر اعتبار سے واجب ہے اس لیے کہ اس کے جملہ افراد قبیح ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا ترک

بھی واجب ہے ۔
ف : طریق وجوب دو چیزیں ہیں (۱) سمع (۲) عقل بعض کے نزدیک ایک یعنی سمع صرف ۔
ف : منہی عنہ سے نہی کی شرط یہ ہے کہ وہ شئے (جس سے روکا جارہا ہے) فی الواقع وہ منہی عنہ نہ ہو ورنہ وہ اگر فی الواقع منہی عنہ ہے تو اس سے نہی کے بجائے اُس کی مذمت کی جاتی ہے اور اس سے یوں روکا جاتا ہے کہ کہیں وہ خرابی میں بتلا نہ ہو جائے ۔ مثلاً ایک نوجوان کو دیکھا جائے کہ وہ شراب پینے کے لیے تیار بیٹھا ہے اور شراب کے برتن وغیرہ اُس کے سامنے پڑے ہیں ۔ تو اس وقت اسے شراب سے بچنے کے لیے نہی استعمال کی جائے گی یعنی اُسے کہا جا سکتا ہے کہ لَاتَشْرَبْ یا اس پر یہ گمان غالب ہو کہ اگر میں تبلیغ کروں اور انہیں روکوں تو یہ مجھے سخت نقصان پہنچائیں گے تو بھی امر بالمعروف وغیرہ معاف ہے ۔
سوال : برائی سے روکنے کے بجائے خاموشی اختیار کرنے کا کیا معنیٰ ۔
جواب : خاموشی اختیار کرنا بایں معنی ہے کہ ایسے لوگوں کو پہلے ایسا عمل بتایا جائے کہ جس سے اسے برائی سے مڑنا آسان ہو ۔ اگر اس سے بھی اس کا کام نہیں بنتا اور وہ اصلاح پذیر نہیں ہوتا تو پھر اس سے کچھ اور سختی ہو یہاں تک کہ وہ بند برائی سے بچ جائے اس لیے اُن سے اصلی غرض تو برائی سے روکنا ہے خواہ جس طریق سے روکا جائے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآنی احکام نازل فرمائے تو پہلے حکم فرمایا[۱] فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا جب اصلاح سے کام نہ بنا تو پھر فرمایا[۲] ۔ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ" اس طریقہ سے ایماندار انسان برائی سے باز آجائے گا ۔ نہی عن المنکر کے ایسے شرائط اس لیئے ہیں کہ فقہا کا اتفاق ہے کہ تارک نماز کو ترک نماز پر عن المنکر کا فریضہ پورا کرنا ضروری ہے اس لیے کہ ترک صلوٰۃ کا قبح ہر ایک کو معلوم ہے ۔
مسئلہ : وہ برائیاں کہ جن کا انسداد قتل کے بغیر نہیں ہو سکتا تو عوام اور علماء کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ لسے عن المنکر سمجھ کر غلط کار کو قتل کر ڈالیں بلکہ یہ کام وقت کے امام یا اُس کے خلفاء (اسلامی حکومت) کا ہے کیونکہ یہی لوگ سیاسی امور سے زائد واقفیت رکھتے ہیں پھر اُن کے پاس سزا دینے کی قدرت بھی ہے اور سزا کے موافق اُن کے پاس ساز و سامان بھی ہے ۔
سوال : امر بالمعروف وغیرہ کس کو کیا جائے اور کس کو نہ کیا جائے ۔
جواب : ہر مکلف وغیر مکلف (بالغ و نابالغ) کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے غیر مکلف (غیر بالغ) کو زجر و توبیخ یا حکم ضروری ہو جاتا ہے جب کہ اُس کی وجہ سے دوسروں کو ضرر پہنچنے کا خدشہ ہو شلاً چھوٹے بچے

---

[۱] تو ان میں صلح کراؤ ۔ ۱۲ ۔
[۲] مشرکین سے جنگ کرو ۔

اور پاگل لوگوں کو برائی سے روکا جاتا ہے تاکہ سن بلوغ کے بعد اُس کی بُری عادت سر نہ اٹھا سکے ۔ جیسے بچوں کو سنِ بلوغ سے پہلے نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ نماز اُن کے اندر گھر کر جائے تاکہ بعد بلوغ نماز کی ادائیگی ان کو بوجھ محسوس نہ ہو ۔

مسئلہ: گناہ کے مُرتکب (عاصی) کو اس گناہ کے ارتکاب سے روکنا واجب ہے اس لیے کہ اسے اس برائی سے بچنا لازمی ہے اور نہی عن المنکر ہمارے لیے واجب نہیں لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ اُس کے نہ ہونے سے مرتکب گناہ سے ان دونوں کا وجوب بھی نہ رہے ۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کی اعانت فاسق و فاجر کے ذریعے کراتا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے سچے کلام میں ہے ۔[1] اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آیت میں زجر و توبیخ اپنے نفوس کو بھلا دینے پر ہے یعنی اپنے علم پر عمل نہ کرنے پر زجر و توبیخ ہے نہ کہ امر بالبر کی وجہ سے ۔

مسئلہ: اسلاف نے فرمایا کہ دوسروں کو سُناتے رہو اگرچہ خود کسی مجبوری شرح کے تحت نہیں کر سکتے ۔

مسئلہ: جو شخص کسی کو برائی سے روک نہیں سکتا تو تین بار کہے اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذِہٖ مُنْکَرَۃٌ یا اللہ تعالیٰ یہ بُرا عمل ہے میں اس سے بَری ہوں ۔ اتنا کہنے سے جو اس پر امر بالمعروف وغیرہ کا وجوب ہے وہ ساقط ہو جائے گا ۔

گرت نہی منکر برآید زدست   نشاید چو بے دست و پایاں نشست

چو دست و زبانرا نماند مجال   بہمت نمایند مردی رجال

ترجمہ: (۱) اگر تجھے منکر (برائی) سے روکنے کی طاقت ہے تو پھر تمہیں بے دست و پا کی طرح لنگڑا لنجا بن کر نہیں بیٹھنا چاہیے ۔

(۲) جب اللہ کے بندوں کو ہاتھ پاؤں کی طاقت نہیں ہوتی تو پھر وہ حضرات دعاؤں سے کام لیتے ہیں ۔

یعنی تمہیں زبان اور ہاتھ سے امر بالمعروف وغیرہ کی طاقت نہیں تو اسے دل سے ادا کرے ۔ اس لیے جوانمرد اپنی دُعاء سے ہی جوانمردی کے جوہر دکھاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑاتے ہیں ۔ جب دیکھتے ہیں کہ یہ برائی ہماری زبان اور ہاتھ سے ہٹنے کی نہیں تو پھر دُعا کے ذریعے کام بناتے ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ حق عملی طور حق کی دعوت دیتے ہیں درحقیقت یہی لوگ کامیاب ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی وعید سے بچ گئے جن کے متعلق حکم ہے کہ وہ دوسروں کو تو امر بالمعروف کرتے

---

[1] کیا نیکی کا حکم کرتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو ۔

ہیں۔ لیکن خود بے عمل ہیں۔

حدیث شریف: حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے میدان میں ایک مرد بلا حساب وکتاب جہنم میں ڈالا جائے گا۔ جہنم میں [illegible] تے ہی اُس کی انتڑیاں پیٹ سے باہر نکل پڑیں گی۔ پھر وہ اپنی آنتوں کے ارد گرد ایسے چکر لگائے گا جیسے گدھا آٹا پیسنے والی چکی کے ارد گرد چکر لگاتا ہے اس کی زبوں حالی کو دیکھ کر اُسے تمام دوزخی دیکھنے آئیں گے اور کہیں گے جناب آپ تو ہمیں بڑے وعظ سنایا کرتے اور برائیوں سے بچنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اب تمہارا حال کیوں بُرا ہے۔ وہ جواباً کہے گا۔ افسوس ہے کہ میں نیکی کا حکم تو سنا دیتا لیکن عمل سے محروم تھا اور برائی رد کرتا تو تھا۔ لیکن اس برائی کا ارتکاب مجھ سے بھی ہوتا۔

ف: امر بالمعروف وغیرہ درحقیقت یہی مشائخ طریقت (باعمل پیر) ہیں۔ اس لیے کہ جو خدا تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتا وہ خیر کو کیا جانے۔ اس لیے مطلق خیر سے وہی مطلق کمال مُراد ہے جو صرف حضرت انسان کو نصیب ہوتا ہے لیکن اتنی مقدار پر جتنی اسے معرفتِ الہیٰ سے حصہ نصیب ہوگا۔ اور جس قدر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور تک رسائی رکھتا ہو گا جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرفان حق مکمل طور تھا اور خیر اضافی ہے۔ یعنی جس کے ذریعے خیر مطلق حاصل کی جائے۔

ف: وہ خیر کہ جس کی طرف انبیاء علیہم السلام اور اُن کے وارثین (علماء) دعوت دیتے ہیں۔ وہ خود عین ذات حق مُراد ہے یا وہ راستہ کہ جس کی بدولت ذات حق تک رسائی ہو سکے۔

ف: المعروف ہر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے اور المنکر ہر وہ عمل کہ جس سے ذات حق سے بعیدی حاصل ہو جس کے ہاں توحید و استقامت (علی الاسلام) نہیں وہ دعوت کے مقام سے محروم ہے۔ اور آمر غیر مستقیم اگرچہ جیسا بھی ہو تب بھی دعوت بیکار ہے۔ اس لیے کہ بسا اوقات کسی فعل کو نیکی سمجھ کر امر کرے گا لیکن درحقیقت برائی ہو گی۔ اسی طرح بسا اوقات وہ برائی سے روکے گا حالانکہ وہ اُس کے نزدیک برائی ہو گی اور درحقیقت وہ نیکی ہو گی۔ اس کی مثال اُس شخص جیسی ہے کہ وہ مقام جمع تک تو پہنچ گیا وہ اگرچہ خلق خدا سے تو محجوب ہے لیکن حق تک پھر بھی رسائی نہیں ہوئی ایسا شخص غلطی سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کہے گا یہ لوگ اہل الحجاب کہلاتے ہیں اور اہل فلاح مطلقاً درحقیقت وہ حضرات ہیں کہ جن کے آگے کسی قسم کا پردہ نہیں۔ یہی حضرات زمین پر خلفاء اللہ کہلاتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقۃ الحال کی معرفت نصیب فرمائے اور اپنی بارگاہ تک پہنچنے کی توفیق بخشے۔

تفسیر عالمانہ: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا (اور نہ ہی ہو جاؤ تم ان لوگوں سے جو تفرقہ ڈالتے ہیں) اس سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ مراد ہیں کہ جنہوں نے یہودیت و نصرانیت کے درجنوں فرقے بنا ڈالے وَاخْتَلَفُوا اور مختلف ہوئے یعنی آپس میں ایک دوسرے کے دلوں سے محبت و پیار کو نکال ڈالا اور تورات و

انجیل کی اکثر آیات کو چھپا دیا اور اُن کے مـ ں مطالب تبدیل کردیئے صرف دنیائے خسیس کے حصول کی لالچ میں ایسے غلط کام کئے۔

ف: حضرت امام رازی نے فرمایا کہ اس سے اُن کی معنوی تعریف مراد نہیں بلکہ ظاہری تغیر و تبدل مراد ہے وہ اس طرح کہ اُن کا ہر ہر شہر کا مولوی رئیس اعظم بن گیا۔ اس کے بعد پھر لگے ایک دوسرے پر حملے کرنے۔ ہر ایک کہتا میں حق پر ہوں اور فلاں باطل طریقہ پر ہے وغیرہ وغیرہ۔ صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں اگر انصاف کی نگاہ ہو تو ہمارے زمانہ کے علماء بھی اسی روش پر چل رہے ہیں[1] (ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و رحمت کے طالب گار ہیں)۔

مِنۡ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ بعد اس کے کہ اُن کے پاس آیات بینات آئی ہیں اور وہ حق پر قائم اور متحد رہنے کو ثابت کرتی ہیں۔ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ اور یہ وہی ہیں جنہیں بڑا دردناک عذاب ہو گا (آخرت میں) اُن کے متفرق ہو جانے کی وجہ سے کہ جیسے اُن کا تفرقہ دائمی تھا اسی طرح انہیں عذاب بھی دائمی و غیر منقطع ہو گا۔

رَبط الآیات: جب اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا التحیہ والثناء کو امر بالمعروف وغیرہ کا حکم فرمایا ہے تو لازمی طور ماننا پڑے گا کہ امر بالمعروف کا کام وہ شخص انجام دے سکتا ہے جسے قدرت حاصل ہو کہ اُمور عوام اور ظالمین اور باغیوں پر نافذ کر سکے۔ یہ قدرت اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب اہل حق کو آپس میں محبت و الفت ہو اسی لیے ضروری ہوا کہ انہیں تفرقہ بازی اور اختلاف کی خرابیوں سے آگاہ کیا جائے تاکہ یہی تفرقہ اور اختلاف اُن کے امور کے قائم کرنے سے عاجز نہ کر دیں۔

اتحاد و اتفاق کی جامع تقریر

عوام مؤمنین پر لازم ہے کہ اپنی نفسانی خواہشات کے پیش نظر امام وقت کی اتباع سے روگردانی نہ کریں اور نہ ہی کسی غیر اسلامی کلمہ پر اتفاق رائے قائم کریں کہ جس سے وہ آہنی دینی اسلامی نظام سے ہاتھ بیٹھیں۔ اگر اسلامی ضوابط و قواعد کے مطابق انہیں امام و مُقتدی میسر نہیں تو کم از کم عقائد و اعمال و عادات اور آراء میں یکجہتی کا مظاہرہ کریں کہ ہر قدم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر اُٹھے اُن کی ہر دوسری بات پہلی بات سے زیادہ واضح ہو اور دیکھنے والے محسوس کریں کہ یہ لوگ اپنے نظام شریعت سے ہرگز نہیں ہٹیں گے۔ جس راہ پر وہ چل رہے ہیں وہ منجانب اللہ ہے فلہٰذا اُن سے چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں جیسے حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کا طریقہ تھا کہ اُن کا اُٹھنا بیٹھنا۔ کھانا پینا۔ چلنا پھرنا۔ لباس و خوراک وغیرہ وغیرہ سیرۃ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زندہ تصویر تھی۔ سرِمو بھی فرق محسوس نہ ہوتا اسی لیے انہوں نے شیطان

---

[1] فقیر اُویسی غفرلہ کہتا ہے کہ ہمارے دَور کے بعض فُضلاء چند قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔ ۱۲۔

گمراہ کرنے کے تمام راستے بند کر دیتے تھے ۔ جیسے بکریوں کے ریوڑ کو بھیڑئیے سے بچانے کے لیے ایک محفوظ قلعہ یا سرائے میں بند کر دیا جاتا ہے اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ لوگوں کو اپنا ایک امام (امیر) منتخب کرنا ضروری ہے ۔ وہ امیر نیک ہو ۔

طریقہ نبویہ علیٰ صاحبہا السلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کہیں دو آدمیوں کو بھیجتے تو حکم فرماتے کہ آپس میں ایک دوسرے کو امیر منتخب کر لینا یا خود امیر منتخب فرما دیتے ۔ پھر جو دوسرے کو فرمان دے گا تم اُس کی اطاعت کرنا وہ بھی صرف اس لیے کہ اتحاد و اتفاق قائم رہے اور نظم نسق میں خلل واقع نہ ہو ۔

اگر اہل اسلام اتحاد و اتفاق کو مدِّ نظر نہیں رکھیں گے تو اُن میں خانہ جنگیاں شروع ہو جائیں گی ۔ دین و دُنیا کے امور میں گڑ بڑ پیدا ہو کر معاش و معاد کا نظم و نسق بگڑ جائے گا ۔

حدیث شریف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جماعت سے بالشت برابر علیحدہ ہو گا تو اسے بہشت دیکھنی تک نصیب نہیں ہو گی ۔

حدیث شریف :(۲) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ (قدرت ایزدی) جماعت پر ہے اور شیطان ہر اُس شخص کو گھیر لیتا ہے جو جماعت سے علیحدہ ہو کر اپنی ڈیڑھ انچ اینٹ کی مسجد کھڑی کرنا چاہتا ہے ۔ شیطان دو سے دور بھاگتا ہے لیکن ایک کے ساتھ ہوتا ہے (مثال کے طور) دیکھئے جب جمیعۃ انسانیہ ریاست قلب اور طاعۃ عقل سے نکل جاتی ہے تو اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور فتنہ و فساد کھڑا ہو جاتا ہے اور ایسا تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے جو دنیا و آخرت کے گھاٹے ہی گھاٹے نصیب ہوتے ہیں ۔

ف : جب آیت [۱] وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ نازل ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہی راہ ہدایت کی لکیر ہے ۔ اُس کے بعد اس لکیر کے دائیں بائیں کئی لکیریں کھینچ کر فرمایا کہ یہ مختلف راستے دیکھیے اُن کے ہر ہر راستہ پر شیطان کھڑا ہے جو تمہیں اپنی طرف بلاتا ہے ۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ راہ توحید اور اس کے لوازم و حقوق پر گامزن ہو ۔ اور شیطان کے راستوں اور اُن کے جمیع اسباب سے دُور رہے ۔

---

۱ بیشک یہ میرا راستہ سیدھا ہے اسی کی اتباع کرو اور مختلف راہوں کی اتباع نہ کرو وہ تمہیں سیدھے راستے سے ہٹا دیں گے ۔ ۱۲ ۔

حدیث شریف نمبر۳: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ فرمایا "پھر ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انہوں نے کلمہ گوئی کے باوجود کیسے غلط عقائد پھیلائے۔ مثلاً مشرک اسے توسرے سے توحید نصیب ہی نہیں ہوئی۔ اگر اللہ کو مانتا ہے تو اُس کے مقابلے میں دوسرے معبود کے وجود کا قائل ہے (اور معطّل (فرقہ معطلہ سے تعلق رکھنے والا) اگرچہ توحید کا اقراری ہے لیکن وہ وجود باری تعالیٰ کو بیکار سمجھتا ہے۔ مشرک کو چونکہ توحید سے حصہ نصیب نہ ملا۔ اس لیے وہ معطلہ فرقہ کے ساتھ جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ اور جہنم میں تو صرف منافقین جائیں گے۔ ان کی بھی کیفیت یوں ہو گی کہ انہیں دور سے بہشت اور اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی۔ وہ دیکھ کر للچائیں گے کہ ابھی ہمیں بہشت میں بھیجا جائے گا اور انہیں اتنا فلا بہشت سے حصہ ملا کہ انہوں نے بہشت کو دیکھ لیا پھر انہیں جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

مسئلہ: یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عدل میں شامل ہے کہ جیسے عمل کئے ویسے ہی سزا ملی۔

مسئلہ: صراطِ مستقیم شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا السلام کا نام ہے۔ اس صراط مستقیم کو ہم ہر دوگانہ میں دو بار مانگتے ہیں۔ یعنی ہر دوگانہ کی ہر رکعت میں ہم کہتے ہیں[1] اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

ف: پُل صراط عجیب وغریب ہے کہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک تر ہے۔ اہل علم وکشف کے آگے وہ ظاہر و باہر ہے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اگر پردے کھل جائیں تو یقین میں اضافہ ہو گا۔

ف: جو شخص بھی شریعت اور قرآن پر عمل کرے اور راہ مستقیم پر چلے اور تفرقہ بازی سے دور رہے (جو عذاب الیم کا موجب ہے) تو ایسے شخص سے نہ حساب ہو گا اور نہ آخرت میں اسے پُلصراط پر گزرنا ہو گا۔ بلکہ وہ براہ راست بہشت اور اس کی نعمتوں سے انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی رفاقت میں مالا مال ہو گا۔

قاعدہ: جو شخص دنیا میں شرعی امور کے عمل سے دور رہا وہ آخرت میں پل صراط سے چلتے ہوئے جہنم میں گر جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ یعنی جو شخص بھی محبوب اور اللہ تعالیٰ کے وصال سے محروم رہے گا وہ آخرت میں بھی محجوب ومحروم رہے گا۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔

حدیث شریف نمبر۴: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پُل صراط سے گر کر جہنم میں گر پڑنے والے انگنت ہوں گے۔ اکثریت ان میں عورتوں کی ہو گی۔

حدیث شریف نمبر۵: فرمایا کہ میں نے دوزخ کا معائنہ فرمایا تو ان میں اکثر عورتیں تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں لعنت کرنے میں بیباک ہیں۔ اور اپنے شوہروں کی اکثر وبیشتر نافرمان رہتی ہیں۔ اگرچہ انہیں زندگی بھر ناز ونعم سے پالو لیکن

[1] اے اللہ ہمیں سیدھے راستہ پر چلا۔

جونہی معمولی طور کچھ کمی دیکھیں گی تو کہتی ہیں کہ مجھے تو زندگی بھر تجھ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا پھر ایسی غلط کاری کی بنا پر اُن کے اقدام پلُ صراط سے گرنے کے زیادہ حقدار ہیں ۔ اس کی یہی بھی وجہ ہے کہ وہ دُنیا میں جادۂ شریعت سے ہٹ گئیں تو اللہ تعالےٰ انہیں سزا کے طور جہنم میں بھیجے گا ۔حضرت جامی نے فرمایا لیکن واہ خوب فرمایا ؂

عقل زن ناقص است ودینش نیز ہرگز ش کامل اعتقاد مکن
گربداست ازلے اعتبار مگیر ورنکو برے اعتماد مکن

ترجمہ (۱)۔عورت کی عقل اور دین ناقص ہے اسی لیے اس پر مکمل اعتماد نہیں ہونا چاہیے ۔
(۲) اگر وہ بُری ہے تو بھی اعتبار نہ کر اگر نیک ہے تب بھی اعتماد کے لائق نہیں۔

سبق اے سالک جب یہی کیفیت ہے تو تمہیں حضرات انبیاء کرام اور کاملین اولیاء (علی نبیا و علیہم السلام) کی متابعت وموافقت میں جدوجہد لازمی ہے بلکہ کسی شیخ کامل عارف و واصل کا دامن تھامنا ضروری ہے اس سے امید ہے کہ وہ کامل تیرا ہاتھ پکڑ کر تیری اصلاح فرما دیں کہ کہیں تمہیں وصال یار نصیب ہو جائے اور حوادث دنیا کی جتنی خرابیاں ہیں وہ دور ہو جائیں اور قاعدہ بھی ہے کہ اُن دیکھا راہ راہبر و مرشد کی رہبری کے بغیر مشکل ہوتا ہے ورنہ پھر ہلاکت کے لیے تیار ہو جاؤ (اللہ تعالےٰ ہم سب کو خلاف واختلاف سے بچائے اور اسلاف کرام کی راہ پر چلائے اور مرتے دم تک اس نیک اعتقاد پہ ثابت قدم رکھے اور ہمارا حشر اہل فضل وکمال کے ساتھ ہو (آمین) ۔

تفسیر عالمانہ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ ۔(یاد کرو اے مومنو کہ اس دِن یعنی قیامت میں بہت سے لوگوں کے چہرے سفید ہو جائیں گے اور بہت سے لوگوں کے سیاہ) اور چہرے کا سفید وسیاہ ہونا مسرور و بشاشت سے اور خوف سے کملا جانے سے کنایہ ہے ۔ مثلاً ہر وہ شخص جو اپنے مقصد کو پالے اور اپنے مطلوب کے حصول میں کامیاب ہو جائے تو اس کے لیے کہتے ہیں ۔ اِبْیَضَّ وَجْہُہٗ اَیْ اسْتَبْشَرَ خوش ہوا اور جس شخص کو دُکھ اور درد پہنچے تو اس کا رنگ فق ہو جاتا ہے ۔اور صورت بگڑ جاتی ہے ۔ اَب آیت کا معنیٰ یہ ہو کہ قیامت میں مومن حاضر ہو کر اپنے عمل نامے کو دیکھے گا ۔ اگر اس میں اُس کی نیکیاں ہوں گی تو وہ خوش ہوگا اور اسے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور فضل و کرم سے نوازا جائے گا ۔ اور جس وقت کافر اپنے عمل نامے میں اپنے کرتوت دیکھے گا تو اس کا حزن وغم اور ملال بڑھ جائے گا ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ چہرے کی سیاہی وسفیدی حقیقی طور ہو گی ۔ اہل حق کے چہروں میں نور ہی نور ہوگا اور ان کے آگے اور دائیں جانب بھی نور ہوگا اور اہل باطل اس کے برعکس ہوگا کہ ان کا چہرہ بھی سیاہ اور دائیں بائیں آگے پیچھے تاریکی چھائی ہوگی بلکہ تمام جسم سیاہ ہو جائے گا۔

نکتہ: یہ اس لیے ہو گا کہ نیک بخت کا جب چہرہ بلکہ تمام جسم نورانی ہو گا تو وہ اپنی سعادت سے خوش ہو کر قوم کے ہاں نمایاں ہو جائے گا۔ اور وہ تمام اُس کی صورت سے یقین کر لیں گے کہ یہ اہل سعادت سے ہے اور اسی سے خبر دیتے ہوئے حکایۃً اللہ تعالٰے نے فرمایا[1] یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ اور بدبخت کا بُرا حال ہو گا وہ اہل سعادت کے برعکس ہو گا اور قوم کی نظروں میں زبوں حال اور ذلیل و خوار ہو گا۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ (بہر حال وہ لوگ کہ جن کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے تو انہیں کہا جائے گا)۔ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ۔ (کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے) یہ ہمزہ توبیخ کے لیے ہے اور اُن کے حال سے اظہار تعجب ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ لوگ وہی یہود و نصاریٰ ہوں گے اور ان کا ایمان کے بعد کفر کا معنٰی یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے نبیوں علیہم السلام پر ایمان رکھتے تھے (اور حضور علیہ السلام پر بھی لیکن بعثت سے پہلے تو اُن پر ایمان لائے) پھر جب حضور علیہ السلام تشریف لائے تو منکر ہوئے اس لیے فرمایا۔ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ بعض مفسرین نے فرمایا۔ اس سے تمام کفار مراد ہیں اس لیے کہ انہوں نے یوم میثاق میں توحید کا اقرار کیا لیکن عالم دنیا میں پہنچ کر منکر ہو گئے۔ اس لحاظ سے انہیں فرمایا۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ پس چکھو وہ عذاب جو تمہیں پہلے معلوم ہے یعنی بڑا عذاب بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ۔ بسبب تمہارے کفر کرنے کے جو تم حضور نبی علیہ السلام اور اُن کی لائی ہوئی کتاب یعنی قرآن کو نہیں مانتے وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِیْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ۔ (اور بہر حال کہ جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے زیر سایہ ہوں گے۔ یعنی بہشت اور ہمیشہ کی نعمتوں میں) اسے رحمت سے تعبیر کرنے میں مومن کو تنبیہ ہے کہ وہ اگرچہ تمام زندگی عبادت و اطاعت میں گزار دے لیکن اس کا عقیدہ یہ کہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بخشش ہو گی۔ اعمال پر اُسے حسن برابر بھی سہارا نہ ہو۔ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا سوال یہ ہوا کہ ان لوگوں کا پھر کیا ہو گا۔ جواب میں فرمایا کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کہ انہیں کبھی وہاں سے نکالا نہیں جائے گا اور نہ ہی اُن کو موت آئے گی۔ تِلْکَ یہ ان آیات کی طرف اشارہ ہے جن میں نیک لوگوں کو نعمتوں سے نوازنے اور کفار کو عذاب میں مبتلا کئے جانے کا بیان ہے اور یہ مبتدا ہے اور آیات اللہ اُس کی خبر ہے نَتْلُوْھَا آیات سے حال ہے عَلَیْکَ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ کو آیات سناتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے بِالْحَقِّ حق کے ساتھ۔ یہ حال مؤکدہ ہے نَتْلُوْھَا کے فاعل یا اُس کے مفعول سے۔ یعنی وہ آیات حق و عدل سے ملانے والی ہیں یا وہ آیات حق و عدل سے ملی ہوئی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں عدل ہی عدل ہے۔ اس کے فیصلوں میں جور و ستم کا شائبہ تک بھی نہیں۔ کہ نیک کی نیکی میں کمی کرے یا مجرم کی سزا میں زیادتی کرے یا کسی غیر مجرم کو مجرمانہ سزا دے۔ بلکہ ہر ایک کو اُس کے حق کے

---

[1] کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالٰے نے مجھے بخش کر عزت والوں کے ساتھ کر دیا۔

مطابق جزاء وسزاء دیتا ہے جیسے اعمال ہوں گے ویسے ہی وعدہ یا وعید ہونگے وَمَا اللّٰہُ یُرِیۡدُ ظُلۡمًا اور اللہ تعالیٰ ظلم کے کسی قسم میں سے ہی ارادہ نہیں کرتا۔ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ عالمین کے لیے یعنی اپنی مخلوق میں کسی پر ظلم نہیں کرتا اس لیے کہ ظلم کہتے ہیں غیر کے ملک میں تصرف کرنا اور اللہ تعالیٰ تو ہر شئے کا مالک ہے۔ یا ظلم بمعنے شئے کو غیر محل میں استعمال کرنا یہ دو قسم ہے۔

۱۔ مستحق کو استحقاق سے مانع ہونا۔

۲۔ ممنوع امر کو عمل میں لانا اور یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کے لیے متصور نہیں ہو سکتیں جب حق تعالیٰ کے متعلق یہ باتیں غیر متصور ہیں تو ثابت ہوا کہ اس سے ظلم کا تصور بھی محال ہے۔ پھر کون ہے وہ کہ جس کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے نہیں دیتا۔ اسی طرح کون ہے وہ جو کہ اسے کسی بات سے روکے اور وہ اس کے منع کرنے پر بھی دیدے تاکہ اُس کے لیے ظلم کا شُبہ ہو سکے۔ بلکہ وہ تو علی الاطلاق مالک ہے اور اس کے تمام افعال حکمت پر مبنی ہیں۔ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ اور اللہ تعالیٰ کا ملک ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمینوں میں ہے۔ وہ اکیلا تمام آسمانی اور زمینی اشیاء کا مالک ہے۔ کوئی بھی اس کا ان میں شریک نہیں کیونکہ تمام املاک کی ملکیت (ملکاً وخلقاً) اس سے مختص ہیں زندگی اور موت دینے میں اسی طرح ثواب وعذاب دینے میں واحد مالک ہے۔

سوال: مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ میں لفظ ما واقع ہے اور اس کا اطلاق صرف غیر ذی العقول کے لیے آتا ہے حالانکہ وہ جیسے غیر ذوی العقول کا مالک ہے اسی طرح ذوی العقول کا بھی۔

جواب: یہ تغلیب کے قبیل سے ہے چونکہ اکثریت غیر ذی العقول کی ہے اس لیے تغلیباً لفظ ما مستعمل ہوا ہے۔

جواب نمبر۲: ذات حق کی عظمت کے پیش نظر غیر ذوی العقول کی حیثیت سے مانا گیا ہے کہ اگرچہ ذوی العقول ذو عظمت سہی لیکن اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے لاشئی ہیں اس حیثیت سے اس لفظ کا استعمال صحیح ہے۔ وَاِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ اور اللہ تعالیٰ یعنی اس کی قضاء اور اُس کے حکم کی طرف (نہ کہ اس کے غیر کی طرف کہ کسی کو اس کے ساتھ شرکت ہو یا کسی دوسرے کو استقلالاً ملکیت حاصل ہو) تمام اُمور لوٹائے جائیں گے۔ یعنی تمام امور اسی کی طرف راجع ہیں پھر اُن کو حسبِ وعدہ وعید جزاء وسزا دے گا۔ لیکن اس کے حکم میں کسی کو دخل نہیں۔

سوال: رجوع کا اطلاق یوں ہوتا ہے کہ کوئی وہاں اُس کے ہاں تھا پھر اُسے اس کی طرف لوٹایا گیا۔

جواب: اُن امور کو پہلے مٹایا جائے گا پھر بعد ہلاکت اسی کی طرف جائیں گے۔ اس لیے کہ دُنیا میں تدبیر کے لحاظ سے کوئی نہ کوئی کسی کے ملک میں ضرور تھی لیکن آخرت میں واحد وہی مالک ہوگا۔ اس اعتبار سے امور کو رجوع سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جن کے قیامت میں چہرے سفید ہو جائیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے قلوب دُنیا میں نورِ ایمان اور جمعیت اور وناق مع اللہ سے نُورانی ہوں گے اور جن کے قیامت میں رو سیاہ ہو جائیں گے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دِل کفر اور تفرق واختلاق من اللہ کی وجہ سے سیاہ ہوں گے اس لیے کہ قیامت میں چہرے دنیوی قلوب کی رنگت کے مطابق ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یعنی جو چیزیں قلوب پر اثر انداز ہوں گی انہیں قیامت میں ظاہر کر دیا جائے گا ؎

زر اندود کانرا باتش برند　　پدید آید آن کہ مس یا زرند

ترجمہ: سونے کی مصنوعی شے کو اس لیے آگ میں ڈالتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ پیتل ہے یا سونا۔

ف: جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے انہیں کہا جائے گا۔ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ یعنی یہ وہ لوگ ہوں گے کہ جو سیر الی اللہ کے طالب ہو کر نفس صحرانوردی میں شہوات کے اُلو کے پیچھے لگ کر بہ رجعت قہقری (الٹے پاؤں) ظلمات کے گڑھے میں جا پڑے۔ انہیں کہا جائے گا۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ یعنی عذاب الٰہی کا مزہ چکھو بسبب اُس کے کہ تم حق کو باطل سے چھپاتے تھے اور حق سے روگردان ہو کر باطل کی طلب میں منہمک ہوئے تمہیں دُنیا میں جدائی اور دوری کا عذاب تو دیا گیا لیکن آخرت کا عذاب تمہیں چکھایا نہیں گیا تھا اب وہ بھی چکھ لو۔

نکتہ: دُنیا میں اس لیے عذاب نہیں چکھایا گیا کہ دراصل یہ لوگ عالم دُنیا میں غفلت کی نیند میں گزارتے ہیں اور نیند والے کو زخموں کا درد محسوس نہیں ہوتا۔ جب تک کہ بیدار نہ ہو۔ یہ لوگ بھی اب دنیا میں غفلت کے نشے میں اس درد کو محسوس نہیں کرتے۔ جب موت آئے گی تو پھر یہ جاگ اٹھیں گے۔ اس پر انہیں جدائی اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی کے عذاب کا درد محسوس ہو گا۔ بہر حال وہ لوگ کہ جن کے چہرے نُورانی ہو جائیں گے وہ دُنیا میں تو جمعیت کی رحمت اور وناق مع اللہ میں گزارتے رہے جب وہ مریں گے تو انہیں آخرت میں اسی رحمت میں رکھا جائے گا۔ اور وہ اس میں ہمیشہ تک رہیں گے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ قیامت میں ہر انسان کا حشر اسی پر ہو گا جس پر انہوں نے زندگی بسر کی۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان کا حشر اس کے عمل پر ہو گا جس پر اُس نے زندگی بسر کی۔

حدیث شریف نمبر (۲): فرمایا کہ جو شخص نشہ میں ہو کر مرتا ہے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام مخمور نظر آتے ہیں پھر اسی طرح منکر نکیر پھر اُسے جہنم کے گڑھے میں ڈالا جائے گا تو مخمور و مست ہو گا۔ اور وہ گڑھا جہنم کے وسط میں ہے اس کا نام بھی سکران (مخمور ہے) جس میں ایک چشمہ ہے اُس سے خون ہی خون بہتا ہے۔ اس میں نہ کھانے کی اشیاء ہوں گی اور نہ پینے کا پانی۔ اگر اسے کچھ کھلایا پلایا جائے گا تو اسی خون سے (معاذ اللہ)

حدیث شریف نمبر (۳) : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ ہر مؤمن کے لیے لا الہ الا اللہ موت کے وقت اور قبر میں ساتھ ہوگا جب وہ قبر سے اُٹھے گا تو یہ کلمہ اس سے انس پیدا کرے گا ۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۔ آپ اگر اسے دیکھیں تو وہ اپنی قبور سے بھاگتے ہوئے آئیں گے اور وہ اپنے سر کے بالوں کو جھاڑتے ہوئے کہیں گے لا الہ الا اللہ تو اُن کے چہرے نورانی ہو جائیں گے اور وہ لوگ جو کافر ہیں وہ کہیں گے ہائے ہائے ۔ ہم نے غلطی کی کاش ! اچھے عمل کر لیتے ۔ اس پر ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے ۔

حدیث شریف نمبر (۴) : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت پر رونا جاہلیت کے رسوم سے ہے اور رونے والی عورت اگر توبہ کئے بغیر مر گئی تو اسے قیامت میں جہنم کی چادریں پہنائی جائیں گی ۔ اس کے اوپر پھر اور آگ کی چادر چڑھائی جائے گی جس سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوں گے ۔ قرآن مجید میں ہے ۔[۱] اَلَّذِیْنَ یَاْ کُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ بعض مفسرین فرماتے ہیں ۔ کہ یہ لوگ سب کے سب قیامت میں مجنون (پاگل) ہو کر اٹھیں گے ۔ یہ ان کے لیے سزا اور ایک قسم کی زجر و توبیخ ہوگی تاکہ اہل محشر اُن کی رسوائی دیکھیں ۔ یہ علامت خصوصی طور سود کھانے والوں کے لیے ہے ۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے پیٹ کو سودی کاروبار سے پُر کیا ۔ اس وجہ سے ان کا پیٹ پھول جائے گا جب وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے تو کبھی اٹھ کھڑے ہوں گے اور کبھی گر جائیں گے ۔ اس لیے کہ وہ اپنے پیٹ کے بوجھ کو نہیں اُٹھا سکیں گے ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُنیا و آخرت میں ستر عیوب کی دُعا مانگتے ہیں ۔ اور صالح اعمال و افعال کی توفیق چاہتے ہیں ۔



[۱] وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں نہیں اٹھیں گے مگر اس کی طرح کہ جسے شیطان (مخبوط الحواس کر دے ۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ
بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ ○
لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ○
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ لَيْسُوْا
سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ○
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي
الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
بِالْمُتَّقِيْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً
مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ
وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ هٰٓاَنْتُمْ
اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ
وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ○ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ؗ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ
وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ○ ١٠

ترجمہ: تم بہتر ہو تمام امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے
ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا ان میں کچھ مسلمان ہیں اور زیادہ
کافر وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے مگر یہی ستانا اور اگر تم سے لڑیں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر
جائیں گے پھر ان کی مدد نہ ہوگی ان پر جمادی گئی خواری جہاں ہوں اماں نہ پائیں مگر اللہ کی رسّی اور آدمیوں
کی رسّی سے اور غضب الٰہی کے مستحق ہوئے اور ان پر جمادی گئی محتاجی اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر

کرتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے یہ اس لیے کہ بے فرمان اور سرکش تھے سب ایک سے نہیں اہل کتاب میں کچھ وہ ہیں کہ حق پر قائم ہیں اللہ کی آیات پڑھتے ہیں رات کی گھڑیوں میں اور سجدہ کرتے ہیں اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور بھلائی کا حکم اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں پر دوڑتے ہیں اور یہ لوگ لائق ہیں اور وہ جو بھلائی کریں ان کا حق نہ مارا جائے اور اللہ کو معلوم ہیں ڈر والے وہ جو کافر ہوئے ان کے مال اور اولاد ان کو اللہ سے کچھ نہ بچا لیں گے اور وہ جہنمی ہیں ان کو ہمیشہ اس میں رہنا کہاوت اس کی جو اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو وہ ایک ایسی قوم کی کھیتی پر پڑی جو اپنا ہی برا کرتے تھے تو اسے بالکل مار گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اے ایمان والو غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے ان کی آرزو ہے جتنی ایذا تمہیں پہنچے بیر ان کی باتوں سے جھلک اٹھا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں بڑا ہے ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو سنتے ہو یہ جو تم ہو تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں نہیں چاہتے اور حال یہ کہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو اور وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصے سے تم فرما دو کہ مر جاؤ اپنی گھٹن میں اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں اگر تم صبر اور پرہیزگاری کئے رہو تو ان کا داؤں تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا بیشک ان کے سب کام خدا کے گھیرے میں ہیں ۔

تفسیر عالمانہ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (تحقیق کان ناقصہ) یہاں پر کنتم میں کان ناقصہ ہے اس کی خبر اس اسم میں کسی شئے کے لیے صفت کا تحقق کرتی ہے ۔ جس میں سابق ولاحق پر کسی قسم کی دلیل نہیں ہوتی پھر مقالہ کی مناسبت پر اور قرائن کی دلالت سے دوام وعدم انقطاع پر مشتمل ہوتا ہے ۔ اس لیے "کان زید قائما کو انقطاع پر محمول کیا جاتا ہے اور آیت میں كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کو دوام پر محمول کیا جاتا ہے یہاں کان دوسرے معنے سے ہے ۔ اب معنی یوں ہوا کہ تم ہمیشہ بہترین امت ہو ۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ یہ "امۃ" کی صفت ہے یعنی لوگوں کی مصلحت اور نفع کے لیے ظاہر کیے گئے ہیں تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو) یہ جملہ مستانفہ اور سوال کا جواب ہے گویا کسی نے کہا کہ یہ امت خیر امۃ کیوں اور ان کا خیر امۃ ہونے کا سبب کیا ہے اس کا جواب دیا کہ ان کا خیر امۃ ہونے کا سبب یہی ہے کہ ان کی عادات اور خصائل اچھے ہیں ۔ یہ ان کے خیر ہونے کی علت ہے ۔ جیسے کہا جاتا ہے ۔ زید کریم یطعم الناس ویکسوھم (زید وہ کریم ہے جو لوگوں کو طعام کھلاتا اور کپڑے پہناتا ہے) یہ اس لیے کہ وہ حکم جو اپنی صفت مناسبہ سے مقرون ہو تو وہ علت پر

دلالت کرتا ہے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو)۔ یعنی ایمان لاتے ہو اُن پر جن پر ایمان لانے کا حکم ہے یعنی رسول و کتاب و حساب و جزاء پر ایمان لاتے ہو۔ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (اور اگر وہ اہل کتاب ایمان لائیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا)۔ یعنی اگر وہ لوگ تمہاری طرح ایمان لائیں تو ان کیلئے اس سے بہتر ہے جو کہ انہیں دنیوی جاہ و حشمت کی لالچ ہے۔ اور اس برائی میں ہیں کہ عوام اُن کے پیچھے ہیں اور وہ روز بروز اس مرتبہ پر ترقی کرتے چلے جارہے ہیں۔ اور لذاتِ دنیاوی میں سرمست ہیں اس لیے انہیں آخرت کی جزاء (باوجودیکہ انہیں دوہرے اجر و ثواب کا وعدہ دیا گیا ہے) کا خیال دل میں نہیں لاتے۔ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ، (بعض ان میں مومن ہیں) یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ اہل کتاب سب کے سب کافر ہیں یا اُن میں بعض ایماندار بھی ہیں۔ تو اس کے جواب میں فرمایا بعض ان میں مؤمن ہیں لیکن چند گنتی کے وہ سب کو معلوم ہیں کہ وہ دارین کی خیر و برکت پر فائز المرام ہیں۔ جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (اور اکثر اُن کے فاسق ہیں) یعنی کفر میں منہمک اور اور حدود شریعہ سے خارج ہیں۔ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى یہ استثناء مفرغ ہے اس کا مستثنیٰ منہ وہ مصدرِ عام ہے جو لَنْ يَّضُرُّوْا الخ میں ہے۔ یعنی وہ تمہیں ہمیشہ تک کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر صرف اتنا کہ وہ تمہیں گالی دیں گے اور یہ کوئی معتدبہ ضرر نہیں سمجھا جاتا اگرچہ زور شور سے گالیاں دیں یا ڈرائیں دھمکائیں جس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ (اور اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے) یعنی اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلیں گے۔ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۚ (یہ الادبار یولوا کا مفعول ثانی ہے) (تو پیٹھ پھیر جائیں گے) یعنی وہ لوگ اپنی پیٹھ تمہارے بالمقابل کرلیں گے اور شکست کھا کر پیٹھ دے کر بھاگ نکلیں گے اور تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے نہ وہ تمہیں قتل کر سکیں گے اور نہ قیدی بنا سکیں گے ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ۔ (پھر وہ مدد نہیں دیئے جائیں گے) اس جملہ کا عطف جملہ شرطیہ پر ہے یہ ثم تراخی فی الرتبہ کے لیے ہے یعنی کوئی ایک بھی ان کی مدد کے لیے نہیں نکلے گا۔ اور نہ ہی وہ تمہارے قتل اور قید کرنے کو روک سکیں گے

ف: اس آیت میں اہل کتاب کے اُن حضرات کو ثابت قدم رہنے کی تلقین ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا اقرار کرکے پکے سچے مسلمان ہوگئے تھے تمہاری برادری کے لوگ تمہارے ساتھ مذاقیں اڑائیں یا ڈرائیں دھمکائیں یا گمراہ کرنے کی کوشش کریں تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اس میں انہیں مبارکبادی و مژدہ بہار ہے کہ گمراہ (اہل کتاب) تمہارے اُوپر دست درازی نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ گالی بکیں گے اور یہ کوئی اتنا سنگین معاملہ نہیں جو تمہارے لیے نقصان دہ ہو۔ علاوہ ازیں اہل اسلام کو وعدہ دیا گیا ہے کہ تم اُن اہل کتاب پر غلبہ پا جاؤ گے اور پھر انہیں قبضہ میں لے کر بدلہ لے سکو گے اور آخر کار انہیں رسوائی و ذلت نصیب ہوگی۔ پھر ہمیشہ ہمیشہ تک بے یار و مددگار رہیں گے اور انہیں اتنی ہمت نہیں ہوگی کہ وہ تم پر حملہ کر سکیں جیسا کہ بنی قریظہ اور نضیر اور یہودانِ خیبر کا حشر ہوا۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا (اُن پر ذلت و رسوائی مسلط کی گئی جہاں بھی جائیں گے) یعنی

اسی طرح ان پر ذلت و خواری محیط ہو چکی ہے۔ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ یہ استثناء اعم الاحوال سے ہے کہ اُن کو قبہ کی طرح ذلت محیط ہو چکی ہے کہ جیسے قبہ اپنے ما فیہا کو محیط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اُن پر ہر حال میں ذلت گھیراؤ لیے ہوئے ہے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم یا اہل اسلام کے ذمّہ میں پناہ لیں۔

ف: اللہ تعالیٰ اور اہل اسلام کے ذمّہ کو حبل (رسی) سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا ذمہ و عہد کریم نجات اور کامیابی کا سبب ہے جیسے رسّی مقصد کے حصول کا ایک مضبوط سبب ہے۔

ف: حبل من الناس کا حبل من اللہ پر عطف دلالت کرتا ہے کہ ان دونوں میں لفظی مغایرت ہے۔

نکتہ: حضرت امام رازی نے فرمایا کہ ان دونوں کی مغایرت کی وجہ یہ ہے کہ وہ امان جو ذمی کافر کے لیے شرعًا متعین ہے دو قسم ہے :۔

۱۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نص کر کے فرمایا یعنی کفار سے جزیہ لے کر امان دی جائے۔

۲۔ جو امام وقت کی رائے اور اُس کے اجتہاد پر مبنی ہے۔ کبھی تو مفت امان دینا مناسب ہوتا ہے کبھی متعین صورت سے زاید کیا جاتا ہے اور کبھی کم جیسا کہ امام وقت کی صوابدید کا تقاضا ہو۔ قسم اول کو حبل مّن اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور قسم ثانی کو حبل من الناس سے۔ لیکن چونکہ ان دونوں میں اعتباری مغایرت ہے اسی لیے درمیان میں حرف عطف لایا گیا۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اور انہوں نے رجوع کیا غضب کی طرف جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے والا ہے جو وہ اپنی غلط کاری کی وجہ سے اپنے اوپر واجب کرنے والے تھے۔ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ اور ماری جائیں گی اُن پر مسکینی یعنی فقیرانہ صورت میں گزارنے والے ہوں گے کہ وہ مسکینی انہیں ہر طرف سے گھیر کرنے والی ہوگی

ف: یہودی اکثر مسکینی میں گزارتے ہیں یا انہیں مسکینی فی نفس الامر ہوتی ہے یا خود ظاہر کرتے رہتے ہیں اگرچہ فی الواقع غنی ہوں۔ ذٰلِكَ یہ اشارہ ضرب الذلہ و المسکنۃ کی طرف ہے۔ البوء بمعنی الغضب العظیم بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ یعنی وہ ذلت و مسکینی جو ابھی مذکور ہوئی وہ اس سبب سے ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے آیات کا انکار کرتے ہیں اور وہ آیات حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت پر واضح طور دلالت کرتی ہیں بلکہ تمام قرآنی آیات کی تحریف کرتے ہیں۔ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو ناحق شہید کرتے تھے اور اُن کا یہی اعتقاد تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنا واجب ہے اگرچہ متاخرین یہود کو کسی نبی علیہ السلام کو قتل کرنے کا موقعہ نہیں ملا لیکن وہ اپنے اسلاف کے اس کارنامے پر راضی ہیں اور اُن کے اس فعل قبیح کو صواب (اچھا) جانتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی اگر انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرنے کا موقعہ پائیں تو نہیں رکیں گے۔ اس لیے قتل کو اُن کی طرف منسوب کرنا صحیح ہوا ذٰلِكَ یہ اشارہ اُن کے کفر و قتل

کی طرف ہے۔ بِمَا كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ بسبب اس کے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے یعنی یہ فعل قبیح اُن سے اس لیے سرزد ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے اور اللہ تعالیٰ کے حدود سے تجاوز کرتے تھے۔

مسئلہ: صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے یا اس کے ارتکاب کا سبب بن جاتا ہے اور کبیرہ پر مداومت کرنے سے کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

نکتہ: جو شخص صغیرہ گناہ کا مرتکب ہو اس پر مداومت کرتا ہے تو اس کے قلب پر رفتہ رفتہ ظلمات المعاصی ہجوم کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے دل کا نور آہستہ آہستہ بجھتا رہتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس کے قلب سے نورِ ایمان چھین جاتا ہے اور ظلماتِ کفر چھا جاتی ہے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) اس مضمون کی طرف عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ اشارہ ہے۔

نکتہ: ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا عِلَّةُ العلة کی طرف اشارہ ہے اس لیے ارباب تصوف نے فرمایا کہ جس شخص کو بیہ مستحبات کے ترک کرنے کی عادت ہوتی ہے اس سے لامحالہ سُنتیں چھوٹنے لگیں گی۔ جب سُنتوں کے ترک کی عادت پڑے گی تو اس سے فرائض چھوٹ جائیں گے۔ جو فرائض کے ترک کا عادی بنتا ہے تو وہ شرعی امور کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ جس سے شریعت کے امور کی حقارت سرزد ہوئی اس کی کفر تک نوبت پہنچی ہے۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ اپنے اوپر کسی گناہ کا دروازہ نہ کھولے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ امور کہ جن کے متعلق شریعت نے اباحت کا حکم فرمایا ہے انہیں بھی ترک کرنے کی عادت نہ بنائے۔ اسے کمال تقویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف نمبر ۱: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ متقی کمال تک اس وقت پہنچتا ہے جب وہ امورِ مباح کو بھی ترک کرے اس خوف سے کہ کہیں مجھ سے بڑی خطا سرزد نہ ہو۔

حدیث شریف نمبر ۲: فرمایا کہ حلال و حرام دونوں ظاہر ہیں۔ اُن کے مابین امور مشتبہات ہیں جو شخص ان مشتبہات سے بچتا ہے تو اس کا دین کامل ہے اور جو مشتبہات کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ محرمات کے ارتکاب میں مُبتلا ہو جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے چرواہا چراگاہ کے کنارے اپنے مویشی چرائے تو لامحالہ کنارہ پر رہنے سے چراگاہ میں مویشیوں کا پڑنا کثیر الوقوع امر ہے۔

سبق: مشتبہات سے بچنا سبب ہے محرمات سے بچنے کا اسی لیے محرّمات سے بچنے کی خاطر مشتبہات (جو محرمات کے اسباب ہیں) سے بچنا ضروری ہے۔

عارف باللہ کی علامت

عارفِ باللہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنا چاہتا ہے تو فوراً اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ سے حیا کا غلبہ ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنے ارادہ سے ہٹ جاتا ہے اور پھر

یہ پختہ ارادہ کرنا ہے کہ عبادت الٰہی میں گزاردوں گا چنانچہ پھر وہ عبادت الٰہی میں لگ جاتا ہے۔
نکتہ : سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عبادت عارفین کے سروں پر دنیوی بادشاہوں کے سروں کے تاج کی طرح ہوتی ہے۔
حکایت : حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں مسبحہ دیکھی گئی تو عرض کیا گیا کہ آپ نے مسبحہ کیوں لے رکھی ہے آپ تو ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں پھر آپ کو مسبحہ کی کیا ضرورت۔ آپ نے فرمایا یہ ایسا ہتھیار ہے کہ جس کی بدولت ہمیں وصالِ حق نصیب ہوا ہے پھر ہم اسے کیسے ترک کر سکتے ہیں۔
روحانی نسخے حضرت شیخ ابو طالب مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اوراد و وظائف پر مداومت کرنا مومنین کا بہترین اخلاق اور عابدین کا طریقہ اور نور ایمان میں اضافہ کا سبب اور ایقان کی علامت ہے
حکایت : حضرت شیخ ابو الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد مکرم سے پوچھا کہ یا حضرت! محققین عارفین کے اوراد و وظائف کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا کہ یہ خواہشاتِ نفسانیہ کو مٹانے والے ہیں اور محبت الٰہی کی علامت اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے محب کو غیر محل میں استعمال نہ کرے نیز یہ اوراد و وظائف اکثر اوقات مومن کو باطل سے ہٹا کر حق کی طرف پہنچاتے ہیں۔
سبق : سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اوراد و وظائف پر مداومت کرے اور طاعات میں وقت بسر کرے اور گناہوں اور خطاؤں سے بچے۔
حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ سے خوب حیاء کرو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بحمدہ تعالیٰ بہت حیاء کرتے ہیں آپ نے فرمایا زبانی طور حیاء کا حق ادا نہیں ہوتا اللہ سے حق حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے سر اور اس کے اندر کے تصورات کی حفاظت کرے اور پیٹ کو حرام سے بچائے اور موت کو ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے اور یہ سمجھے کہ میں نے مر کر مٹی میں جانا ہے جو شخص آخرت کا طالب ہے وہ دنیا کی زینت سے دور رہتا ہے۔ جو بھی اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہے وہ ان امور پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے ؎

مبر طاعت نفس شہوت پرست   کہ ہر ساعتے قبلۂ دیگر است

ترجمہ : نفس شہوت پرست کی بات مت مان اس لیے اس کا ہر لمحہ نیا قبلہ ہے۔
ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ہزار سال بھی عمر بسر کرے لیکن اگر اسے ان چار باتوں کا علم نہیں ہوا تو اس کی تمام زندگی ضائع گئی بلکہ وہ جہنم کے عذاب کا مستحق ہے۔
۱۔ ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ کی معرفت۔ وہ اس طرح کہ یہ عقیدہ رکھے کہ اس کے سوا کوئی دینا ہے نہ منع کرتا ہے

۲۔ معرفۃ عمل باللہ باینطور کہ اللہ تعالیٰ وہی عمل قبول کرتا ہے جو صرف اس کی رضا کی خاطر کیا جائے۔
۳۔ معرفۃ النفس یعنی یقین کرے کہ نفس نہایت ضعیف ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی قضاء و قدر کو نہیں روک سکتا
۴۔ اللہ تعالیٰ اور اپنے نفس دشمن کی پہچان۔ ایسے دشمن سے معرفت الٰہی کے ساتھ ایسا مضبوط ہو کر مقابلہ کرے کہ اسے شکست دے کر چھوڑے اس لیے کہ معرفت الٰہی مؤمن کا بڑا زبردست ہتھیار ہے۔ جس کے پاس معرفتِ حقیقی کا سرمایہ ہے وہ اپنے ظاہری و باطنی دشمنوں پر غالب رہتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی مراد کو حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ نفس ہی بہت بڑا دشمن ہے۔

سبق : ہر سالک کو ضروری ہے کہ وہ نفس کے شر اور اس کی جنگ کو ذکرِ الٰہی اور فکر و تدبر اور عملِ صالح کے ذریعے مٹائے (اللہ تعالیٰ ہم سب کو شرِ نفس و شیطان سے محفوظ رکھے آمین)

تفسیر عالمانہ لَيْسُوْا سَوَآءً (نہیں اہل کتاب برابر) یعنی برائیوں اور بدکرداریوں میں سب کے سب برابر نہیں۔ (ازالۂ توہم) قبائح مذکورہ سے موصوف ہونے کی بالکلیہ نفی ہے نہ یہ کہ وہ قبائح سے موصوف تو ہیں لیکن کچھ فرق ہے کہ دوسرے اہل کتاب اپنی برادری سے قبائح میں کم مرتبہ ہیں اور وہ بلند مرتبہ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ یہ جملہ مستانفہ ہے ان کے عدم مساوات کا بیان ہے۔

سوال : کلام کی تکمیل کا تقاضا تو یوں ہے۔ کہ اس کے بعد کہا جائے۔ وَمِنْهُمْ اُمَّةٌ مَذْمُوْمَةٌ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کے دو گروہ تھے نیک اور برے۔

جواب : واقعی درست ہے کہ اس کے بعد کہا جائے وَمِنْهُمْ اُمَّةٌ مَذْمُوْمَةٌ لیکن بلاغت اسی میں ہے ضدین میں سے ایک ذکر سے دوسرے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یعنی اہل کتاب میں سے ایک گروہ قائم ہے یعنی مستقیم اور عادل ہے۔ قائمہ اقمت العود فقام کے محاورہ سے لیا گیا ہے بمعنے استقامت۔ اس سے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔

شانِ نزول نمبر ۱ : یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جب یہودیوں کے لیڈروں سے پوچھا گیا کہ حضرت عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں تو لیڈروں نے کہا وہ بہت بڑے بدبخت اور شرپسند ہیں۔ اگر اچھے ہوتے تو وہ اپنے آباء کے دین کو کیوں چھوڑتے۔

شانِ نزول نمبر ۲ : یا ان نمازیوں کی مدح میں نازل ہوئی ہے جو مغرب کی نماز کے بعد بارہ رکعت اوابین پڑھا کرتے
يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآنِ کریم پڑھتے ہیں۔ یہ اُمَّةٌ کی صفت

۱۔ میں نے لکڑی کو اٹھایا تو درست ہو گئی۔

ثانی ہے۔ اٰنَآءَ الَّیۡلِ یہ یتلون کی ظرف ہے یعنی رات کی گھڑیوں میں اٰنَاءُ اٰنیٰ بر وزن عصا کی جمع ہے۔ وَھُمۡ یَسۡجُدُوۡنَ اور وہ سجدے کرتے ہیں یتلون کے فاعل سے حال ہے یعنی وہ نماز ادا کرتے ہیں اس لیے کہ سجدہ میں تلاوت نہیں ہوتی۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "میں روکا گیا ہوں کہ بحالت سجدہ و رکوع قرآن مجید کی تلاوت کروں۔

نکتہ : سجدہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ نماز کے دیگر ارکان بہ نسبت اس میں کمال خضوع ہے اور ان کی اس نماز سے تہجد مراد ہے اس لیے کہ ان کی مدح میں اسے زیادہ دخل ہے اور اسے انفرادی طور ہر ایک نمازی قرآن پاک کی تلاوت کرے گا ورنہ فرضی نمازوں کی نماز باجماعت کی حالت میں صرف امام ہی تلاوت کرتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ سب کی مدح نہ ہو گی۔ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر اسی طرح ایمان لاتے ہیں جیسے شریعت پاک نے حکم فرمایا ہے۔ یہ یہودیوں پر تعریض کے طور کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر تو ایمان رکھتے ہیں لیکن وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہتے اور بعض نبیوں اور کتابوں کو بھی نہیں مانتے اور یوم آخرت کا مفہوم بھی شرعی حکم کے خلاف ہے بنابریں ان کا اللہ تعالیٰ و یوم آخرت پر ایمان لانا نہ لانے کے برابر ہے۔

وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وہ نیکی کا حکم دیتے۔ اور برائی سے روکتے ہیں۔ اس میں بھی یہودیوں پر تعریض ہے کہ وہ الٹا نیکیوں کے مخالف ہیں بلکہ حکم الٰہی کے سراسر الٹا کرتے ہیں لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں سیدھے راستہ سے روکتے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا معاملہ برعکس ہو گیا کہ وہ برائی کا حکم دیتے اور نیکی سے روکتے ہیں وَیُسَارِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ اور خیرات میں عجلت کرتے ہیں۔ المسارعۃ فی الخیرات بمعنی نیک کاموں کی بہت بڑی رغبت رکھتے ہیں۔ اسے مسارعت سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جو شخص کسی فعل کی رغبت رکھتا ہے تو اس کے حصول میں بڑی تیزی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جلد از جلد وہ شئے حاصل ہو جائے۔ تراخی پر عجلت کو ترجیح دیتا ہے یعنی خیرات کی جمیع انواع (لازمہ ہوں یا متعدی) کے لیے رغبت کمال کے ساتھ عجلت کرتے ہیں۔ اس میں بھی یہودیوں پر تعریض ہے کہ وہ نیکی کے کاموں کی کوئی رغبت نہیں رکھتے۔ اگر کوئی رغبت ہے تو پھر ان کے حصول میں عجلت نہیں کرتے بلکہ بڑی سست رفتار رکھتے ہیں اس کے برعکس شر پھیلانے کے استاد ہیں وَاُولٰٓئِکَ اور یہ لوگ کہ ابھی ان کے اوصاف بیان ہوئے ہیں وہ اپنے ان صفات سے موصوف ہونے کی وجہ سے مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ نیک لوگوں سے ہیں۔ یعنی یہ بھی منجملہ انہی حضرات سے ہیں جن کے احوال اللہ تعالیٰ کے ہاں صلاحیت سے مزین اس کی رضا و ثنا کے مستحق ہیں۔ وَمَا یَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ۔ اور وہ جو نیکی کا کام کرتے ہیں یعنی ہر قسم کی نیکی (جس کا بیان ہوا یا نہ) فَلَنۡ یُّکۡفَرُوۡہُ تو ان کی نیکیاں ضائع نہیں کی جائیں گی) کہ ان کو نیکی کا ثواب نہ ملے یا ملے تو بہت کم۔

سوال: منع الثواب اور اس کی کمی کو کفران سے کیوں تعبیر کیا گیا۔ علاوہ ازیں اسے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ پر نہ کسی کی نعمت ہے اور نہ اس سے ناشکری کا وہم کیا جاتا ہے۔

جواب: چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں نیکی پر مکمل بزاء و ثواب دینے کا نام شکر رکھا۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ[1] بنابریں جب ثواب دینے کو مجازاً شکر سے تعبیر کیا تو کسی سے ثواب روکنا یا پوری جزاء نہ دینے کو بھی مجازاً کفران سے تعبیر کیا ہے اور یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور یہاں پر دونوں فاعل کے قائم مقام ہیں اور اس کے آخر میں ہٗ ضمیر اس لیے لائی گئی کہ کفران حرمان کے معنے کو متضمن ہے۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ (اور اللہ تعالیٰ متقیوں کو خوب جانتا ہے) آیت میں اہل اسلام کو بہت بڑے ثواب عنایت کرنے کی بشارت دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ تقویٰ تمام بھلائیوں اور اچھے اعمال کا مبداء اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی کامیاب صرف اہل تقویٰ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ میں اشارہ ہے کہ نیکی انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ جب اس بندے کی نیکی کو قبول کرتا ہے تو اسے اپنے قریب کر دیتا ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ہے جو شخص میرے ہاں ایک بالشت برابر قریب ہوتا ہے تو میں اسے ایک ہاتھ اپنے قریب کر دیتا ہوں اور فرمایا کہ میں اس کا ساتھی ہوں جو میرا شکر گزار ہو اور میں اس کی بات مانتا ہوں جو میری اطاعت کرتا ہے (شرح الحدیث) اگر تم میری اطاعت کرو گے یعنی اپنی استعداد و توجہ خالص میری طرف لگا دو گے تو میں بھی تمہاری استعداد کے مطابق تمہیں فیضیات فرماؤں گا اور تمہاری طرف متوجہ ہو جاؤں گا۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو اس خطرے میں رہتے ہیں کہ کہیں وہ تجلیات حق سے محجوب نہ ہو جائیں پھر جتنا قدر بندے سے حجابات اٹھتے جاتے ہیں اتنا اندر اس پر تجلیات وارد ہوتے جاتے ہیں

حکایت: حضرت ابو بکر الکتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایک نوجوان کو خواب میں دیکھا اور یقین مانیئے کہ میں نے زندگی بھر اس جیسا کوئی حسین ترین نہیں دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا تم کون ہو۔ اس نے کہا مجھے تقویٰ کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا تم کہاں رہتے ہو۔ اس نے کہا قلب حزیں میں۔ اس کے بعد اچانک میری نگاہ ایک ایسی عورت پر پڑی جو نہایت سیاہ اور ڈراونی شکل میں تھی۔ میں نے پوچھا تو کون ہے اس نے کہا مجھے ضحک (ہنسی) کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا تمہارا بسیرا کہاں ہے۔ اس نے کہا ہر اس دل میں جو خوشی اور راحت کا طلب گار ہو۔ اس کے بعد جب بیدار ہوا تو میں نے تہیہ کیا کہ غلبۂ ضحک کے سوا بوجہ مجبوری کبھی نہیں ہنسوں گا۔

---

[1] بیشک اللہ شاکر ہے علیم ہے۔ ۱۲

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ تقوی کی رسی کو مضبوط پکڑے اور دُنیا میں صرف اس کے ساتھ وابستہ رہے تاکہ قبر و حشر میں یہی تقوی اُس کا بہترین ساتھی ثابت ہو۔

ف: تقوی دراصل صالحین کا بہترین شعار ہے اور صالحین سے وہ حضرات مُراد ہیں جو زندگی بھر نیکیوں کے حصول کے درپے رہیں۔

ف: حضرت الشیخ ابُوالحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ کا سب سے افضل سوال جو اللہ تعالیٰ سے کرے خیرات اللہ ہے اور خیرات الدین میں خیرات الآخرہ بھی ہے اور خیرات الآخرہ میں خیرات الدنیا بھی ہے۔ بنابریں سالک کا خیرات الدین کا سوال افضل ترین سوالوں میں سے ہوگا۔

ف: اولیاء اللہ کے خصاص خیرات الدُنیا میں یعنی جس سے یہ امور سرزد ہوں سمجھ لینا کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے۔

(۱) عبودیت۔

(۲) نعوت الربوبیۃ۔

(۳) ماکان وما یکون کی طرف متوجہ رہنا۔

(۴) بارگاہِ حق کی حاضری اور اس سے واپسی یہ دن میں کم از کم ستر بار ضروری ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے قلب مبارک پر کچھ واردات ہوتے ہیں۔ اس لیے میں دن میں ستر بار استغفار پڑھتا ہوں۔

شرح الحدیث: یعنی ہر وہ مرتبہ جو پہلے مرتبہ سے کچھ اونچا تھا۔ جب آپ دوسرے مرتبہ پر پہنچتے ہیں تو وہ پہلی کمی پر استغفار پڑھتے ہیں۔ اور یہ بھی بوجہ تقاضائے بشریت تھا کہ اس کمی کا ازالہ سوائے استغفار کے اور کسی طریق سے ناممکن تھا۔ اس کی ایک وجہ اور بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ اپنی دو حالتوں کے مابین فرق بنانے کے لیے استغفار کرتے تھے کہ مطلع نظر حقیقتہ محمدیہ کے میں اپنی عبودیت کا اظہار کرتے ہوئے استغفار کر رہا ہوں ورنہ نبوت میں نقص محال ہے اور ان کے کسی حال میں کمی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں ہاں ان کے لیے حسنات الابرار سیئات المقربین کی مشہور تاویل کی جائے گی۔

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس پر کنٹرول کرتے ہوئے اس سے کسی قسم کی غلطی نہ ہونے دے ہر وقت اسے ذکر و فکر اور شکر میں مصروف رکھے۔ ہاں جب کبھی اپنے اندر کمی محسوس کرے تو اس کا ازالہ استغفار سے کرے۔

روحانی نسخے: ذکر اللہ ایمان کی علامت ہے اور منافقت سے برأت کا سبب اور شیطان سے محفوظ رہنے کا مضبوط قلعہ اور جہنم سے بچنے کی بہترین تدبیر ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا (علی نبینا علیہما السلام) کو بنی اسرائیل

کا نبی بنا کر مبعوث فرمایا تو فرمایا کہ اے یحییٰ علیہ السلام تم بنی اسرائیل کے پاس پہنچ کر انہیں پانچ باتوں کا حکم دیجئے اور ہر حکم کے ساتھ ایک مثال بھی انہیں سنائیے۔

(۱) صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ بنائیں اور اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی ایک بندہ خریدے اور اسے اپنے گھر میں ٹھہرائے اور اس کا نکاح کرائے اس کے بعد اسے بہت سا مال دے کر فرمائے کہ اس سے تجارتی کاروبار چلا اور بقدر ضرورت اسے کھا بھی۔ اس مال سے کچھ نفع بچ جائے تو مالک کو واپس کرنا ہے۔ اب وہ نوکر یوں کرے کہ جتنا نفع کمائے وہ تمام مالک کے دشمن کے حوالے کرے اور مالک کو اوّلاً تو کچھ نہ دے اگر کچھ دے بھی تو معمولی طور۔ تو بتائیے ایسے نوکر سے مالک خوش ہوگا؟ ظاہر ہے کہ ایسا بندہ مالک کے سخت عتاب کا مورد بن کر سخت سزا پائے گا۔ ایسے ہی اہل شرک کا حال ہے۔

(۲) نماز پڑھنے کا حکم دیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص کسی بادشاہ سے ملاقات کی اجازت چاہے اور وہ بادشاہ اسے ملاقات کی اجازت دیدے لیکن وہ شخص بادشاہ کے محل میں جاتے ہی بجائے بادشاہ سے گفتگو کرنے کے ادھر اُدھر دیکھے اور بادشاہ اس کی طرف متوجہ ہے لیکن وہ دائیں بائیں تکتا ہے پھر یہی ہوگا کہ بادشاہ اسے آوارہ سمجھ کر اس کا مقصد بھی پورا نہ کرے گا بلکہ اس سے منہ پھیر کر دروازے سے باہر نکال دینے کا حکم صادر فرمائے گا۔ ایسے ہی اس نمازی کا حال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہو کر ادھر اُدھر متوجہ ہے۔

(۳) روزہ رکھنے کا حکم اس کی مثال اس شخص کی ہے کہ وہ جنگ کرنے کے لیے لوہے کا لباس پہنے اور لڑائی کا ساز و سامان اٹھائے لیکن نہ وہ دشمن تک پہنچا اور نہ ہی دشمن پر ہتھیار چلانے کا موقعہ ملا۔ یعنی روزہ رکھنے کے بعد غلط کاریوں سے باز نہیں آتا۔

(۴) انہیں صدقہ کا حکم دیں اس کی مثال اس شخص کی ہے کہ کسی نے اپنا نفس ثمن معلوم سے خریدا لیکن وہ ادائیگی ثمن کا کسب اس شہر سے تلاش کرتا ہے بالآخر وہ اپنے نفس کو آزاد کرانے میں آزاد ہو جاتا ہے اسی طرح صدقہ دینے والے نے کونسا کمال کیا کہ وہ جو مال صدقہ دیتا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے نام پر دینا کونسا اچھا معاملہ ہے لیکن اس کریم کی مہربانی ہوئی کہ صدقہ کرنے والے کے درجات بلند کر دیتا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کے ذکر کا حکم ذکر کرنے والے کی مثال اس شخص کی ہے کہ قوم کا اپنا ایک مضبوط قلعہ ہو لیکن ان کے قریب ہی اُن کی دشمن قوم رہتی ہے جب دشمن وار کرتا ہے تو یہ لوگ اپنے مضبوط قلعہ میں گھس جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قوم دشمن کے حملوں سے بچ جاتی ہے یہی حال ذکرِ الٰہی کرنے والا کا ہے کہ وہ ہر وقت دشمن نفس و شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں بھی تمہیں انہی پانچ خصلتوں کا حکم دیتا ہوں جیسے یحییٰ علیہ السلام نے

اپنی قوم کو حکم سنایا اور وہ تم سُن چکے ہو۔ اب میں اپنی طرف سے پانچ اور خصلتوں کا حکم دیتا ہوں۔

(۱) جماعت کے ساتھ رہو۔

(۲) امیر کا حکم سُنو۔

(۳) اور مانو۔

(۴) ہجرت۔

(۵) جہاد فی سبیل اللہ۔

سبق : سالک کے لیے ضروری ہے کہ خیرات و حسنات اور حالات کے حصول کے لیے عجلت کرے اور یہ صرف ان لوگوں کو نصیب ہو سکتا ہے جو ارباب ارادات و اصحاب مجاہدات ہیں ؎

نیاید نکوکاری از بدرگاں	محالست دوزندگی از سگاں
تواں پاک کردن زنگ آئینہ	ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ،
کوشش نہ روید گل از شاخ بید	نہ زنگی بگرمابہ گردد سفید

ترجمہ : (۱) بداصل سے بھلائی ہرگز نہ ہوگی جیسے کتے سے بھلائی مشکل ہے۔

(۲) شیشے سے تو زنگ اتارنا آسان ہے لیکن پتھر سے شیشہ بنانا مشکل ہے

(۳) کوشش سے بید کی ٹہنی سے گلاب پیدا نہ ہوگا نہ زنگی کو نہلانے سے سپیدی آ سکتی ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بے شک جن لوگوں نے اس کا انکار کیا جو انہیں اس پر ایمان لانا واجب تھا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ ہرگز ان سے نہیں دفع کر سکیں گے اَمْوَالُھُمْ وَاَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اُن کے اموال اور نہ اولاد۔

شانِ نزول اس میں کفار کا رد مطلوب ہے جب کہ وہ اپنے اموال و اولاد پر فخر کرتے تھے اور کہتے کہ ہمارے پاس مال و اولاد کی فراوانی ہے فلہٰذا ہمیں کسی قسم کا عذاب نہیں ہوگا بلکہ اس غلط خیالی کے پیش نظر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو فقر و فاقہ پر عار دلاتے اور کہتے کہ اگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہوتے تو اُن کا خدا تعالیٰ انہیں فقر و فاقہ اور تنگدستی و شدت میں نہ چھوڑتا۔

نکتہ : اموال و اولاد کی تخصیص اس لیے ہے کہ عام طور انسان اپنے آپ کو انہی دو چیزوں سے بچاتا ہے مال کو فدیہ اور اولاد سے مدد کے طور انسان کے لیے حیوانات میں اولاد زیادہ نافع ہے اور جمادات میں اموال۔ جب نافع ترین اشیاء کا ذکر کیا گیا تو ادنیٰ بطریق اولیٰ داخل ہو گئیں وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ اور یہی لوگ جہنمی ہیں۔ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ تک رکھے جائیں گے۔

رَبطُ الاٰیات : جب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ کفار کو اموال بچا سکیں گے نہ اولاد۔ پھر فطری طور خیال گزرتا ہے کہ وہ اموال جو انہوں نے کارِ خیر میں صرف کیے ان سے بھی انہیں کچھ فائدہ ہوگا یا نہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا ازالہ فرمایا اور واضح کر دیا کہ کتنا ہی کارِ خیر میں انہوں نے مال خرچ کیا ہو انہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا چنانچہ فرمایا۔

مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا اس دنیا میں خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے یعنی کفار نے جو مال قربتِ الٰہی کی نیت یا فخریہ طور پر یا مشہوری کے خیال پر یا مسلمانوں کی عداوت میں جتنا مال خرچ کیا جیسے بدر و احد میں ابوسفیان (قبل از اسلام) اور اس کے ساتھیوں نے اپنے ہم ملت پر بہت زیادہ مال خرچ کیا تو ان کا حال یوں ہوگا کَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ مثل ہوا کے اس میں بہت سخت ٹھنڈک اور مہلک سردی ہو۔ صِرٌّ دراصل مصدر ہے پھر اس کا ٹھنڈی ہوا پر اطلاق ہوتا ہے۔ صَرصَر کی طرح۔ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ جو قوم کی کھیتی پر چلے۔ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جنہوں نے اپنے نفسوں پر گناہ یا کفر کی وجہ سے ظلم کیا پھر وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آ گئے۔

نکتہ : انہیں اس صفت سے موصوف کر کے عذاب کا نشانہ بنانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جسے غصہ سے ہلاک کیا جائے وہ دوسرے عذابوں سے شدید ترین اور زیادہ ڈراؤنا ہوتا ہے۔ فَاَهْلَكَتْهُ پس وہ ہوا اس کھیتی کو ہلاک کر دے کہ اس کھیتی کا نام و نشان تک نہ چھوڑے اس سے تشبیہہ مطلوب ہے کہ کفار جتنا بھی خرچ کریں گے سب کا سب ضائع اور برباد جائے گا انہیں اس خرچ سے کسی قسم کا نفع نہ ہوگا۔ جیسے وہ کھیتی کہ اسے ہوا تباہ و برباد کر ڈالے کہ اس سے کسی قسم کے فائدے کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ یہ تشبیہہ مرکب کے قبیل سے ہے وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ۔ ان کے اموال کے ضائع کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ لیکن وہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے اور اموال کو ایسے مواقع پر خرچ کیا جہاں خرچ کرنا مناسب نہ تھا۔

ف : یہاں پر مفعول کی تقدیم صرف آیات کے اصل کی وجہ سے ہے نہ کہ تخصیص کے لیے۔

خلاصۃ التفسیر : کفار نے جو اموال خرچ کیے ان کی غرض یا دنیوی منفعت مطلوب تھی یا اخروی منفعت مقصود تھی۔ اگر وہ منافع دنیویہ کے لیے خرچ کرتا رہا تو ایسے خرچ کا ثواب تو مسلمانوں کو بھی نہیں ملتا چہ جائیکہ کافروں کو کچھ حاصل ہو اور اگر منافع اخرویہ کے لیے خرچ کرتا رہا چنانچہ ایسے ہی بعض کفار و مرتدین کارِ خیر میں اس قسم کے بہت بڑے خرچ کرتے ہیں۔ مثلاً سرائیں بنانا اور پلیں تیار کرنا اور ضعیفوں یتیموں اور بے شوہر عورتوں کی مدد کرنا ایسے اخراجات سے اسے قیامت میں خیر کثیر کی امید ہوتی ہے۔ لیکن وہ جب آخرت میں پہنچے گا تو کفر نے اس کی تمام خیرات کو ملیا میٹ کر دیا ہوگا جیسے کسی کسان نے کھیتی باڑی میں بہت بڑی محنت کی ہو اور اسے امید ہو کہ اس دفعہ بہت کچھ سرمایہ حاصل ہوگا۔ لیکن اچانک سخت آندھی آ کر تمام کھیتوں کو جڑوں سے اکھاڑ کر مٹی میں ملا دے تو کسان کو سوائے حسرت اور حزن و ملال کے کیا حاصل ہوگا ایسے ہی آخرت میں حسرت و یاس کے سوا کافروں کو اور کچھ نصیب نہ ہوگا۔ یسریٰ سورت

اور ہے وہ یہ کہ بزعم خویش نیکی سمجھ کر مال خرچ کرے جیسے کفار نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کے منصوبے بنائے اور بہت بڑا خرچ کیا یا مؤمنین کے قتل کرنے پر زور لگایا یا اُن کے گھروں کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی تو ایسے اخراجات پر انہیں سخت سے سخت تر عذاب ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے خرچ کرنے کے متعلق فرمایا [1] وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا من عمل فجعلناہ ھبآء منثورا۔

مسئلہ : اس میں وہ خرچ بھی داخل ہے جو کسی نیک مرد کے شہر بدر کرنے یا اُسے ایذاء پہنچانے یا اسے قتل کرنے پر خرچ کیا جاتا ہے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ)

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں ہر انسان سے چار چیزوں کا سوال ہوگا۔

۱۔ زندگی کن اعمال میں بسر کی۔

۲۔ جسم کن باتوں پہ صرف ہوا۔

۳۔ علم پڑھ کر عمل کیا یا نہ۔

۴۔ مال کیسے کمایا اور کس طرح خرچ کیا۔

سبق : مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیکی پر مال خرچ کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور عمل میں اخلاص کو مدِّنظر رکھے۔

حدیث شریف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندوں کے اعمال سربمہر ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لائے جائیں گے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھولا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا فلاں فلاں اعمال بندہ کے منہ پر مارو اور فلاں اعمال اس کے قبول ہیں۔ ملائکہ عرض کریں گے اے الٰہ العلمین ہمیں تو اُس کے تمام اعمال بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا مجھے زیادہ علم ہے میں تو اس کے وہی اعمال قبول کروں گا جو اُس نے صرف میری رضا میں کئے تھے ؎

زعمرو اے پسر چشم اُجرت مدار   چو در خانہ زید باشی بکار

چہ قدر آورد بندہ حور دیس   کہ زیر قبا دارد اندام پیس

ترجمہ : (۱) عمرو سے اجرت کی امید رکھنا غلط ہے جب کہ تم زید کے گھر میں کام کرتے ہو۔

(۲) وہ بندہ کیا قدر و منزلت پائے گا جس کا ظاہر تو حسین و جمیل ہو لیکن کپڑوں کے اندر میل و کچیل وغیرہ سے پُر ہو۔

حکایت : حضرت منصور بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میرا ایک دینی بھائی تھا اسے میرے ساتھ خوش عقیدت تھی۔ دکھ سکھ کا ساتھی کثیر العبادہ تہجد گزار اور رب تعالیٰ کے خوف سے زار و قطار رونے والا تھا۔ چند روز

---

[1] اور جو کچھ انہوں نے کام کئے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔

ہوئے وہ میرے پاس نہ آیا۔ میں نے پوچھا تو لوگوں نے کہا وہ گھر میں عرصہ سے بیمار پڑا ہے میں اس کی طبع پرسی کیلئے حاضر ہوا۔ دروازہ کھٹکایا تو اس کی لڑکی باہر آئی اور مجھے وہاں لے گئی۔ میں نے دیکھا گھر کے وسط میں بستر مرگ پر پڑا ہے لیکن اس کا چہرہ سخت سیاہ ہو گیا ہے آنکھیں زرد اور لب خشک ہو گئے ہیں میں نے کہا کلمہ لا الہ الا اللہ کی کثرت کیجئے میرے کہنے پر آنکھ کھولی اور مجھے گھور کر دیکھنے لگا۔ میں نے کہا بھائی اگر تم یہ کلمہ نہ پڑھو گے تو میں تجھے نہلاؤں گا نہ کفناؤں گا اور نہ تیری نماز جنازہ پڑھوں گا۔ اُس نے سُن کر کہا بھائی منصور مجھ سے یہ کلمہ پڑھا نہیں جاتا۔ میرے لیے کلمہ شریف کے آگے پردہ لٹکا دیا گیا ہے۔ میں نے کہا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ تیری نماز اور روزہ اور تہجّد اور شب بیداری کہاں گئے۔ اس نے کہا بھائی دراصل میری وہ تمام عبادت بر ریا تھی۔ وہ عبادت صرف اس نیت پر کی جاتی کہ لوگ مجھے بہت بڑا نیک کہیں ورنہ جب میں تنہائی میں ہوتا تو دروازہ بند کر کے ایسے فاحش اور بڑے گناہ کرتا کہ پناہ بخدا ؎

در آوازہ خواہی در اقلیم فاش　　　　برول حلہ کن گو درون حشو باش

ترجمہ: اگر تم شہرت چاہتے ہو تو باہر سے لباس اچھا ہو اگرچہ اندر سے بیکار ہو۔

تفسیر صوفیانہ دانا اپنی عبادت پر غرور نہیں کرتا اور نہ ہی اعمال و اولاد و اموال کی کثرت سے دہوکہ کھاتا ہے جب کہ نیت صحیح نہ ہو جتنی زندگی گزارتا ہے محض طلب مولا ہیں۔ اسے دُنیا کا غم نہ آخرت کی فکر انہیں دولتمندی سے فقر و فاقہ کئی گنا زیادہ مرغوب ہوتا ہے عزت سے ذلت کو ترجیح دیتا ہے۔ بلکہ اسے اس حال میں لذت محسوس ہوتی ہے اپنی اولاد و اموال کے علاوہ جان تک اللہ کے راہ میں لٹا دیتا ہے۔ واللہ ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن پڑھا[1] اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔ اس کے بعد فرمایا کہ بعد از مرگ بنی آدم کہتا ہے ہائے میرا مال تو اسے کہا جاتا ہے تیرا مال تو وہی تھا جو تو نے کھایا اور ختم ہو گیا اور جو تو نے پہنا اور اسے پرانا کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے راہ میں صرف کیا۔ اور بس گیا۔ اب تیرا مال کہاں۔

حدیث شریف نمبر (۲): حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔ اگر تو بعد از مرگ میری رفاقت چاہتی ہے تو دُنیا میں اتنا قدر اپنے پاس رکھنا جتنا مسافر اپنی ضرورت کا سفر خرچ ساتھ رکھتا ہے۔ اور دولتمندوں کی صحبت سے دور رہنا اور کپڑے کو اس وقت تک پرانا نہ سمجھنا جب تک کہ اسے ٹانکے نہ لگائے جائیں۔

---

[1] تمہیں کثرت نے غافل کیا یہاں تک کہ تم قبروں کو جا ملے۔

حدیث شریف نمبر۳۱: فرمایا اے اللہ تعالیٰ جو بندہ مجھ سے محبت کرتا ہے تو اسے پاک دامنی اور کفایت شعاری نصیب فرما، اور میرے ساتھ جو بغض رکھتا ہے اُسے دُنیا کے مال سے مالا مال کردے اور اُس کی اولاد بڑھادے۔

سبق: اے برادر! دیکھ لیا تُو نے حقیقت حال کو کہ مال تو انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ذرہ برابر بھی نہیں بچا سکتا۔ للہٰذا تجھے قناعت و کفایت شعاری پر عمل کرنا چاہیے اور دُنیا میں اتنا لینا چاہیے جتنا ضرورت ہو اور دنیا داروں اور ان کی جاہ و حشمت کو دیکھ کر دہوکہ نہ کھانا ؎

ازپے ذکر و شوق حق مارا ۔ در دو عالم دِل و زبانے بس

وز طعام و لباس اہل جہاں ۔ کہنہ دَلقے و نیم نانے بس

ترجمہ: ۱۔ ذکر حق کے شوق میں ہمیں دونوں عالم میں دل اور زبان چاہیے۔

۲۔ ایسے لوگوں کے طعام و لباس کے لیے کہنہ گدڑی اور آدھی روٹی کافی ہے۔

تفسیر عالمانہ: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

شان نزول: یہ آیت اُن (اہل اسلام) کے حق میں نازل ہوئی جو منافقین سے دوستی کا دم بھرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں منافقین کی دوستی سے روکا۔ چنانچہ فرمایا۔ اے ایمان والو لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً (نہ بناؤ تم دوست)۔

حل لغات: بطانہ اس صاحب اسرار دوست کو کہا جاتا ہے جو کسی کے اندرونی بھید سے واقف ہو۔ دراصل اس کپڑے کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو پیٹ سے متصل ہو۔ جیسے شعار کپڑے کے اندرونی حصہ کو کہا جاتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ الانصار شعار والناس دثار۔ یعنی انصار میرے شعار ہیں اور باقی لوگ دِثار یعنی باہر والا حصہ۔ چونکہ اس دوست پر انسان کو ہر طرح کا اعتماد ہوتا ہے اس لیے ایسے دوست کو بطانۃ سے تشبیہہ دی گئی ہے مِّنْ دُوْنِكُمْ اپنے ماسوا کے ماسوا یہ لَا تَتَّخِذُوا سے متعلق ہے۔ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ط۔

حل لغات: لایالونالا فی الامر سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی امر میں کوتاہی کرے پھر یہ بدو مفعول ہو کر مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے لا آلوک نصحاً یعنی میں تیری خیر خواہی میں کوتاہی نہ کروں گا یہ منع کے معنے کو متضمن ہے ای لا امنعک نصحا یعنی میں اپنی خیر خواہی تجھ سے نہیں روکوں گا۔ اور الخبال بمعنے الفساد یعنی وہ منافقین تمہارے لیے نقصان پہنچانے میں مکر و فریب اور دہوکہ کے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی اس جدوجہد میں کمی کرتے ہیں۔ جو تمہارے لیے موجب دکھ اور تکلیف ہو۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ تمہارے دکھ اور تکلیف کی تمنا میں رہتے ہیں کہ تمہیں دین و دُنیا میں مشقت ہی مشقت اور ضرر ہی ضرر ہے پہلے والے جملہ میں فرق یہ ہے کہ اوّلاً اس جدوجہد میں رہتے ہیں کہ تمہیں دینی و دینوی ضرر پہنچائیں اگر یہ میسر نہیں تو تمہارے لیے دُکھ اور تکلیف میں مبتلا ہونے کی آرزو تو ہر وقت دل پر رکھتے ہیں قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ البغضاء غضب کا

مبالغہ ہے یعنی سخت سے سخت غصہ یعنی اب ان کا بغض و عداوت واضح ہو چکی ہے۔ کہ جو کچھ دل میں رکھتے تھے اب ان کی باتوں سے وہ کھل کر ظاہر ہو گئی ہے۔ اب وہ زور لگاتے ہیں کہ کسی طرح تمہارے بغض کو دل میں ہی رکھیں لیکن ان سے رہا نہیں جاتا۔ آخر کسی نہ کسی وقت اُسے ظاہر کر ہی دیتے ہیں کہ بیساختہ ان کے دل کے راز زبان پہ آ ہی جاتے ہیں وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ اور وہ جو ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ اُس سے کئی گنا زائد ہے اس لیے کہ جو کچھ ظاہر ہو جاتا ہے وہ بے بسی سے ظاہر کرتے ہیں کہ اسے کسی طریق سے روک نہیں سکتے ۔ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ۔ بیشک ہم نے تمہارے لیے آیات بیان کئے ہیں یعنی یہ آیات جو دلالت کرتی ہیں کہ دین میں خلوص پیدا کرو اور دوستی صرف مومنین سے ہو اور منافقین کافرین سے دور رہو۔ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ اگر تم عقل رکھتے ہو تو جو کچھ ہم نے تمہارے لیے بیان کیا ہے اُس پر عمل کرو۔

ف : ظاہر ہے کہ لَا یَاْلُوْنَکُمْ سے یہاں تک تمام علی وجہ التعلیل تمام جملے مستانف ہیں۔ یعنی منافقین کو ہرگز دوست نہ بناؤ ھٰاَنْتُمْ اُولَآءِ خبردار اے مومنو! تم وہی تو ہو کہ منافقین سے دوستی کا دم بھر کے خطا کرنے والے ہو۔ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ تم ان سے محبت کرتے ہو لیکن وہ تمہیں دوست نہیں رکھتے ۔ اس لیے کہ تمہارا اور ان کا دین علیحدہ علیحدہ ہے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّہٖ اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ یہاں پر جنس کتاب مراد ہے اور یہ جملہ لَا یُحِبُّوْنَکُمْ کی ضمیر مخاطب سے حال ہے اب معنے یوں ہوا کہ وہ تمہیں دوست نہیں سمجھتے حالانکہ تم ان کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ پھر تمہارا کیا حال ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے ۔ اس میں اہل اسلام کو زجر و توبیخ ہے کہ وہ باوجودیکہ اہل باطل ہیں لیکن وہ اپنے بطلان میں متصلب ہیں ۔ اور تم اہل حق ہو کر اپنی حقانیت پر اتنا پختہ نہیں ہو۔ وَاِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا اور جب وہ تمہیں ملتے ہیں تو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایماندار ہیں اور یہ بربنائے منافقت کہتے ہیں۔ وَاِذَا خَلَوْا اور جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں۔ عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ تو تمہارے اوپر غصہ کرتے ہوئے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ یعنی غصے سے حسرت اور افسوس کرتے ہوئے کہ کہیں تمہارے اوپر غصہ اتار کر شفا پائیں۔

حل لغات : الانامل انملہ بضم المیم کی جمع ہے انگلی کے اوپر والی طرف کو کہا جاتا ہے اور الغیظ بمعنے شدۃ الغضب ۔ حضرت امام رازی فرماتے ہیں کہ وہ کسی ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں تو مومنین پر سخت غصہ کا اظہار کرتے ہوئے انگلیوں کو چبانے لگ جاتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی کسی پر سخت رنج ہو جائے یا اس سے کوئی مقصد فوت ہو جانے تو ایسے ہی کرتا ہے پھر چونکہ عام طور اس کا اطلاق سخت غصے پر ہوتا ہے اس لیے یہ بول کر اس سے سخت غصہ مراد لیتے ہیں مثلاً سخت غصے والے کے لیے کہا جاتا ہے یعض یدہ غیظاً یعنی وہ غصے سے انگلیاں چباتا تھا۔ اگرچہ اس سے انگلیوں کا چبانا ۔ ہرگز بھی نہ ہوا۔ منافقین کو یہ غصہ اس لیے ہوا کہ جب اہل اسلام کو دیکھا کہ وہ آپس میں پیار و محبت،

کرتے ہیں اور ایک ہی بات پر تمام کا اتفاق ہے اور ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں۔ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم انہیں فرمایئے کہ اپنے غصّے میں مر جاؤ۔ یہ کلمہ بددُعا کے لیے ہے کہ تمہارا غصہ بڑھتا رہے گا۔ جب کہ اسلام کو ترقی ہوتی رہے گی۔ اور اسلام کے ماننے والے ایسے ہی بڑھتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اے منافقو! تم فنا ہو جاؤ گے۔ یا ان کی یہ ترقی تمہیں اے منافقو! برباد کر ڈالے گی۔

ف: اس سے ان کی لعنت اور پھٹکار کا اظہار ہے نہ یہ کہ یہ امر ایجابی ہے ورنہ وہ اس جملہ کے بعد فوراً مر جاتے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اللہ تعالیٰ سینے کی باتوں کو جانتا ہے۔ یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہیں فرمادیجئے کہ اے منافقو! تم جیسے کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے دل کے بغض وعداوت کو خوب جانتا ہے اور اسے علم ہے کہ تمہارے دل مسلمانوں کے لیے بغض وعداوت سے بھرے ہوئے ہیں۔ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ اگر تمہیں نیکی پہنچتی ہے۔ یعنی اے مومنو! تمہارا دشمنوں پر فتحیاب ہونا اور وہ غنیمت جو تمہیں کفار پر فتح ونصرت کے بعد حاصل ہوتی ہے اسی طرح لوگوں کا تمہارے دین میں جوق در جوق داخل ہونا اور تمہاری خوشحالی کو یہ منافقین نہیں دیکھ سکتے۔ تَسُؤْهُمْ انہیں بری لگتی ہیں کہ اہل دا سلام کو اتنا خیر وبرکت اور منافع کیوں حاصل ہوئے وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ اور اگر تمہیں برائی پہنچتی ہے۔ مثلاً تمہارے جنگی فوجی کہیں مقید ہو جاتے ہیں یا تمہیں کسی دشمن سے دُکھ پہنچتا ہے یا تمہارا آپس میں اختلاف ہو جاتا ہے یا تم قحط اور تنگ دستی کے شکار ہو جاتے ہو تو یہ لوگ يَّفْرَحُوْا بِهَا خوشیاں مناتے ہیں۔ تمہاری پریشانیوں کی داستانیں سن کر شادیانے بجاتے ہیں۔

ف: حسنۃ میں مَسّ اور سیئۃ میں اصابۃ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہاری حسنہ کے بالمقابل سیئہ کوئی نسبت بھی نہیں رکھتی علاوہ ازیں ان کی فرحت کا دار ومدار مکمل طور برائی پہنچنے کی وجہ سے ہے وَاِنْ تَصْبِرُوْا اور اگر تم ان کی عداوت اور تکالیف دشمنوں پر صبر کرو۔ وَتَتَّقُوْا اور بچو ان چیزوں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حرام کیں اور رد کا۔ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ تمہیں ان کا مکروفریب جو انہوں نے تمہارے مٹانے کے لیے تیار کیا ہے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اَلْكَيْدُ لطیف حیلے کو کہا جاتا ہے مکید بہ (جس کے ساتھ مکر کیا جا رہا ہے) کو آسانی سے پھنسایا جا سکتا ہے شَيْئًا اس کا منصوب بر بنائے مصدریۃ (مفعول مطلق) کے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے موعود (کہ صابرین اور متقین کی حفاظت کی جائے گی) کی وجہ سے ان کا داؤ پیچ تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس لیے کہ حکم الٰہی کا پابند اور اتقاء وصبر کا خوگر دشمن پر حملہ کرنے کی بہت بڑی جرأت رکھتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بےشک اللہ تعالیٰ ساتھ اس کے کہ وہ جو تمہارے ساتھ دشمن کر کے مکروفریب کرتے ہیں۔ مُحِيْطٌ خوب جانتا ہے پھر اس بدعملی کی انہیں سزا دے گا۔ الاحاطہ بمعنے ادراک الشئ بکمالہ شئے کو مکمل طور پا لینا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے کنارہ کش رہے اور ان کے دکھ درد پہنچانے پر صبر کرے

اس لیے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کا امتحان ہوتا ہے دشمن صرف زبان سے گالی بکتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں کسی قسم کی جرأت نہیں ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ویسے دشمنوں کی طعن تشنیع سے تو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بھی نہیں چھوٹے پھر تو کس بائی کی مولی ہوے

توروئے از پرستیدن حق مپیچ　　مہل تا نگیرند خلقت بہیچ

رہائی نیابد کس از دست کس　　گرفتار راہ چارہ صبراست بس

ترجمہ: (۱) تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ نہ پھیرو اور نہ ہی عبادت ترک کرو، کہ خلق خدا کی نظروں سے نہ گر جاؤ۔

(۲) کسی سے نجات نہ پائے گا گرفتار کو سوائے صبر کے چارہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ، میں اشارہ ہے کہ انسان کا ہمراز اس کا ہم جنس ہونا لازمی ہے اور وہ اس پر پورے طور اعتماد رکھتا ہو اور اسے یقین ہو کہ یہ میری راز داری میں خیانت نہیں کرے گا۔ ورنہ بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ کسی نا اہل کو اپنا راز بتا دیا جائے تو وہ پھر ہر ایک کے سامنے بیان کرتا رہتا ہے جس سے بہت شرمساری اٹھانی پڑتی ہے۔

ان الرجال صناديق مقفلة　　وما مفاتيحها الا التجارب

ترجمہ: مردانِ خدا کے سینے مقفل صندوقیں ہیں اور ان کی چابیاں صرف تجربہ ہے اور بس۔

تنبیہ: ہر انسان کے ظاہر کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ جب تک اسے پورے طور آزمایا نہ جائے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تک کسی کی پورے طور جانچ پڑتال نہ کر لو اس کے ساتھ دوستی کا دم نہ بھرو۔ مثلاً ایک عرصہ تک کسی جگہ اس کے ساتھ گزارو۔ پھر اس کی نشست برخاست دیکھو۔ اسکے ذمہ کاروبار لگاؤ اس کی دیانت وخیانت پر کڑی نگرانی رکھو۔ چند روز اسے انہیں تصرفات سے ہٹا دو۔ پھر کاروبار میں لگا دو اس طریقہ سے اسے دولتمند بنا کر اس کی دولتمندی آزماؤ۔ اسے بھوکا رکھو۔ اس کی بھوک میں اس کا کردار دیکھو۔ اسے سفر پر ساتھ لے جاؤ آزما کر دیکھو دراہم و دنانیر کا مالک بنا کر کاروبار سپرد کرو۔ کبھی خود اتنا تنگدست بن جاؤ کہ تمہیں صرف اس کی ضرورت ہو اور اس سے اپنی ضروریات مانگو۔ پھر دیکھو کہ وہ احسان فراموش ہے یا تمہارے احسان کو یاد رکھتا ہے اتنے بہت بڑے تجربہ کے بعد اگر وہ تجھ سے سن میں بڑا ہے تو اسے بمنزلہ باپ کے سمجھو اگر چھوٹا ہے تو اسے بیٹا بنا لو اگر ہمسن ہے تو اسے بھائی مقرر کر لو۔

روحانی علاج اگر تمہیں کسی دوست سے تمہاری غیبت کی شکایت پہنچے یا وہ کسی تکلیف اور پریشانی کا سبب بنا ہے یا کوئی ایسا معاملہ ہو کہ جس سے سخت صدمہ پہنچائے تو ایسے امور میں ضروری ہے کہ ان

کے معاملات کو اللہ تعالےٰ کی طرف سپرد کرد۔ بدلہ لینے کے لیے تدابیر ترک کرد۔ اس سے خواہ مخواہ پریشانی رہتی ہے الٹا درد میں اضافہ ہوگا اور ایسے غلط مشاغل میں زندگی ضائع جائے گی زمخشری نے کیا خوب نصیحت کی ہے : بیوقوف کی غلط کاری کا بہتر جواب رد گردانی اور اسے تابع کرنے کے بجائے بہترین علاج اس سے درگزر کرنا ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

اصبر علی مفض الحسو دنان صبرک قاتلہ والنار تاکل کل نفسہا ان لم تجد ما تاکلہ

ترجمہ : دشمن حاسد کے دکھ پہنچانے پر صبر کیجیے۔ اس لیے کہ تیرا صبر اسے کھا جائے گا۔ جیسے آگ اپنے آپ کو کھا جاتی ہے جب کہ اسے وہ چیز نہ ملے جسے وہ کھائے۔

سبق : صبر کرنا نیک بختوں کا کام ہے۔

حکایت : حضرت ابراہیم بن ادہم اپنے دوستوں کی جماعت میں تھے دن کو مزدوری کرکے رات کو اپنے انہی یاروں پر خرچ کرتے اور اُن کے دوستوں کی عادت تھی کہ وہ روزے دار رہتے اور رات کو ایک جگہ جمع ہو کر روزہ افطار کرتے حضرت ابراہیم کی عادت تھی کہ ہمیشہ دیر سے تشریف لاتے۔ ایک دن اُن کے دوستوں کو اس کی اس غلطی سے ناراضگی ہوئی اور طے کیا کہ آج اس کا انتظار نہ کرو۔ جو کچھ ساتھ ہے افطار کر لو اور وقت پر سو جاؤ۔ جب تک اس طرح سزا نہ دو گے وہ اپنی غلطی سے باز نہیں آئے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ وہ صاحبان شام کے وقت روزہ افطار کر کے اپنے وقت پر سو گئے۔ آپ نے سمجھا کہ اُن کے پاس ممکن ہے کوئی چیز نہ ہو وہ بھوکے سو گئے ہوں اس لیے تھکان کے باوجود چولہا گرم کیا۔ آٹا گوندھا۔ آگ پھونکنے پر اُن کی داڑھی مٹی میں رگڑی جا رہی تھی۔ جماعتِ فقراء بیدار ہوئی دیکھا کہ اتنا بڑا ولی آگ پھونکنے پر داڑھی زمین پر رگڑ رہا ہے اسے اس کی پرواہ نہیں کہ اس سے میری توہین ہو رہی ہے۔ سب نے دست بستہ عرض کی حضرت یہ کیا۔ آپ نے فرمایا میں دیر سے پہنچا اور خیال گزرا کہ آپ حضرات کو افطار کے لیے کوئی شئے میسر نہ ہوئی اور بھوکے سو گئے ہوں اسی لیے میں بجائے سو جانے کے آپ حضرات کے لیے طعام کا انتظام کر رہا ہوں۔ سب ایک دوسرے کو شرمساری کے مارے دیکھنے لگے کہ ہم نے اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا اور وہ ہمارے ساتھ کتنا احسان فرما رہے ہیں ؎

بدی را بدی سہل باشد جزاء اگر مردی ہہل احسن الی من اسا

ترجمہ : برائی کی برائی سزا آسان ہے اگر تو جوانمرد ہے تو برائی کرنے والے کو اچھی جزا دے۔

روحانی نسخے حضرت ذُوالنون رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ تسلیم کی اور خلقِ خدا سے خیر خواہی کی اور نفس کے ساتھ مخالفت کی اور شیطان سے عداوت و دشمنی کی عادت بنا ڈے۔

(دیگر) سالک پر ضروری ہے کہ وہ خلقِ خدا سے خلقی اور نفس کو تکالیف و مصائب پر صبر کی تلقین کی عادت ڈالے تاکہ دوسرے

کامیاب ہونے والے حضرات کے ساتھ اسے بھی کامیابی نصیب ہو۔
حکایت : کسی بزرگ نے فرمایا کہ میں نے ایک فقیر کو دیکھا کہ وہ مکہ معظمہ میں کعبۃ اللہ کے ارد گرد طواف کرتا ہوا جیب سے چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا نکال کر دیکھ لیتا ہے پھر طواف کرتا ہوا باہر نکل جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا روزانہ معمول تھا۔ میں بھی ایک عرصہ تک اس کی حالت کو دیکھتا رہا۔ ایک دن حسبِ دستور طواف کر کے اس کاغذ کے ٹکڑے کو دیکھا۔ اور مطاف سے ہٹ کر بیہوش ہو کر گر پڑا۔ میں وہاں پہنچا اور اُس کے کاغذ کے ٹکڑے پر لکھے ہوئے کو دیکھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کیجئے کہ تم ہر وقت اپنے رب تعالیٰ کے سامنے ہو۔
حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنی وصیت میں فرمایا کہ اگر تجھے اللہ تعالیٰ کو بالیقین راضی کرنے کی طاقت ہے تو خوب کوشش کرو ورنہ ہر دُکھ اور تکلیف میں صبر کرنا بہت بڑی خیر و برکت ہے نیز مجاہدات میں نفس کو دبانا اور اس کی مخالفت کرنا شہوات و لذات کو ترک کرنا و فقر و فاقہ پر صابر و شاکر رہنا اور مکروہات پر صبر کرنا سلف صالحین نیک بخت اکابرین کے عادات میں سے ہے۔ اگرچہ نفس امارہ کے غلاموں سے ایسے بزرگوں کی بغض و عداوت کی علامات ظاہر ہوتی ہیں لیکن درحقیقت اس کا ضرر خود انہیں پر لوٹتا ہے اور نیک مرد کو جتنا اعتراضات اور غلطیوں کا نشان بنایا جائے گا اور وہ غلطیاں اس میں بھی نہیں تو اُسے ان اعتراضات کا اجر و ثواب نصیب ہوگا۔
ف : لوگوں کا برائی اور نیکی میں مختلف طریق سے ہونا بھی خیر و برکت ہے اس سے دانا عبرت پکڑتا اور اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے۔
حرفِ آخر : اے نیک بختو۔ بدبختوں سے مت گھبراؤ۔ وہ صرف تمہیں طعن و تشنیع یا صرف نقصان پہنچانے کا نشانہ بنا سکتے ہیں اور بس۔ ورنہ اللہ سے ڈرنے والوں کی اللہ تعالیٰ خود حفاظت فرماتا ہے۔



وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○
اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ اِذْ تَقُوْلُ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ○ ؕ
بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ
اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ
بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ○ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ
عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ
يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ع

ترجمہ: اور یاد کرو اے محبوب جب تم صبح کو اپنے دولت خانہ سے باہر آئے مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر قائم کرتے اور اللہ سنتا جانتا ہے جب تم میں سے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ بزدلی دکھائیں اور اللہ ان کے سنبھالنے والا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے تو اللہ سے ڈرو کہیں تم شکر گزار ہو جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتے نازل کر کے ہاں کیوں نہیں۔ اگر تم صبر و تقویٰ کرو اور کافر اسی دم تم پر آپڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا اور یہ فتح اللہ نے نہ کی مگر تمہاری خوشی کے لیے اور اسی لیے کہ اس سے تمہارے دلوں کو چین ملے اور مدد نہیں مگر اللہ غالب حکمت والے کے پاس سے اس لیے کہ کافروں کا ایک حصہ کاٹ دے یا انہیں ذلیل کرے کہ نامراد پھر جائیں یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ غَدَوْتَ:
اور اے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے یاروں کو یاد دلائیے۔ جب تم صبح کے وقت نکلے تھے (غدوۃ) دن کے پہلے حصے کو کہتے ہیں۔ یعنی انہیں یاد دلاؤ کہ غزوہ احد میں تمہارے ساتھ کیا گزری جب کہ

تم نے بے صبری سے کام لیا۔ پھر جب تم نے سنبھل کر صبر اور تقویٰ کا دامن پکڑا تو پھر دیکھ لیا کہ کفار کا کوئی داؤ پیچ تمہیں نقصان نہ پہنچا سکا مِنْ اَهْلِكَ اپنے دولتکدہ سے یعنی مدینہ شریف میں بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مقدسہ سے۔ (رد شیعہ) ثابت ہوا کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت میں سے ہیں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا۔ الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات۔ اس سے واضح ہوا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہر قبیح فعل اور برائی اور جملہ عیوب سے بری اور طاہرہ و مطہرہ ہیں۔ تیسری اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر بی بی صاحبہ میں (معاذ اللہ) کچھ خامی ہوتی تو اللہ تعالیٰ فوراً اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ فرماتا۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے سے کفر سرزد ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حتمی فیصلہ فرما دیا کہ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اور لوط علیہ السلام کی اہلیہ مائل بہ کفر ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بھی واضح الفاظ میں اظہار فرما دیا۔ لیکن بی بی کے بارے میں بجائے ایسے سخت کلمات کے اظہار کے جا بجا مدح وثنا فرمائی تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ آپ مومنین کو تیار کرتے تھے۔ یعنی آپ انہیں اتارتے تھے۔

مقاعد: جو مورچے تیار کئے گئے لِلْقِتَالِ جنگ کے لیے للقتال تبوئ کے متعلق ہے۔ یعنی آپ وہ مورچے مراکز جنگ کی خاطر تیار کرتے تھے۔ اور المقاعد المقعد کی جمع ہے قعود کا اسم مکان ہے یہ ان مقامات سے عبارت ہے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور علیہ السلام نے رات گزارنے کے لیے متعین فرمایا تھا مقعد کو مجازاً ایسے ہی استعمال کیا گیا ہے یا قطع نظر اس کے کہ مقعد بمعنے بیٹھنے کی جگہ ہے لیکن عرفاً وہ عام ہے کہ وہاں کوئی بیٹھے یا سوئے۔ مطلقاً قرارگاہ کا مراد ہوتی ہے جیسے فی مقعد صدق میں مطلقاً قرارگاہ مراد ہے یا اپنی حقیقی معنی پر مستعمل ہے کہ ہر صحابی کو اپنے اپنے مقام پر بیٹھنے کی تلقین کی گئی کہ یہاں بیٹھ کر دشمن کے تاک میں رہو کہ جب دشمن ان راہوں سے گزرے تو پھر وہ دوسروں مورچوں کو مطلع کریں۔ اور خود بھی اس وقت جنگ کے لیے کھڑے ہو جائیں اس بنا پر ان کو مقاعد سے تعبیر کیا گیا ہے

واقعہ غزوۂ اُحد

مروی ہے کہ مشرکین مکہ احد میں بدھ کے دن اترے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا اور عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین کو بھی بلایا۔ اس سے قبل آپ نے اسے مشورہ کے لیے کبھی طلب نہیں فرمایا تھا۔ جب تمام جمع ہو گئے تو عبداللہ مذکور اور انصار نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مدینہ شریف میں ٹھہریں۔ احد میں تشریف نہ لیجائیں کیونکہ جب بھی ہم ان کے مقابلہ کے لیے گئے شکست کھا کر لوٹے ہیں۔ پھر آپ ان سے کیسے لڑ سکتے ہیں۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ پھر اگر وہ وہاں ٹھہرے رہے تو نقصان اٹھائیں گے۔ اگر مدینہ میں داخل ہوں گے تو مدینہ شریف کے بچے عورتیں انہیں پتھر مار مار کر بھگا دیں گے۔ لیکن بعض حضرات عرض کرتے تھے کہ آپ ضرور چلئے ہم ان کتوں کا مقابلہ ضرور کریں گے۔ اگر ہم ان کے مقابلہ میں تیار نہ ہوئے تو وہ ہماری بزدلی پر محمول کریں گے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے سامنے گائیں ذبح ہوئی پڑی ہیں۔ میں نے اسکی

سے یہ سمجھا ہے کہ ہمیں فتح و نصرت ہو گی۔ پھر میں نے دیکھا ہے کہ میری تلوار کی نوک ٹوٹ گئی ہے۔ اس سے شکست کا اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں نے اپنی زرہ کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا ہے اس سے یہ تعبیر معلوم ہوتی ہے کہ ہم مدینہ شریف واپس آئیں گے۔ آپ تمہاری مرضی چاہو تو مدینہ شریف میں رہ جاؤ چاہو تو جنگ کی تیاری کر لو۔ اس پر چند ایک مسلمانوں (یعنی وہ لوگ جو بدر میں فتحیاب ہوئے اور دولت شہادت کے خواہاں تھے) (پھر یہی حضرات احد میں شہید ہوئے) نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ان دشمنوں کے مقابلہ میں جانے دیجئے تاکہ ہم بھی شہادت کی سعادت سے نوازے جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام نصیب ہوں۔ یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جنگ کرنے کا بار بار عرض کرتے رہے۔ بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دولتکدہ میں تشریف لیجا کر زرہ پہنی یعنی جنگ کی تیاری فرمائی اور باہر تشریف لائے تو آپ پر جنگی لباس تھا۔ جب روکنے والوں نے دیکھا کہ آپ جنگ کی تیاری کر کے تشریف لائے ہیں تو اپنے کیے پر سخت شرمسار ہوئے اور کہنے لگے ہم نے غلطی کی ہم کون لگتے ہیں جو نبی علیہ السلام کو جنگ سے روکیں ان کے پاس وحی ربانی آتی ہے نادم ہو کر عرض کرنے لگے حضور علیہ السلام جیسے آپ چاہیں ہم حاضر ہیں۔ آپ نے فرمایا نبی (علیہ السلام) کی شان کے خلاف ہے کہ جب وہ جنگی لباس پہن لیں تو پھر وہ کسی مصلحت کے ماتحت اُسے اتار دیں جب تک جنگ نہیں کریں گے ہم اپنا لباس جنگی اتار نہیں سکتے۔

اُدھر مشرکین کو بدھ کے دن سے دو روز للکارتے گزر گئے۔ آپ نے اپنی تیاری کی اطلاع بھیج دی اور تیسرے روز جمعہ کے دن روانگی کا پروگرام بنا لیکن آپ جمعہ کی ادائیگی سے پہلے سفر کے لیے کہیں نہیں جاتے تھے نماز جمعہ ادا فرمائی۔ اس کے بعد مدینہ میں ایک مسلمان فوت ہوا اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر ہفتہ کی صبح کو احد کی طرف روانہ ہو گئے یہ پندرہ شوال ۱۵ ہجری کا دن تھا۔ آپ اپنی سواری پہ سوار ہوئے تھے اور وہاں پہنچ کر فوجیوں کی صفیں تیار فرمائیں اور صف بندی میں اتنا اہتمام فرمایا کہ اگر کسی کا معمولی سا سینہ صف سے آگے دیکھا تو فرمایا ذرا پیچھے ہٹ جاؤ۔ وادی کے کنارے اترے اور آپ کی فوج اور اُن کی پیٹھ احد کی جانب تھی۔ آپ نے تیراندازوں کا امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور انہیں فرمایا کہ تیروں کے ذریعے ہم سے دشمنوں کو ہٹاؤ۔ وہ تمہارے اس راہ سے ہمارے ہاں نہ پہنچ سکیں لیکن خبردار! تم اس جگہ کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ اگر وہ تمہیں دیکھ کر شکست کھا کر بھاگیں تو تم ان کا پیچھا نہ کرنا۔

آپ جب فوج کو لیکر احد میں پہنچے تو راستہ میں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے مخالفت کی۔ آپ کو سخت صدمہ ہوا اور فرمایا کہ دیکھئے اس کے بچوں نے میری اطاعت کی لیکن وہ مخالفت کر رہا ہے طوعًا وکرہًا ساتھ چل پڑا۔

اس کے بعد آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ بیشک ہمیں دشمنوں پر فتح ہو گی اور یہ بھی فرمایا کہ دیکھ لینا جب تمہارے دشمن تمہیں دیکھیں گے تو وہ شکست کھا کر بھاگ جائیں گے پھر وہ تمہارے ہو کر رہیں گے لیکن معاملہ برعکس ہوا۔ جب حق و باطل کا سامنا ہوا تو عبداللہ بن ابی سلول اپنے منافقین ساتھیوں کو لیکر بھاگ نکلا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میدانِ کارزار میں تشریف لائے تو اس وقت آپ کے پاس ایک ہزار ساٹھ ۱۰۶۰ نو سو فوجی تھے

لیکن عبداللہ بن ابی بن سلول تین[۳] سو کو لے کر نکل گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہتا تھا ۔ ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اور بچوں کو اپنے ہاتھوں مروا ڈالیں ۔ اس کے بعد ابو جابر سلمی اس کے پیچھے چلا اور کہنے لگا۔ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم اپنے نبی علیہ السلام کو چھوڑ کر نہ جاؤ ۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے جواب دیا اگر ہم جنگ میں بھلائی دیکھتے تو ساتھ رہتے ۔ اس میں کسی قسم کی بھلائی نہیں اس لیے ہم جا رہے ہیں ۔

اس جنگ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ انصار کے دو قبیلے بھی تھے ۔

(۱)۔ بنو سلمہ کا قبیلہ خزرج سے اور[۲] بنو حارثہ اوس سے یہ دونوں قبیلے حضور علیہ السلام کے لشکر کے دو پر تھے ۔ اگرچہ یہ بھی عبداللہ بن ابی ابن سلول کے ساتھیوں سے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا اور جنگ کے لیے حضور علیہ السلام کے ساتھ چل پڑے ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو فتح و نصرت ہوئی اور مشرکین شکست کھا گئے ۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ بدر کی طرح یہ بھی ہماری فتح و نصرت اور مشرکین کو شکست ہے تو بھاگنے والے (مشرکین) کے پیچھے پڑ گئے اور وہ مورچے چھوڑ گئے جہاں انہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر فرمایا اور تلقین فرمائی تھی کہ اس مرکز کو ہرگز نہ چھوڑنا لیکن وہ مراکز کو چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے ۔ اور حضور علیہ السلام کے ارشادِ گرامی کی مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انہیں اس غلطی کی سزا دے تاکہ آئندہ پھر ایسی غلطی نہ کر سکیں اور یہ بھی انہیں معلوم ہو کہ بدر میں بھی فتح و نصرت ان کی ہمت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی برکت سے ہوئی تھی۔

جب مسلمانوں نے مشرکین کا پیچھا کیا اور اپنے اپنے مراکز نہ سنبھال سکے تو کفار کے دلوں سے مسلمانوں کا رعب ہٹ گیا وہ اس وقت تین ہزار تھے یکبارگی مسلمانوں پر حملہ کر دیا ۔ مسلمانوں کا لشکر تتر بتر ہو گیا ۔ حضور علیہ السلام کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو قریشی رہ گئے باقی سب بھاگ گئے پھر کفار نے حضور علیہ السلام کی طرف رخ کیا تو آپ کے سر مبارک کو زخمی کیا اور آپ کے دانت مبارک بھی شہید ہوئے ۔ اس وقت حضرت طلحہ نے حضور علیہ السلام کی حفاظت کی اور ثابت قدمی دکھائی آپ کو وہ اپنے ہاتھوں سے بچاتے رہے ۔ یہاں تک کہ ان کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں شل ہو گئیں حضور علیہ السلام کو جب زخم شدید پہنچے اور دانت مبارک بھی شہید ہوئے تو آپ پر غشی طاری ہو گئی ۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اٹھایا اور چل پڑے جہاں کوئی مشرک آپ کو تکلیف دینا چاہتا تو حضرت طلحہ آپ کو نیچے بٹھا کر ڈٹ کر مقابلہ کرتے پھر اٹھا کر چل پڑتے یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رو بصحت ہوئے اور فرمایا کہ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اوپر بہشت واجب کر لی۔

اس اثنا میں افواہ پھیل گئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شہید ہو گئے لشکر میں ایک انصاری تھا جن کی کنیت ابو سفیان تھی) اس نے بڑے زور سے نعرہ لگایا اور فرمایا لو دیکھو یہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں ۔ یہ نعرہ سن کر انصار و مہاجرین کے دل بندھ گئے اور واپس ہوئے ۔

اس جنگ میں ستر[۷۰] مسلمان شہید ہو گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی بزرگیوں سے نوازا اور بڑے بڑے اکرام انعام

عنایت فرمائے۔ اس جنگ میں سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور آپ کا مثلہ بھی اس جنگ میں ہوا اور بہت لوگ زخمی ہوئے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مبارک ہو اُسے جو جنگ میں بھائی کے کام آیا اور اُسے مشرکین کے نرغہ سے بچایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شہداء اور زخمیوں کو اُن کے سامنے کردیا۔ اور ایسی مدد فرمائی کہ اہل اسلام کو فتح و نصرت ہوئی اور کفار و مشرکین شکست کھا گئے یہ تمام مضمون اِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا سے مؤکد ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہؤا وہ جنگ میں شریک رہا اور جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا وہ بھاگ گئے اللہ تعالیٰ سے عصمت کی توفیق کی دعا ہے وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ یعنی اسے تمام علم ہے جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ سے جنگ کا مشورہ لیا۔ پھر بعضوں نے کہا کہ مدینہ سے باہر نہ جائیے اور بعض کہتے جنگ کرنی چاہیے۔ اس میں ہر ایک کا اپنا کوئی نہ کوئی مقصد تھا ان میں بعض منافقت سے کہہ رہے تھے اور بعض موافقت سے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی بات کو سُن رہا تھا جو وہ زبان سے کہتے تھے اور اسے علم تھا جو دل میں چھپاتے تھے۔

اِذْ هَمَّتْ یہ اِذْ غَدَوْتَ سے بدل ہے یاد دلانے کا جو اصلی مقصد تھا اسے یہاں بیان کیا گیا ہے یعنی یاد دلائیے جب کہ ارادہ کیا[1] الہم بمعنی تعلق الخاطر بما له قدر طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اے مومنو! تم میں دو گروہوں نے (بنو سلمہ خزرج سے اور بنو حارثہ اوس سے) اَنْ تَفْشَلَا یہ کہ بزدل اور ضعیف ہو کر واپس لوٹیں جبکہ وہ بزعم خویش اس لوٹنے کو بہتری سمجھتے تھے۔ الفشل بمعنے الضعف۔ لیکن یاد رہے کہ اُن کا یہ ارادہ عزم بالجزم سے نہیں تھا۔ اور نہ ہی واپس لوٹنے کا وہ پختہ ارادہ کرچکے تھے۔ بلکہ وسوسہ نفسانی تھا۔ جیسا کہ مصائب اور شدائد کے وقت عموماً نفس پر وارد ہوتے ہیں۔ پھر جب انسان اس کے برعکس ثابت قدم ہو جاتا ہے اور شدائد و مصائب کو سر پر اٹھانے کے لیے تُل جاتا ہے تو نفس سے وہ خیالات دفع ہو جاتے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا کہ وہ ان خطرات و وساوس کے حملوں سے محفوظ ہو گئے یہ جملہ معترضہ ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ اور صرف اللہ پر نہ کہ اس کے ماسوا پر فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ مؤمنین کو توکل کرنا چاہیئے اپنے تمام امور میں صرف اسی پر بھروسہ ہو۔ کیونکہ انہیں صرف وہی کافی ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہؤا کہ توکل کے اسباب و موجبات سے ایمان کو موصوف کیا جا سکتا ہے۔

ف: توکل بمعنے الاعتماد علی الغیر واظہار العجز۔ (غیر پر اعتماد کو ظاہر کرکے)

تفسیر صوفیانہ حضرت امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو جو شئے عارض ہو مکروہ یا آفت تو اسے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے دفع کرنے کی کوشش کرے اور اپنے نفس سے بھی توکل کے ذریعے جزع و فزع کو دور رکھے۔

---

[1] دل کا اس سے متعلق ہونا جس کی اس کے ہاں قدر و منزلت ہے۔ ۱۲۔

توکل کی رفعتِ شان حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عبادت کے ابواب میں سے علم ایک ادنیٰ دروازہ ہے۔ پھر پرہیزگاری کے ابواب میں سے عبادۃ ادنیٰ دروازہ ہے پھر تمام تقویٰ وطہارت زہد ادنیٰ باب ہے پھر زہد توکل کے ابواب میں سے ادنیٰ باب ہے اور فرمایا کہ توکل کی تین علامت ہیں۔

۱ کسی سے سوال نہ کرے۔[لہ]

۲- مل جائے تو رد نہ کرے۔

۳- جو بچ جائے اُسے ذخیرہ نہ بنائے۔

حکایت: حضرت ابراہیم الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ توکل میں مشہور تھے لیکن ہر وقت (۱) سوئی (۲) دھاگا (۳) لوٹا (۴) مقراض اپنے پاس رکھتے۔ کسی نے کہا حضرت آپ تو متوکل علی اللہ ہیں پھر ان چیزوں کو اپنے پاس رکھنے کا کیا معنیٰ۔ آپ نے فرمایا ان چیزوں کو اپنے پاس رکھنے میں توکل نہیں ٹوٹتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہمارے اوپر کچھ فرائض ہیں۔ مثلاً نماز کی ادائیگی اور فقیر کے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہوتا ہے اگر وہ کہیں پھٹ جائے اور سوئی تاگہ ساتھ نہ ہو اگر اسے نہ سیئے تو پھٹے کپڑے سے ستر عورت نہ رہے گا۔ جس سے نماز فاسد ہو جائے گی اس لیے اِن اشیاء کا ساتھ ہونا توکل کے خلاف نہیں بلکہ تکمیل عبادت کے لیے جائز ہے۔

حکایت: حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حج کو جارہا تھا تو ایک کنوئیں میں گر پڑا۔ مجھے نفس نے کہا کہ فریاد کیجئے تاکہ کوئی تجھے نکال لے۔ لیکن میں نے توکل کے خلاف سمجھ کر نفس کی اس بات کو ٹال دیا۔ اس کے بعد چند آدمی کنویں کے اُوپر سے گزر رہے تھے۔ کنویں کے متعلق مشورہ کیا کہ کیوں نہ ہم اس کوئیں کو بند کردیں تاکہ آئندہ کوئی بھی اس میں نہ گر سکے۔ میرے نفس نے کہا اب تو جان جاتی ہے فریاد کیجئے تاکہ تمہیں نکال لیا جائے۔ میں نے یہ بھی نفس کی شرارت سمجھ کر ٹال دیا۔ اور کہا انہیں کیوں کہوں جب میرا مالک مجھ سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے وہی کافی ہے نفس کی شرارت سے بچ کر میں آرام سے بیٹھ رہا۔ اچانک دیکھا کہ کنویں کے اُوپر سے پردے ہٹنے لگے اور کسی شئے کو دیکھا کہ اس کنوئیں کے اوپر بیٹھ کر اپنا پاؤں نیچے لٹکا دیا۔ گویا وہ مجھے کہہ رہی ہے کہ اس پاؤں کو پکڑ کر باہر آجا میں اس

(لہ اسی کو کسی نے فارسی میں یوں کہا کہ بیش کے طمع مکن ۔ چوں آید منع مکن ، چوں پیش آید جمع مکن ۱۲ اویسی غفرلہ۔

رشتے کے پاؤں کو پکڑ کر باہر آیا تو دیکھا کہ وہ ایک خونخوار جانور تھا جو مجھے نکال کر کنویں سے چلتا بنا ۔ اور مجھے ہاتف غیبی نے کہا ہم نے توکل کی برکت سے تجھے دو آفتوں سے بچا لیا ۔ ایک کنویں میں صبر کرنے پر دوسرے اس درندے کے شر سے ۔

ف : بزرگوں کا فرمودہ ہے کہ جب انسان توکل کا دامن تھام لیتا ہے تو پھر اس کی منہ مانگی باتیں نئی دلہن بن کر اسے حاصل ہوتی ہیں ۔

حکایت : سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام کو جب فلاخن کے ذریعے آگ کے شعلوں میں پھینکا جا رہا تھا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کی کہ کوئی ضرورت ہو تو بتائیے ۔ آپ نے فرمایا ضرورت ہے لیکن تیرے بتانے کی نہیں ۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے کی ہے ۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا تو پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیجئے ۔ آپ نے فرمایا وہ میرے کہے بغیر میرے سوال کو خوب جانتا ہے فلہٰذا میں اسے بھی نہیں کہتا پھر توکل کی برکت ہوئی کہ نار گلزار بن گئی ۔

قدسی حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جسے میرا ذکر مجھ سے سوال کرنے سے روکتا ہے تو میں اسے سائلین کے سوال سے بھی زیادہ دوں گا ۔

سبق : سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور اپنے جملہ امور اس کی طرف سپرد کرے اس لیے کہ اس کی قضا و قدر کو کوئی روک نہیں سکتا ۔ اگرچہ کوئی کتنا ہی زور لگائے ؂

قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد　　　　وگر ناخدا جامہ برتن درد

ترجمہ : قضائے الٰہی کشتی جہاں چاہے لے جاتا ہے اگرچہ کشتیاں کپڑے پھاڑ ڈالے ۔

ف : اے سالک تجھے اللہ تعالیٰ کی نگہداشت کافی ہے فلہٰذا اسباب سے نظر ہٹا کر صرف اس کی طرف نگاہ رکھے ۔ کشادگی نصیب ہوگی تو صرف اسی ذات مفتح الابواب سے ؂

مکن سعدیا دیدہ بر دستِ کس　　　　کہ بخشندہ پروردگار است بس

اگر حق پرستی زدر ہا بست　　　　کہ گر درے براند نخواہد کست

ترجمہ : (۱) اے سعدی (رحمہ اللہ) کسی کا دست نگر نہ ہو اس لیے کہ بخشنے والا پروردگار کافی ہے ۔

(۲) اگر تم حق پرست ہو تو تجھے ایک دروازہ کافی ہے اگر وہ ہٹا دے تو تجھے کوئی نہ چاہے گا ۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ ۔

(اور بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہاری بدر میں مدد فرمائی)

ربط : ان باتوں کی یاددہانی کرانا مقصود ہے کہ انہیں توکل نے فائدہ پہنچایا ۔

ف: بدر ایک کنوئیں کا نام ہے جو مکہ شریف و مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے اسے ایک مرد نے کھودا جس کا نام بدر تھا اسی کے نام سے یہ کنواں مشہور ہوگیا۔ غزوہ بدر ۱۷ رمضان ۲ھ میں پیش آیا۔ وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ اور تم کمزور تھے یہ کم ضمیر سے حال ہے اور اَذِلَّۃ ذلیل کی جمع ذلت ہے (جمع کثرت کے صیغہ پر یعنی دلائل) نہیں فرمایا کہ معلوم ہو کہ وہ گنتی کے لحاظ سے بہت تھوڑے تھے۔ علاوہ ازیں پھر ضعف الحال و قلۃ السلاح و المال اور سواریوں کی کمی کے لحاظ سے بھی نہایت کم درجہ تھے کہ جب وہ غزوہ بدر کے لیے گھر سے نکلے تو ان کے پاس معمولی چند سواریاں تھیں چنانچہ وہ باری باری سوار ہوتے رہے اور صرف ایک گھوڑا حضرت مقداد بن الاسود کا تھا یہی وہ پہلا گھوڑا ہے جس پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ لڑی گئی اور ستر اونٹ اور چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور کل تین سو تیرہ نفوس مقدسہ تھے ان میں ۷۶ مہاجرین اور باقی انصاری تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور ان کے بالمقابل دشمنوں کی حالت کا اندازہ لگائیے کہ ان کے ایک ہزار جنگی فوجی تھے۔ اُن کے ساتھ ایک سو گھوڑا اور پھر ساز و سامان کا کیا کہنا۔ اس غزوہ بدر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دستِ پاک میں اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا فَاتَّقُوا اللّٰهَ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہو۔ جیسے تم نے غزوہ بدر میں خوفِ خدا دل میں رکھ کر ثابت قدمی کا ثبوت دیا تھا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ امید ہے اور سنہ رکھو کہ تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ جس سے تمہیں شکر گزار ہونا ہوگا۔

اِذْ تَقُوْلُ یہ نصرکم کا ظرف ہے (یعنی یاد کرو اُس وقت کو جب تم کہتے تھے۔ لِلْمُؤْمِنِيْنَ مومنین کو جب انہوں نے جنگ کرنے پر عاجزی کا اظہار کیا۔ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ کیا تمہیں یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رَب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ۔

حل لغات: الکفایہ بمعنیٰ کمی پوری کرنا کسی کے معاملہ کا مکمل انتظام کرنا بمعنے لشکر کے ذریعے مدد کرنا آب آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کیا تمہیں انکار ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مقدار پر تمہاری مدد نہیں فرمائے گا۔ اور کلمۂ اَنْ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ اپنے ضعف و قلت اور دشمنوں کی قوت و کثرت کے پیش نظر بالکل ناامید ہو چکے تھے۔ مُنْزَلِيْنَ تم اس حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ آسمان سے اُتر رہے تھے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتہ بھیج کر مدد فرمائی پھر تین ہزار ہو گئے اس کے بعد پانچ ہزار۔

نکتہ: ملائکہ کے نزول کے وعدہ کو پہلے بیان کرنے میں یہ حکمت ہے کہ خوش خبری سن کر اُن کے دِل مضبوط ہو جائیں اور ثابت قدمی کا عزم بالجزم کر کے اللہ تعالیٰ کی مدد سے قوت پا لیں۔ بَلٰٓی یہ لفظ اَنْ کے مابعد کے لیے ایجاب اور اس کے مضمون کی تحقیق کے لیے ہے۔ یعنی ہاں وہ تمہاری کفایت کرے گا۔ پھر اُن سے زائد کا وعدہ فرمایا ہے بشرطیکہ وہ لوگ

صبر کریں اور تقویٰ کا دامن تھامیں۔ صبر و تقویٰ پر برانگیختہ کرنے اور ان کے دل مضبوط کرنے پر فرمایا اِنْ تَصْبِرُوْا اگر تم دشمنوں کے ملنے اور ان کے مقابلہ کے وقت صبر کرو گے۔ وَتَتَّقُوْا اور اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے ڈرو گے۔ وَيَاْتُوْكُمْ اور تمہارے پاس مشرکین آئیں گے مِنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا اس گھڑی میں يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ تو تمہارا رب تمہاری پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کرے گا۔ جب وہ کفار تمہارے ہاں آئیں گے تو پانچ ہزار فرشتے اسی وقت نازل ہو جائیں گے اس کی مراد یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ جلد از جلد نتیجاب فرمائے گا۔ اور فتح یابی تمہارے لیے آسان ہو جائیں گی۔ بشرطیکہ تم نے صبر کیا اور پرہیزگاری کی مُسَوِّمِيْنَ۔ تسویم سے مشتق ہے بمعنے شئے کی علامت کو ظاہر کرنا یعنی وہ فرشتے اپنے نفسوں کو نمایاں کرکے یا اپنی سواریوں کی علامت کے ساتھ آئیں گے کہ ان کے گھوڑوں کے کانوں اور پیشانیوں میں سفید داغ ہوں گے۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو فرمایا۔ علامت بناؤ۔ اس لیے کہ فرشتے بھی اپنی ایک علامت سے آئے ہیں۔

حدیث شریف نمبر (۲): مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس دن ملائکہ کے سروں پر سفید پگڑیاں تھیں سوائے حضرت جبریل السلام کے کہ ان کے سر پر زرد رنگ کی پگڑی تھی۔ حضرت زبیر بن العوام کی پگڑی باندھ کر اور ابلق گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اس سے ان کا حضرت مقداد اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اعزاز و اکرام مطلوب تھا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ۔ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے یعنی فَاَمَدَّكُمْ اور اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعہ کھلم کھلا مدد فرمائی۔ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ مگر تمہارے خوش کرنے کے لیے وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ اور امداد سے تمہارے دل سکون پکڑیں۔ جیسے نزول سکینہ بنی اسرائیل کے قلوب کے لیے سکون کا سبب بنا وَمَا النَّصْرُ اور نہیں ہونے والی تھی مدد اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہ کہ ساز و سامان سے اور نہ ہی لشکر کی کثرت سے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ مدد دینے کے لیے کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی سبب بنایا گیا ہے تو وہ تمہارے خوش کرنے کے لیے ہے تاکہ تمہارے دل مضبوط ہو جائیں یعنی اسباب اس لیے بنائے گئے کہ عوام کے دل اسباب دیکھ کر ہی خوش ہوتے ہیں مؤمن کو چاہیے کہ کسی سبب پر سہارا نہ کرے اللہ تعالیٰ کی مدد بغیر کسی سبب کے بھی پہنچ سکتی ہے۔

الْعَزِيْزِ غالب ہے کہ اس کے حکم اور فیصلہ پر کسی کو غلبہ نہیں ہو سکتا الْحَكِيْمِ حکمت والا ہے اس کا ہر کام مبنی بر حکمت ہوتا ہے۔ لِيَقْطَعَ یہ نصرکم سے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں تمہاری اس لیے مدد فرمائی تاکہ ہلاک کردے اور گھٹا دے طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کفار کے ایک گروہ کو قتل کرکے یا قید کرکے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ اس دن ان کے ستر بڑے سردار بیخ مارے گئے اور ستر قیدی ہوئے اَوْ يَكْبِتَهُمْ یا انہیں ذلیل و خوار کرکے یعنی انہیں رسوا کرے اور شکست دے کر غیظ و غضب میں جلادے اس لیے کہ الکبت شدۃ غیظ کو کہتے ہیں یا وہ بزدلی کہ دل میں واقع

ہو یہ کُبْنَہٗ سے مشتق ہے بمعنے کبدہ یعنی غیظ و غضب اور دل کی جلن سے سینہ کوبی کرنا ۔ یہاں پر لفظ اَوْ تو یعیہ ہے یہ کہ تردیدیہ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ پس گھاٹا پانے والے ہو جائیں گے ۔ یعنی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوں گے اور شکست کھا کر اپنی تمام آرزوؤں سے ناامید ہو جائیں گے ۔ اس لیے کہ الخیبۃ بمعنے الحرمان من المطلوب ہے الخیبۃ والیاس میں یہی فرق ہے کہ خیبہ صرف توقع کے بعد ہی ہوتی ہے اور یاس عام ہے کہ کبھی توقع سے پہلے اس لیے کہ الیاس کی نقیض الرجاء اور الخیبۃ کی نقیض الظفر آتی ہے ۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ یہ جملہ معترضہ ہے تمہارے لیے کسی قسم کا (ذاتی) اختیار نہیں ۔ یہ جملہ معترضہ ہے اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ اس کا عطف اَوْ يَكْبِتَهُمْ پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی علی الاطلاق جملہ امور کا خود مالک ہے ذلیل و خوار کرے تو مالک ہے ان کی توبہ قبول کرے تو بھی مالک ہے ۔ اگر مسلمان ہو جائیں یا انہیں آخرت کا سخت سے سخت عذاب پہنچائے ۔ اگر گناہوں پر اصرار کریں آپ کا (ذاتی طور) اس میں کسی قسم کا دخل نہیں ۔ بیشک آپ تو اس کے پیارے عبد مقدس ہیں ۔ آپ تو صرف انہیں ڈرانے کے لیے یا پھر جہاد کے لیے بھیجے گئے ہیں ۔ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ بیشک وہی ظالم ہیں ۔ وہ اپنے ظلم کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہوئے ہیں وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ پیدائش اور ملکیت کے لحاظ سے جتنے موجودات ہیں آسمانوں یا زمینوں میں سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہیں ۔ اس کے سوا (ذاتی طور) کسی کو بھی دخل نہیں ۔ تمام امور اسی کے ہیں يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ (بخشتا ہے جسے چاہتا ہے) یعنی جسے بخشنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے اور اس کی مشیت ہزاروں حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتی ہے وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ اور جسے عذاب دینا چاہتا ہے تو اسے عذاب دیتا ہے مغفرت کو عذاب پر اس لیے مقدم کیا ہے کہ اس کی رحمت و مغفرت اس کے غضب سے سابق ہے ۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اس بندے پر کسی قسم کا عذاب نہیں جو توبہ کر کے مرے جو توبہ کے بغیر مرے تو اسے لازماً عذاب ہوگا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۔ یعنی اپنے بندوں کو بخش دیتا ہے ۔

مسئلہ: اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل مبنی بر حکمت و مصلحت ہوتا ہے لیکن اس کی رحمت و مغفرت کو غلبہ حاصل ہے ۔ وہ بھی علی سبیل الوجوب نہیں بلکہ علی سبیل الفضل والاحسان ہے ۔

سبق سمجھدار انسان کو چاہیے کہ وہ ایسے ایمان و اعمال کے لیے جدوجہد کرے کہ جن سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو جائے ۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوا اس لیے کہ اس کی رحمت سے صرف کفار ہی ناامید ہوتے ہیں ۔

حکایت: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد (علیہ السلام) آپ گنہگاروں کو خوشخبری دیں اور نیک لوگوں کو ڈرائیں ۔ عرض کی اے اللہ العالمین یہ الٹی چال کیوں ۔ گنہگاروں کو ڈرایا جاتا ہے نہ کہ خوشخبری سنائی جاتی ہے اس طرح نیک لوگوں کو خوشخبری سنائی جاتی ہے نہ کہ انہیں ڈرایا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گنہگاروں کو اس لیے خوشخبری

سنائی جائے تاکہ انہیں معلوم ہو میرے ہاں کوئی مشکل امر نہیں ۔ کتنا بڑا گناہ کیوں نہ ہو تب بھی میں بخش دیتا ہوں۔ اور نیک لوگوں کو اس لیے ڈراؤ کہ وہ اپنے نیک اعمال کے گھمنڈ میں نہ رہیں۔ ہاں جب کسی کے ساتھ عدل و انصاف کی ترازو رکھتا ہوں یا حساب کتاب کرتا ہوں تو سمجھ لینا کہ وہ ہلاک و برباد ہوا ۔

حدیث شریف : ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گریہ فرما رہے ہیں ۔ عرض کی یا حضرت ! یہ رونا کیسا ۔ آپ نے فرمایا ابھی میرے ہاں جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اس بندے سے شرم آتی ہے جو اسلام میں بوڑھا ہوا پھر اُسے بھی اللہ تعالیٰ سے شرم کرنی چاہیے کہ ایسے کریم کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے ۔

سبق : بوڑھے بابا کو چاہیے کہ اس کرامت کو سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور اس بڑھاپے میں اپنے کریم اور کراماً کاتبین سے حیا کرتے ہوئے گناہ سے بچے ۔ بلکہ اپنے مالک کی اطاعت و فرمانبرداری میں وقت بسر کرے اس لیے کہ اب اُس نے قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے ہیں ۔

حکایت : مروی ہے کہ حجاج بن یوسف (ظالم) جب عراق پر مسلط ہوا تو اہالیان عراق کو ڈرا دھمکا کر اپنا پورا تسلط جمالیا ۔ لیکن چند دنوں کے بعد اس پر عبدالرحمٰن بن اشعث نے اہل عراق سے مل کر حملہ کر دیا ۔ حجاج کی امداد کے لیے عبدالملک بن مروان نے علاقہ شام سے کافی لشکر بھیجا ۔ حجاج اور عبدالرحمٰن بن اشعث کے درمیان صرف چھ ماہ میں اسّی جنگیں ہوئی بالآخر دیر الجماجم میں عبدالرحمٰن بن اشعث شکست کھا کر بھاگ نکلا ۔ اس کے ساتھ دو لاکھ سے بھی زائد لشکری تھے لیکن شکست ہو گئی ۔ اس پر حجاج نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اُن کا پیچھا مت کرو ۔ جہاں چاہیں جانے دو ۔ اس حکم کے جاری کرنے کے بعد کہا کہ بھاگنے والوں کو یہ بھی سُنا دو کہ جو ہمارے ہاں آجائے اُسے امان ہے اور نہایت عافیت و سلامتی کے ساتھ اُسے کوفے جانے کی اجازت ہو گی ۔ چنانچہ جب یہ اعلان ہوا تو بھاگنے والوں سے کثیر التعداد لوگ واپس ہو کر حجاج بن یوسف کے ہاتھ پر بیعت ہونے لگے ۔ جب بھی کوئی اُس کے ہاتھ پر بیعت کرتا تو اسے کہلواتا کہ اپنے لیے کفر کی گواہی دے ۔ اس کے بعد تائب ہو جا کوئی اُس کی بات مان لیتا تو اُسے چھوڑ دیتا ۔ ورنہ قتل کر دیتا ۔ اندریں اثناء خشعم قبیلے کا ایک بوڑھا اس کے پاس لایا گیا ۔ حجاج نے اس سے یہی الفاظ کہلوانے چاہے ۔ لیکن اس نے دلیری کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اپنے رب کی بندگی کرتے ہوئے اسّی سال گزر گئے اب میں موت کا انتظار کر رہا ہوں آخری دم کفر کر کے میں لعنت کا طوق گلے میں ڈالنا نہیں چاہتا ۔ تھوڑی سی لالچ میں اگر میں خدا تعالیٰ کا باغی بن جاؤں تو پھر میرے بندے ہونے پر حیف ہے ۔ میری عمر کا تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے ۔ مجھے کفر بکنا منظور نہیں ۔ حجاج نے کہا اس بوڑھے کی گردن اڑا دو ۔ چنانچہ اُسے اسی وقت موت کے گھاٹ اتارا گیا ۔ اس کے بعد دوسرے بوڑھے بابا کو لایا گیا ۔ اس کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ یہ بھی پہلے بوڑھے بابا کی طرح اپنے ایمان پر استقلال دکھائے گا ۔ لیکن اس بوڑھے بابا کو جب کفر

بخشنے کے لیے کہا گیا۔ تو اس نے کہا اے حجاج میں اپنے نفس کی شرارتوں کو خوب جانتا ہوں لیکن سن لو کہ میں تو فرعون ر ہامان سے بڑا کافر ہوں۔ اس پر حجاج خوب ہنسا اور کہا اس بوڑھے بابا کو چھوڑ دو۔

سبق غور کیجئے کہ اس بوڑھے بابا نے ضعفِ ایمانی پر کمال کر دیا۔ حالانکہ اب اس کے پاس بڑھاپے میں موت کے سوا باقی کیا رکھا تھا۔ لیکن اتنی زندگی بسر کرنے کے باوجود بھی ایمان کو ہاتھ سے دیکر جان بچانے کی کوشش کی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

تفسیر صوفیانہ سالک کو لازم ہے کہ وہ اپنے قلب کو ایمان پہ مطمئن رکھے اور کوشش کرے کہ مقام الیقین تک پہنچ جائے پھر قوتِ یقین کی منزل طے کرتے ہوئے مقام توحید تک پہنچے۔ مقام توحید یہ ہے کہ تمام اشیاء کو مسبب الاسباب سے سمجھے اور ان اسباب اور وسائل کو اس کے تابع مانے اور اس میں شک نہیں کہ قوتِ یقین کدورات نفس کو صاف کرکے قلب کو بخشتی ہے ۔

چو پاک آفریدت بہش باش و پاک کہ ننگست ناپاک رفتن نجاک
پیاپے بیفشاں از آئینے گرد کہ صیقل نہ گیرد چوں زنگار خورد

ترجمہ: ۱۔ جب تجھے اللہ تعالیٰ نے پاک پیدا فرمایا ہے فلہذا ہوش کے ساتھ اور پاک ہو کر زندگی بسر کر اس لیے کہ ناپاک قبر میں جانا ننگ اور عار ہے۔

۲۔ پے در پے لوہے سے گرد و غبار صاف کیجئے اس لیے کہ اس لوہے کی صفائی نہیں ہوتی جب اس پر زنگ غالب ہو جائے۔

روحانی نسخے: قلب کا جلا تین چیزوں سے ہوتا ہے۔

۱۔ ذکر اللہ تعالیٰ۔ ۲۔ تلاوۃ القرآن۔

۳۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنا۔ اور تمام اذکار سے بہتر ذکر کلمۂ توحید ہے۔ دراصل یہی عمدہ و نقلی ہے۔

دیگر: حضرت ابراہیم خواص قدس سرہ نے فرمایا کہ بیمار قلب کا علاج پانچ چیزوں سے ہوتا ہے۔

۱۔ تلاوۃ القرآن لیکن تدبیر کے ساتھ۔ ۲۔ پیٹ کو طعام سے خالی رکھنے سے۔ ۳۔ رات کو نوافل کا قیام۔

۴۔ سحر کے وقت تضرع الی اللہ تعالیٰ۔

۵۔ نیک بخت لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا۔

سبق: اے سالک انہی عادات پر مواظبت کرو۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ذوالجلال والاکرام کے فضل و کرم سے تمہیں مقام تزکیہ اور درجۂ کمال نصیب ہو جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۝ ج وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ ج وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ج وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ
الْاَرْضُ لا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ لا الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ
الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ج وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا
فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ص وَمَنْ يَّغْفِرُ
الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ قف وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ
جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط
وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ ط قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ لا فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ
لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ
يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ط وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ
النَّاسِ ج وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ لا وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ
اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝
وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ص فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ
تَنْظُرُوْنَ ۝ ع

ترجمہ :

اے ایمان والو سود کئی گنا زائد نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے اور اس
آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کر رکھی ہے اور اللہ اور رسول کے فرمانبردار رہو اس امید پر کہ تم رحم
کئے جاؤ اور اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑان میں سب آسمان

اور زمین آ جائیں پرہیز گاروں کے لیے تیار رکھی ہے وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور اللہ کے سوا گناہ کون بخشے اور اپنے کیے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں ایسوں کو بدلہ ان کے رب کی بخشش اور جنتیں ہیں ان کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ ان میں رہیں اور نیک کام والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے تم سے پہلے کچھ طریقے برتاؤ میں آ چکے ہیں تو زمین میں چل کر دیکھو۔ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا اور پرہیز گاروں کو نصیحت ہے اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ تم غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو وہ لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پا چکے ہیں اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لیے باریاں رکھی ہیں اور اس لیے کہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دے اور اللہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو اور اس لیے کہ اللہ مسلمانوں کو نکھار دے اور کافروں کو مٹا دے کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی اور تم تو موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس کے ملنے سے پہلے تو اب وہ تمہیں نظر آئی آنکھوں کے سامنے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا۔ اے ایمان والو سود نہ کھاؤ۔ یہاں پر نہ کھانے سے۔ سود نہ لو مراد ہے اخذ کو کل سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ انسانی ضروریات میں مہتم بالشان کھانا ہے۔ علاوہ ازیں سود کی کار زیادہ تر کھانے پینے کے لیے چلتا ہے پھر کھانے کی باتوں میں ہی زیادہ ملامت پڑتی ہے اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (زیادہ سے زیادہ) یعنی زیادات مکررہ کر کے۔ زمانۂ جاہلیت میں مرض عام تھا کہ کسی کے اگر کسی پر سو درہم میعاد مقرر تک قرض ہوتا تو قرضدار اس مدت تک ادا نہ کر سکتا تو قرضخواہ کہتا کہ جتنی میعاد تک قرض ادا نہ کرے گا اتنی مقدار قرض بڑھتا رہے گا۔ کبھی سو درہم کی بجائے دو سو درہم تک نوبت پہنچ جاتی۔ اس میعاد تک بھی ادائیگی نہ ہوتی تو پھر اور مقدار بڑھا دی جاتی یہاں تک کہ ایک سینکڑے کی بجائے کئی سینکڑے وصول کیے جاتے۔

ف: اضعاف ضعف کی جمع ہے۔ الربوا سے حال ہے مضاعفہ اسم مفعول ہے نہ کہ مصدر اور یہ حال نہی ربوا کے لیے قید نہیں کہ اس سے ربوا کی حرمت ختم ہو جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس برے فعل سے رد کا گیا ہے اس سے پورے طور رک جائیں گویا اس سے انہیں زجر و توبیخ کی گئی ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ سے ڈرو) کہ جس سے کہ تمہیں رد کا گیا ہے۔ خصوصاً سود کی کاروبار اور اس کے متعلقات لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ) یعنی اس عمل سے رک جانے سے

فلاح کی امید رکھو۔ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ۔ (اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے)
یعنی ان کی نابعداری سے کنارہ کشی کرو۔ اور ان کے کردار سے بچو۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ بالذات نار کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور بالتبع گنہگاروں کے لیے۔

نکتہ: سیدنا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ قرآن میں سب سے زیادہ یہی آیت زیادہ خوف والی ہے کہ اس میں نار سے مومنین کو ڈرایا گیا ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو تمام ان امور میں جن سے اس نے تمہیں روکا ہے اور جن کا اس نے تمہیں حکم دیا ہے وَالرَّسُوْلَ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو جو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوامر و نواہی کے پیغامات لائے ہیں لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امیدوار ہو جاؤ۔

مسئلہ: لعل و عسیٰ اور ان جیسے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی خبر سے اُن کے اسماء کی عزت افزائی مطلوب ہے۔

نکتہ: جناب قاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سودی کاروبار کرنے والے کی تہدید میں سخت مبالغہ کیا گیا ہے کہ فلاح کی امید دلائی ہے ہر اس شخص کو جو ربا سے بچتا اور کنارہ کش رہتا ہے اس سے خود بخود واضح ہوتا ہے کہ ہر اس شخص کے لیے فلاح ممتنع ہے جو سودی کاروبار سے نہیں بچتا اور نہ اس سے کنارہ کش رہتا ہے۔ اس سے خود بخود واضح ہوتا ہے کہ یہ اس شخص کیلئے فلاح ممتنع ہے جو سودی کاروبار سے نہیں بچتا اور نہ اس سے کنارہ کش ہے۔ اگر دولتِ ایمان بھی پاس رکھتا ہو۔ اس کے بعد انہیں اس جہنم کا ڈر سنایا گیا ہے جو صرف کافروں کے لیے تیار کی گئی اس سے شدید ترین اور کونسی مصیبت ہو گی جو آگ کافروں کیلئے تیار کی گئی تھی وہ بدعمل اہل ایمان پر استعمال کی جائے۔ اور سخت سے سخت تغلیظ سنائی گئی ہے۔ ایسے بدعمل لوگوں کو جو سودی کاروبار کرتے ہیں۔

ربط: اس کے بعد اسے طاعۃ اللہ اور طاعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملایا گیا ہے تاکہ یقین ہو جائے کہ سود کھانے والے گناہوں میں ایسے منہمک ہیں کہ ان کے لیے طاعتِ الٰہی کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر مومنین کی امید طاعت اللہ تعالیٰ و طاعۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ مومن ہو کر ایسے گناہ میں مبتلا ہے تو اُسے یقین کر لینا چاہیے کہ اسے رحمتِ الٰہی ہرگز نصیب نہیں ہو گی۔ اس لیے کہ ایسے گناہ کے مبتلا ہونے والے کو رحمت سے محروم رکھا گیا ہے۔

اشتباہ: غور کیجیے کہ تغلیظ و تہدید کو ملا کر اشارہ کیا گیا ہے کہ سودی کاروبار کرنے والے سزا و عقاب میں کفار کے شریک کار ہیں۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور اس کی گواہی دینے والے اور سودی امور لکھنے والے اور اسے حلال سمجھنے والے پر۔

سود کسے کہتے ہیں: مال پر وہ زیادتی طلب کرنا جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ یہ دو قسم کا ہے۔

۱۔ اُدھار کے طور

۲۔ اصل مال سے زائد لینا۔

ادھار کے طور کو تو اہل جاہلیت کے ہاں رواج تھا اور اسے عام طور اپنے میں جاری رکھتے تھے۔ اس کی تفصیل ابھی گزر چکی ہے اور اصل مال سے زائد لینے کی صورت یہ ہے کہ جنس کے مقابلہ میں اسی جنس کو نقد اور زائد وصول کرلینا. مثلاً ایک من گندم کے عوض نقد اسی جنس کے دو من گندم وصول کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان ہر دونوں قسموں کی حرمت پر جمہور علماء نے اتفاق کیا ہے۔

نکتہ: سودی کاروبار بندے کو ذخیرہ اندوزی اور دُنیا سمیٹنے پر حریص بنا دیتا ہے اور اس سے ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ جس کا کوئی انتہا نہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کے لیے دو وادیاں سونے کی ہوں تو وہ تیسری وادی کی تلاش میں مارا مارا پھیرے گا۔ اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی پُر کرے گا۔

ف: حرص جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ اور نارِ جہنم سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

قناعت کن اے نفس بداندکے ۔۔۔ کہ سلطان و درویش بینی یکے

ترجمہ: اے نفس بد تھوڑے پر قناعت کر کہ تیری نظر میں سلطان اور درویش (فقیر) برابر ہو۔

دُنیا کے حصول اور اس کی کوشش اور اسے جمع کرنے کا حرص بہر حال مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا ہے ہاں دُنیا کو اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرنا اور اسے ترک کرنا اور قناعت بہر حال اچھا عمل ہے۔ اور اس کا اللہ تعالیٰ نے حکم بھی فرمایا ہے چنانچہ فرمایا[1] یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ۔

مسئلہ: جو شخص صرف ذخیرہ اندوزی کی نیت پر بلا ضرورت سود حاصل کرتا ہے اس کا اتنا گناہ ہے جیسے اس نے اپنی ماں کے ساتھ زنا کیا۔ (نعوذ باللہ)

حدیث شریف: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ سود کے ستر گناہ لکھے جائیں گے ان میں سب سے چھوٹا گناہ یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو کر اپنی ماں سے زنا کرے (تنبیہ الغافلین)۔

مسئلہ: اگر شرعی طریقہ سے کوئی طریقہ جواز کا ملے اور اس طریقہ سے سودی کاروبار کرے تو جائز ہے۔ لیکن تقویٰ فتویٰ پر غالب ہے۔ ہاں حیلہ شرعی بھی بوقت ضرورت جائز ہوتا ہے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ نے سود کو بے برکت بناتا ہے اور صدقات میں برکت بخشتا ہے۔

سوداور حیلہ شرعی[1] تاسنی خاں نے ذکر فرمایا ہے کہ کسی پر کسی کے دس درہم قرض ہے وہ چاہتا ہے کہ وہ اس سے تیرہ[12] درہم وصول کرے تو فقہاء نے اس کے لیے ایک طریقہ بتایا ہے وہ یہ کہ قرضدار اپنے قرضخواہ سے کوئی چیز دس درہم میں خرید لے اور اس کو قبضہ میں بھی لے لے پھر وہی شئے اپنے قرضخواہ کے ہاتھوں تیرہ[13] درہم میں سال کی مہلت دیکر بیچ ڈالے ۔ اس طریق سے حرام کے ارتکاب سے بچ جائے گا ۔ اسی طرح حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے منقول ہے ۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جب کوئی قرض لینے کا محتاج ہے لیکن جس سے قرضہ لیتا ہے وہ سود کے بغیر قرضہ نہیں دیتا ۔ اس کا گناہ سود لینے والے کو ہوگا نہ کہ دینے والے کو ۔

ف : اس لیے کہ اس غریب کو تو ضرورت ہے اس لیے وہ اپنی محتاجی کی وجہ سے معذور ہے ۔ یہ بھی اس وقت ہے جب سود لینے والا دولتمند ہو جیسے بیان ہوا ۔ لیکن نیک بخت ایسے معاملات سے دور رہتا ہے ۔

سود کے نقصانات سود مومن کے ایمان کو نقصان دیتا ہے اگرچہ بظاہر اس سے مال میں اضافہ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں مال میں خسارہ ہی خسارہ ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والے آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں کہ سود کھانے والے پر لعنت برستی رہتی ہے اور نیک لوگ اسے بددعا کرتے ہیں اور یہی وہ ایسی باتیں ہیں کہ جن کے سبب سے مال سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے نہ صرف اس کے مال سے بلکہ اس کی عزت وحرمت بھی گھٹ جاتی ہے اور لوگوں کی نظروں میں وہ گر جاتا ہے اور الٹا اس کی مذمت ہوتی رہتی ہے اور اس کا دل سخت سیاہ اور کھوٹا ہو جاتا ہے ۔ سود خوار کی کوئی خیرات قبول نہیں ہوتی بلکہ ہر نیکی یہاں تک کہ جہاد اور نماز جیسے اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں ۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے فرمایا بہشت میں فقراء اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے ۔

انتباہ : جب یہ دولت مند ہوگا جس نے دولت حلال مال سے حاصل کی ہوگی پھر اس کا کیا حال ہوگا جس نے دولت حرام مال سے دولت جمع کی ہو ۔

ف : ہر وہ بندہ جو فقر وفاقہ کے باوجود اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کے بندوں سے احسان و مروت کرتا ہے تو وہ کریم ایسے بندے کو دنیا میں کب بھوکا اور ضائع چھوڑے گا ۔ ہر روز اس کی عزت افزائی فرمائے گا ۔ اور دنیا والوں کی نظروں میں شان بلند اور نیک شہرت ہوگی اور لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت وعظمت گھر کر جائیں گی ۔ اگر اس کے برعکس معاملہ ہو تو اسے دنیا وآخرت میں دکھ اور تکلیف ہوگی اور برے اعمال سے مرتے وقت خاتمہ برباد ہوگا ۔ اور ایسا آدمی

---

[1] یہ حیلہ شرعی پڑھ کر اس کے بعد والی حدیث شریف ضرور پڑھیں ۱۲ ۔ اویسی غفرلہ ۔

کفار کی طرح ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)

مسئلہ: سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ابوبکر وراق رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے بسا اوقات انسان کا موت کے وقت ایمان صحیح نہیں رہتا۔ بالخصوص ظالم کا ایمان موت کے وقت بہت جلد چھن جاتا ہے۔

سبق: اے مومنو اللہ سے ڈرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اموال لوٹ کر ان پر ناحق ظلم نہ کرو۔ اس لیے کہ یہ بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو برے خاتمہ سے بچائے۔

تفسیر عالمانہ

وَسَارِعُوْٓا۔ اور جلدی کرو اِلٰى مَغْفِرَةٍ مغفرت کی طرف مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ اپنے رب سے اور جنت کی طرف یعنی ایسے اعمال کی طرف عجلت کرو جو تمہیں مغفرت و جنت کے مستحق بنادیں۔ مثلاً اسلام و توبہ و اخلاص اور اداء الواجبات و ترک المنکرات عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وہ بہشت کہ جس کی چوڑائی ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ہیں۔ یہ جملہ جنت کی صفت ہے اور چوڑائی کا بیان مبالغہ کے طور سے اور یہ بطریق تمثیل کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ عرض طول سے ادنیٰ ہوتا ہے۔ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ متقین کے لیے تیار کی گئی ہے یہ جنت کی دوسری صفت ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہشت اب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے لیکن وہ اس عالم سے خارج ہے پہلے مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ اسے صیغۂ ماضی سے ذکر کیا گیا ہے دوسرے مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ جس شئے کا عرض یہی عالم ہے تو لازماً وہ اس عالم سے خارج ہو۔

حکایت: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ہرقل کا قاصد حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ ہمیں اس بہشت کی دعوت دیتے ہیں جس کا عرض چودہ طبق ہیں تو پھر جہنم کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ سبحانہ اللہ جب دن آتا ہے تو بتائیے رات کہاں چلی جاتی ہے۔

نکتہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ دور فلک سے عالم کے کنارے دن ہے تو دوسرے کنارے رات واقع ہے اسی طرح چودہ طبقات کی بلندی کے کنارے بہشت ہے تو نیچے کے کنارے جہنم ہے اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ وہ جو خرچ کرتے ہیں۔ انفاق سے ہر وہ چیزیں مراد ہیں جو خرچ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور یہ متقین کے لیے صفۃ مادحہ ہے وَالسَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ۔ سکھ راحت اور رنج یعنی غنا و فقر اور نرمی و سختی کی حالتوں بلکہ تمام حالات میں کیونکہ انسان خوشی اور رنج سے خالی نہیں رہ سکتا۔ یعنی ہر حال میں جتنا اللہ تعالیٰ قدرت فرمائے۔ قلیل یا کثیر خرچ کرنے سے خالی نہ رہیں وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ۔ بمعنی حبس الغیظ اغضب سے قلب کی حرارت کا بھڑک اٹھنا یعنی غصے کو روکنے والے۔ باوجودیکہ اس کو جاری کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ لیکن اسے جاری نہیں کرتے وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔

یسعلهٔ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے ۔ المحسنین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی بزرگیاں عام ہیں ۔ اور اُن کے فضائل مکمل ہو چکے ہیں اور المحسنین کی لام جنس کی ہے اس میں مذکور لوگ بھی داخل ہو گئے ۔ اگر لام عہد کا ہو تو اس سے صرف یہی لوگ مُراد ہوں گے جو مذکور ہوئے ۔

خلاصۃ التفسیر: کسی پر احسان کرنا دو قسم ہوتا ہے ۔

۱ ۔ کسی کو نفع پہنچانا ۔

۲ ۔ کسی سے ضرر دفع کرنا ۔

نفع پہنچانا آیت ۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ میں مراد ہے ۔ اس میں جُہلاء کو تعلیم دینے کا خرچ کرنا بھی داخل ہے کہ کوئی شخص جہلا کے پڑھانے اور انہیں ہدایت دینے میں مصروف ہو تو وہ بھی خرچ کرنے والوں میں ہے ۔ اس طرح جو اپنے اموال خیرات و عبادات کے اسباب میں خرچ کرتے ہیں ۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخی اللہ تعالیٰ اور بہشت اور لوگوں کے قریب ہے اور دوزخ سے بعید اور بخیل اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے دور جہنم کے قریب ہے ۔ کسی سے ضرر دفع کرنا دو قسم ہے ۔

۱ ۔ دنیا میں وہ یہ کہ کسی کو برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے ۔ کظم الغیظ کا یہی مطلب ہے ۔

۲ ۔ آخرت میں کسی سے نقصان دفع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے اپنے حقوق و مطالبات آخرت میں معاف کر دینا یہی مراد ہے والعافین عن الناس سے ۔

حدیث شریف نمبر (۲): حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کسی سے غصہ پی جائے حالانکہ اسے غصہ اتارنے کی قدرت حاصل تھی تو اللہ تعالیٰ اس کا قلب امن و امان سے پر کر دے گا ۔

حدیث شریف نمبر (۳): معافی دینے والے لوگ میری اُمت میں بہت تھوڑے ہیں مگر جسے اللہ تعالیٰ توفیق بخشے ۔ البتہ پہلی اُمتوں میں بہت لوگ ایسے گزرے ہیں ۔

ف: آیت میں احسان کے جمیع اقسام کا بیان کر دیا گیا ہے ۔ لیکن چونکہ یہ تمام احسان الی الغیر کے مفہوم میں مشترک ہیں اس لیے تمام کا ثواب یکجا ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا واللہ یحب المحسنین اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے سے محبت کرنے سے بہت بڑا اجر و ثواب یا مرتبہ مراد ہے ۔

نکتہ: احسان کی وجہ سے احسان کرنا تو بدلہ ہوا ۔ اسی طرح برائی کا بدلہ برائی کرنا بھی بدلہ ہے البتہ برائی کرنے والے پر احسان کرنا جود و کرم ہے نیز احسان کرنے والے سے بُرائی کرنا بھی بدبختی و کم بختی ہے ۔

حکایت: ایک خادم حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر تھا اور آپ اپنے مہمانوں کی مہمانی میں مصروف تھے ۔ اور مہمانوں کیلئے دستر خوان کریمانہ بچھا ہوا تھا ۔ خادم سے ایک پیالہ ہاتھ سے گرا پیالہ کے اندر جو شے تھی وہ حضرت

حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کپڑوں پر گری۔ تو اُس نے پڑھا۔ الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ میں نے معاف کیا تو اُس نے کہا واللہ یحب المحسنین آپ نے فرمایا تجھے میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد کیا۔ اور تیرے ساتھ فلاں لونڈی کا نکاح بھی کر دیا۔ اور جو تمہاری ضروریات ہوں گے وہ بھی میرے ذمہ رہیں گیں۔ حضرت فاضل عارف جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا ؎

جوانمرد را جوانمری بیاموز — زمردان جہاں مردی بیاموز
دروں از کین کین جویاں نگہدار — زباں از طعن بدگویاں نگہدار
نکوئی کن باآن کو باتو بد کرد — کزاں بدرخنہ در اقبال خود کرد
چوں آئین نکو کاری کنی ساز — نگردد جز بتو آں نکوئی باز

ترجمہ: (۱) جوانمردی جوانمرد سے سیکھ۔ مردان خدا سے مروت سیکھ۔
(۲) دل کو کینہ رکھنے والوں کے کینہ سے دور رکھ زبان کو زبان دراز لوگوں سے نگاہ رکھ۔
(۳) اس سے بھلائی کر جو تیری برائی کرتا ہے اس لیے کہ اپنے اقبال میں خود رخنہ ڈال رہا ہے۔
(۴) جب تو نیکو کاری کا کام کرے گا تو وہی نیکی سوائے تیرے اور کہیں نہیں جائے گی۔

سبق: دانا پر لازم ہے نیکیوں کی عادت ڈالے۔ خصوصاً کسی سے احسان کرنا دیگر اچھے اچھے کام۔ لیکن بہت جلدی موت سے پہلے یہ کام کرے اس لیے کہ تاخیر میں بہت آفات ہیں ؎

کنوں وقت تخم است اگر پروری — گر امیدواری کہ خرمن بری

ترجمہ: ابھی وقت بیج کا وقت ہے اگر تو خرمن اٹھانے کی امید رکھتا ہے۔

یعنی اگر تم بہشت کے امیدوار ہو تو تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں زندگی بسر کرو۔ اس لیے کہ آج اللہ تعالیٰ نے فرصت بخشی ہے۔ اس لیے کہ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا۔ سیر الی اللہ سے تاخیر کرنا خسارہ ہی خسارہ ہے کسی نے کہا۔ (بیا ساقی کہ فی التاخیر آفات) جو اپنی زندگی ہوا و ہوس میں ضائع کر رہا ہے وہ کل قیامت میں حسرت و ندامت سے آنسو بہائے گا ؎

بمایہ تواں اے پسر سود کرد — چہ سود آید آنرا کہ سرمایہ خورد

ترجمہ: سرمایہ سے ہی نفع کمایا جا سکتا ہے اسے کیا حاصل ہوگا جس نے اصل سرمایہ بھی کھالیا۔

مولوی غلام رسول کوٹلہ عالم پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

جے تدھر قدم غلام رسولا انک ریا ادھولے
ضائع گئی گیا ندھ ہتھیں سرمایہ وچہ گھاٹے

؎ اے ساقی کہ دیر میں آفات ہیں۔ — اویسی غفرلہ

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو یا بہشت اور اس کے درجات کے لیے یا پھر دوزخ اور اس کے درکات کے لیے پیدا فرمایا ہے ۔ اس کے بعد پیغمبرانِ عظام علی نبینا وعلیہم السلام کو بہشت کی خوشخبری یا دوزخ سے ڈرانے کے لیے بھیجا۔ بلکہ دوزخ سے بچنے کے لیے خوب اور بار بار سمجھایا ۔ چنانچہ فرمایا وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ اور بہشت میں پہنچنے کے لیے بہت جلدی سے جانے کی ترغیب دلائی چنانچہ فرمایا۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ۔ یعنی تقویٰ سے قربِ ربانی کے مقامات تک پہنچنے میں جلدی کرو۔ جَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ یعنی جس بہشت کی چوڑائی چودہ طبق ہیں اس کا طول نا معلوم کہاں تک ہوگا اس میں اشارہ ہے کہ بہشت کا داخلہ تب نصیب ہو سکتا ہے جب چودہ طبقات کے ملک طے کر لیے جائیں اور یہ چونکہ محسوسات سے متعلق ہیں اور انہیں حواس خمسہ سے تعلق ہے اور ان کو نہ تقویٰ کے قدم سے عبور کیا جا سکتا ہے اور تقویٰ تزکیۂ نفس کو کہتے ہیں یعنی نفس کو اخلاقِ مذمومہ سے پاک کیا جائے ۔ چنانچہ فرمایا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ اس لیے کہ قدم تقویٰ کی وجہ سے ملکوت السمٰوات سے پہنچا جا سکتا ہے ۔ اسی لیے حضرت عیسٰی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ملکوت السموات میں دو ولادتوں کے بعد داخلہ ملتا ہے ۔ ولادتِ ثانیہ یہی ہے کہ انسان تزکیہ سے صفاتِ حیوانیہ سے خارج ہو جائے اور ملکوت کے داخلہ کا یہی مطلب ہے کہ انسان صفاتِ روحانیہ سے آراستہ ہو جائے ۔ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ یہاں پر متقین سے وہی لوگ مراد ہیں جو بہشت کے لیے مخصوص ہو چکے ہیں اور ان کے لیے بلند درجات کے مراتب متعین ہو چکے اور وہ مراتب تقویٰ و تزکیۂ نفس کی مقدار کے مطابق نصیب ہوں گے (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفس کے شر اور گناہوں سے بچا کر مقاماتِ ابرار و اخیار نصیب فرمائے ۔ (آمین) ۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً (اور وہ لوگ جنہوں نے برا عمل کیا) فاحشہ ہر وہ فعل جو قبیح کے انتہائی درجہ کو پہنچ جائے جیسے زنا اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ (یا انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا) یعنی ایسے گناہوں کے مرتکب ہوئے جن کا انسان سے مواخذہ ہو گا یا الفاحشہ سے کبیرہ اور ظلم نفس سے صغیرہ گناہ مراد ہے یا الفاحشہ وہ گناہ جس میں تعدی ہو اور ظلم النفس جس میں تعدی نہ ہو۔ ذَکَرُوا اللّٰہَ (اور اللہ تعالیٰ کو یاد کیا) یعنی اس کے بہت بڑے حقوق کو یاد کیا یا اس کے جلال و خشیت و حیاء (جو اس کی وعید کا موجب ہیں) کو مدِ نظر رکھے ۔ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ ۔ تو انہوں نے اپنے گناہوں کی معافی مانگی ۔ یعنی جو غلطی ہو گئی اس پر نادم ہو کر آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے پر پختہ ارادہ کیا ۔

مسئلہ : صرف زبانی استغفار سے دل پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ہی اس سے گناہ زائل ہوتے ہیں ۔ وہ تو صرف زبان کی لذت کے لیے ہوتا ہے اور اسے کذابوں کی توبہ کہا جاتا ہے ۔ یعنی جھوٹی توبہ وَمَنْ یہ استفہام انکاری ہے بمعنے نفی کے یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ (کوئی گناہ نہیں بخشتا) یہاں پر ذنوب سے ہر قسم کا گناہ مراد ہے اِلَّا اللّٰہُ ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ۔

یہ یَغفِرُ کی ضمیر مستتر سے بدل ہے یہ معطوف و معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ اور اس میں توبہ کرنیوالے کو صحیح راہ بتلانا اور ان کے قلوب کو بشارت دینا مطلوب ہے کہ جس ذات سے مغفرت طلب کی جارہی ہے اس کی رحمت بے پایاں اور اس کی مغفرت بے حساب ہے اور ان کے دلوں میں اس کی بزرگی بٹھلانا مقصود ہے اور بتلانا ہے کہ وہ ذات بلند قدر ہے تاکہ انہیں معلوم ہوجائے کہ گنہگاروں کی جائے پناہ صرف اسی کا فضل و کرم ہے۔ منجملہ اس کے فضل وکرم کے یہ ہے کہ توبہ کرنیوالا گناہوں سے ایساپاک اور صاف ہوجاتا ہے کہ گویا اس کے کوئی گناہ تھے ہی نہیں۔ بندہ جب اپنی حسبِ مقدور اس سے اپنے گناہوں کا عذر پیش کرتا اور نہایت ہی خشوع وخضوع سے نادم ہوتا ہے تو وہ کریم اسے معاف کر کے اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ اگرچہ بندہ کے کتنے ہی بہت بڑے گناہ کیوں نہ ہوں۔ اس لیے کہ اس کا عفو بہت بڑا اس کا کرم بہت وسیع ہے۔

مسئلہ: اس میں بندے کو توبہ کی ترغیب اور رحم وفضل پر امید کی تحریص اور یاس وناامیدی سے دور رکھنے کا سبق دیا گیا ہے۔ وَلَمْ یُصِرُّوْا اور اس کا عطف فاستغفروا پر ہے یعنی اپنے گناہوں پر مداومت نہیں رکھتے عَلٰی مَا فَعَلُوْا۔ اوپر اس کے کہ جو انہوں نے کیا گناہوں میں سے وہ کبیرہ ہیں یا صغیرہ۔ یعنی وہ لوگ گناہ کر کے پھر توبہ استغفار نہیں کرتے۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جس نے گناہوں سے استغفار کی اس نے گویا گناہ ہی نہیں کیا اگرچہ اس سے دن میں ستر بار بھی غلطی ہوئی ہو (خطاءً نہ عمداً)۔

مسئلہ: توبہ استغفار سے گناہ کبیرہ معاف ہوجاتا ہے۔

مسئلہ: صغیرہ گناہ بار بار کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (اور وہ جانتے ہیں) یہ لَمْ یُصِرُّوْا کے ضمیر سے حال ہے یعنی اپنے کئے ہوئے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل قبیح ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور اس کے ارتکاب پر وعید شدید ہے۔

نکتہ: وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ سے اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ کبھی اسے معذور سمجھا جاتا ہے جو لاعلمی سے ایسی کوتاہی کرے لیکن تحصیل علم کی کوتاہی غیر مقبول ہے اُولٰٓئِكَ وہ لوگ جو ان صفات سے موصوف ہیں۔ جَزَآؤُهُمْ ان کا ثواب مَّغْفِرَةٌ مغفرت ہے جو عطا ہونے والی ہے۔ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ان کے رب سے اور باغات کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یعنی انہیں وہ ذخیرہ نصیب ہوگا کہ اس میں کبھی کمی نہیں ہوگی۔ اور ایسا اجر ملے گا کہ اس میں نقص نہیں ہوگا۔ اور ایسے باغات حاصل ہوں گے جن کی کوئی انتہا نہ ہوگی اور ایسی لذات پائیں گے جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ایسے نیک عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا اجر ہے اس کا مخصوص بالمدح محذوف ہے اور نعم اجر العاملین ذٰلک اور وہ وہی جو مذکور ہوا یعنی مغفرت وجنّات۔

نکتہ: اسے اجر سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ مغفرت وجنات کے عمل صالح کی وجہ سے مستحق ہیں (اگرچہ وہ بھی اس کا محض فضل وکرم ہوگا) تاکہ لوگوں کو طاعات پر ترغیب ہو اور گناہوں سے زجر و توبیخ۔

حدیث قدسی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابن آدم جب تو مجھ سے امید کرکے مغفرت طلب کرتا ہے تو میں تیرے تمام گناہ بخش دیتا ہوں اے ابن آدم اگرچہ تو روئے زمین کی مقدار گناہ لائے گا تو میں تجھے اس کی مقدار مغفرت فرماؤں گا۔ بشرطیکہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ اے ابن آدم اگرچہ تو اتنا گناہ کرے کہ وہ آسمان تک پہنچ جائیں۔ تو مجھ سے گناہ کی معافی طلب کرے گا تو بھی میں تجھے بخش دوں گا۔

حکایت: حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب آیت وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً (الآیۃ) نازل ہوئی تو شیطان ابلیس بہت رویا۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی کہ وہ بندہ بڑا بے حیا ہے کہ ادھر تو مجھ سے بہشت کی امید رکھتا ہے لیکن پھر گناہ میں بھی مصروف ہے اور فرمایا کہ میں بہت بڑا کریم ہوں کہ باوجود یہ کہ بندہ میری نافرمانی کرتا ہے لیکن میں اسے اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھتا۔

مسئلہ: حضرت شہر بن حوشب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی منجملہ گناہوں کے ایک گناہ ہے کہ عمل کے بغیر بہشت کی طلب کی جائے اور سبب کے بغیر شفاعت کی امید رکھی جائے اور یہ بھی ایک دھوکہ ہے اور اطاعت کے بغیر رحمت کی امید رکھنا حماقت (جہالت ہے) حضرت رابعہ بصریہ ہمیشہ پڑھا کرتی تھیں ؎

ترجوا النجاۃ ولم تسلک مسالکہا ۔۔۔ ان السفینۃ لا تجری علی الیبس

ترجمہ: اے انسان نجات کے راستہ پر تو نہیں چلتے ہو لیکن نجات کے طالب ہو۔ کیا کبھی کشتی بھی خشکی پر چلتی ہے۔

ف: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظالموں سے فرما دو کہ خبردار مجھے یاد مت کرنا ورنہ میں اس کا ذکر کرتا ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے۔ لیکن ظالموں کا ذکر لعنت سے کرتا ہوں۔

ف: یاد رکھو کہ اعمال سے مراد عمل ایمان ہے اور ایمان اُس توحید کا نام ہے جو شرک سے خالی ہو۔ یہی توحید توبہ استغفار کی توفیق بخشتی ہے۔ متقی مومن کا بہترین سرمایہ توبہ استغفار ہے اور یہی بہشت کے داخلہ کا سبب ہے بندے کو چاہیئے کہ وہ اپنے خیالات فرمانبرداری کی طرف پھیرے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے۔ وہی اس کا خالق ہے۔ اگرچہ عمل کی توفیق بھی اسی سے ہے اور اس کی عنایت شامل ہو تو ے

نخست او ارادت بدل در نہاد پس ایں بندہ بر آستاں سر نہاد

ترجمہ: پہلے اس نے اپنا ارادہ دل میں ڈالا تو پھر بندے کو آستاں پر سر رکھنے کا موقعہ بخشتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُن اعمال کی توفیق بخشے جنہیں وہ پسند کرتا ہے اور جن سے وہ راضی ہو اور بیمار قلوب کا علاج اپنے لطف وکرم سے فرمائے۔ اس لیے کہ اصلاح اور مقصد کی ظفر و فلاح کی چابیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

حکایت: شنید ستم کہ ابراہیم بن ادہم شبے برتخت دولت خفت خرم زسقف خود شنید آواز پائے۔ زجا برجست چوں آشفتہ رائے بہ تندی گفت اوکین کیست بربام کہ دار دبر سپہر ما کام۔ جواب آمد کہ اے شاہ جہانگیر۔ شتر گم کردہ مرد مفلسم پیر زخندہ گشت شہ برجائے خود است کہ بربام آدمی ہرگز شتر جست وگر بار پاسخ آمد کامے جواں بخت۔ خدا جوئے کسی کر دست برتخت خداجوئی و خورد دخواب و آرام۔ شتر جوئی بود برگوشہ بام۔ چو بشنید ایں پیام از ہاتف غیب۔ فراغت کرد از دنیا بلا ریب رسید از راہ تجریدی از منزل۔ پس از ادبار شد مقبول و مقبل۔

خلاصہ حکایت: حضرت ابراہیم اپنے محل سرا میں آرام فرماتے تھے کہ چھت پر کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی پوچھا کون ہے۔ آواز آئی اُونٹ گم ہوگیا ہے۔ اُسے تلاش کر رہا ہوں۔ ابراہیم نے فرمایا کہ شاہی محل میں بھی اونٹ تلاش کئے جاتے ہیں۔ جواب ملا کہ شاہی محلوں میں خدا بھی نہیں ملتا۔ اس وقت سے شاہی محل کو چھوڑ کر خدا جوئی میں لگ گئے اور چند روز کے بعد اللہ تعالیٰ کے ولی کامل بن گئے۔

سبق: طالب مولا کے لیے ضروری ہے کہ وہ ادب کو ملحوظ رکھے تاکہ بہت بڑے مراتب کو حاصل کرے۔ دیکھیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے بڑے مراتب کے باوجود روزانہ اللہ تعالیٰ سے ستر بار استغفار فرماتے حالانکہ آپ ہر طرح سے معصوم تھے۔ اس کمال ادب سے آپ کو وہ شان ملی کہ نہ کسی کے وہم میں ہے نہ گمان میں۔ یہاں تک کہ آپ کی تابعداری سے بندوں کو محبوبی شان نصیب ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اس کے باوجود آپ کی خوف و خشیت انتہا پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس طرح اس پر ادب ضروری ہے جو اُن کی اقتدا و اتباع میں رہنا چاہتا ہے۔ اگرچہ نیکی پر بہت بڑا انعام کا وعدہ ہے لیکن گناہوں کے اصرار سے بچنا ہے مبارک باد ہو اس انسان کو جو ہر وقت اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرتا رہتا ہے۔ اس سے مرتبۂ احسان کو پہنچے گا۔ اور ایسے ہی اعمال سے رب رحمٰن کے ہاں محبوبی شان حاصل کرے گا۔

تفسیر عالمانہ

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ (بیشک گزرے تمہارے سے پہلے طریقے)

---

[1] فرمایئے اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو تمہیں اللہ محبوب بنائے گا۔

حل لغات : خلَتْ خلو سے ہے بمعنے الانفراد) مکان خالی بھی ہر اس مکان کو کہتے ہیں کہ وہ منفرد ہے اس سے کہ اس میں کوئی سکونت پذیر ہو۔ خالی کا لفظ زمانۂ ماضی پر بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جو زمانہ گزر گیا ہے تو وہ گویا وجود سے منفرد اور خالی ہو گیا۔ اسی طرح گزری ہوئی قوموں کو "الامم الخالیۃ" کہا جاتا ہے اور السنن بمعنے الوقائع یعنی گزشتہ لوگوں کے حالات یعنی تمہارے زمانہ سے پہلے بہت سے واقعات گزرے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں میں طریقے مقرر فرمائے۔ یعنی ان میں ایسا طریقہ وضع فرمایا جو ان کے مطابق تھا یعنی حکمت سے اپنا حکم نافذ فرمایا۔ سُنَنُ اللّٰہ سے۔ جھٹلانے والی قوموں سے تباہی و بربادی کے معاملات مراد ہیں۔ چنانچہ آیت فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ دلالت کرتی ہے۔ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ پس تم زمین کی سیر کرو۔ یعنی اگر تمہیں اس میں شک ہے تو تم زمین کی سیر کر کے خود ملاحظہ کر لو۔ اگر وہ مقصد زمین پر چلنے کے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو پھر وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔

نکتہ : سیر فی الارض ۔۔۔ اس لیے بیان کیا گیا کہ دیکھی اور سُنی ہوئی بات میں بہت بڑا فرق ہے۔ جیسے عربی کا ایک مقولہ مشہور ہے[1] اَلْخَبَرُ لَيْسَ كَالْمُعَايَنَةِ اس معنے کے مطابق کسی شاعر نے کہا ہے ؎ ان آثارنا تدل علینا۔ فَانْظُرُوْا بعدنا الی الآثار ہمارے نشانات ہی ہمارے وجود پر دلالت کریں گے۔ ہمارے بعد تو پھر صرف ہمارے نشانات ہی دیکھتے رہو گے۔

فَانْظُرُوْا۔ پس اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو کیفَ یہ کان کی خبر مقدم ہے اُنظروا کے متعلق ہے نزع الخافض کے طور جملہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ اس کا استعمال حرفِ جر سے ہوتا ہے كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ٥ کیسے انجام ہوا ان لوگوں کا جو میرے پیغمبرانِ عظام (علی نبینا وعلیہم السلام والصلوٰۃ) اور اولیاء کرام کو جھٹلاتے رہے ہیں هٰذَا یہ اشارہ اس طرف ہے جو مضمون پہلے گزرا ہے یعنی قد خلت الخ بَيَانٌ لِّلنَّاسِ۔ لوگوں کے لیے بیان ہے یہاں پر الناس سے تکذیب کرنے والے مراد ہیں یعنی اُن کے بد انجام کو واضح بیان اس لیے کیا گیا ہے تاکہ اُن کی تکذیب کا حال سب کو معلوم ہو۔ اگرچہ نظر کرنے اور سیر کا حکم صرف مومنوں کو ہے۔ لیکن اس کا موجب پر عمل کرنا کسی مخصوص جماعت سے خاص نہیں۔

مسئلہ : اس میں خود مکذبین کو بھی عبرت کی دعوت ہے کہ اُن سے پہلے لوگوں کا بد انجام ہوا تو ان کا بھی ایسے ہی ہو گا تاکہ اُن کی تباہی و بربادی کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ اگرچہ یہ کلام اُن کے لیے بیان نہیں کیا گیا۔

ف : بیان دلالت علی الحق کو کہتے ہیں۔ وہ جس معنے میں بھی ہو تاکہ کلام میں جتنا شبہات ہوں وہ اس سے مٹ جائیں۔ وَهُدًى اور ہدایت ہے یعنی بصیرت کی زیادتی اور یہ مخصوص ہے اس دلالت وارشاد سے جو دینِ قویم اور طراطِ مستقیم

---

[1] بمعنے شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ یعنی سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی جیسی کیسے ہو سکتی ہے۔

کی طرف رہبری کرے تاکہ سالک صرف اس راہ پہ گامزن ہو اور اس پر اپنی سیرت کو ڈھالے وَمَوْعِظَةً (اور نصیحت ہے) موعظہ ہر اس کام کو کہا جاتا ہے جس میں دین کے خلاف عمل سے زجر و توبیخ مطلوب ہو۔ لِلْمُتَّقِيْنَ (متقوں کے لیے) اس میں حکم کی علت کا اظہار بھی ہے اور حکم بھی۔ اس لیے کہ ان کی ہدایت و موعظہ کا دارو مدار ان کے تقوی پر ہے۔

خلاصہ تفسیر سابقہ اُمتیں اپنے انبیاء علیہم السلام سے دنیوی حرص کی وجہ سے مخالفت کرتی رہیں اور جب وہ دُنیا سے مٹ گئے تو ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ البتہ لعنت کا طوق ان کے گلے کا ہار بنا اور آخرت کا سخت عذاب ہوا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو ترغیب دلائی کہ گزشتہ اُمتوں کے حالات دیکھیں تاکہ ان کے احوال سے انہیں رجوع الی اللہ کی دولت نصیب ہو۔ اور حظوظ نفسانیہ اور لذات دُنیا فانیہ سے روگردانی کا موقع میسر ہو اس لیے کہ دنیا آنی جانی ہے نہ اس نے مؤمن سے وفا کرنا ہے اور نہ ہی کافر سے مرنے کے بعد دُنیا میں مومن کی ہمیشہ تعریف ہوتی رہتی ہے اور آخرت میں ثواب کی دولت علاوہ اور کافر کو دنیا میں ملامت اور آخرت میں عذاب نصیب ہو گا۔

سبق: اس سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ہم ایسے امور کے لیے جدوجہد کریں جو نفع بخش اور ہمیشہ رہنے والے ہوں ہمیں دنیا کی رنگینیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہیے۔

ربط المضمون اس میں مؤمنوں کو تسلی دی گئی ہے کہ اگرچہ انہیں غزوہ اُحد میں شکست ہوئی اور کفار کو فتح و نصرت ملی تو اس میں بھی حکمت ایزدی تھی جس کا نتیجہ یہی نکلا کہ نیک انجام اہل ایمان کو ہی نصیب ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ[1] وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ۔
اور فرمایا[2] وَاَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔

نکتہ: اگر ہر بار اہل ایمان کو ہی غلبہ ہوتا ہے تو پھر ایمان تو بدیہیات سے ہو جائے گا۔ اور یہ حکمت الٰہی کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اس طرح سے بندوں کی آزمائش نہیں ہو سکے گی۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دے اور بصیرت کی آنکھ سے ہی مخفی امور سے عبرت حاصل کرے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِى الْاَبْصَارِ سے اے عقل والو عبرت حاصل کرو۔

---

[1] بیشک ہمارا کلمہ سبقت کر گیا ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے بیشک وہی منصور ہیں اور بیشک لشکر ہی غالب ہے۔ ۱۲۔

[2] اور بیشک زمین کے وارث میرے نیک بندے ہیں ۱۲۔

نرود مرغ سُوئے دانہ فراز — چوں دیگر مرغان بیند اندر بند
پند گیراز مصائب دگراں — تا نگیرند دیگراں از تو پند

ترجمہ: (۱) وہ پرندہ دانہ کی طرف نہیں جاتا جب دیکھتا ہے کہ دوسرے زیر قید ہیں۔
۲۔ دوسروں کی مصیبتوں سے نصیحت لے ایسا نہ ہو کہ دوسرے تجھ سے نصیحت لیں۔

مسئلہ: خاتمہ کے خطرات سے ڈرتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا طریقہ ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ کسی ایک بندے کو ہزار سال تک جہنم کے عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا۔ اس کے بعد اُسے بہشت میں بھیجا جائے گا۔

ف: اس حدیث کو پڑھ سُن کر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے خدا کرے وہی میں ہوں یہ بھی محض خاتمہ کے خطرات سے اظہار خوف ہے اور تقریباً تمام نیک بخت لوگوں کا یہی طریقہ رہا کہ وہ اپنے خاتمہ کے خطرات سے ڈرتے رہتے۔ حضور علیہ السلام ہمیشہ یہ دُعا پڑھا کرتے۔ یا مقلب القلوب ثبت علی قلبی علیٰ طاعتک[۱] بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی حضور! یہ دُعا اکثر طور آپ کیوں پڑھتے ہیں۔ کیا آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ میں کس طرح بے خوف رہوں جب کہ بندوں کے دِل رب رحمان کی دو انگلیوں میں ہیں، پھر وہ انہیں جس طرح پھیرنا چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

حکایت: حضرت سُدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کہ میں اپنا چہرہ ہر روز کئی بار دیکھتا ہوں۔ صرف اس خطرہ پر کہ کہیں میرا منہ سیاہ نہ ہو گیا ہو۔

تفسیر صوفیانہ ان ہر دو آیتوں میں اس طرف اشارہ ہے کہ دُنیا کے وطن کو ترک کر کے اور دوستوں اور محبوں سے جُدا ہو کر اور بھائیوں عزیزوں اور اقارب سے مفارقت اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے والوں کو اس امر پر خصوصیت بخشی ہے کہ اسلاف کے حالات کو پڑھ اور سن کر عبرت پکڑیں۔ چنانچہ فرمایا قد خلت سنن من قبلکم یعنی ان قوموں کے کردار تھے۔ تم صرف اُن کے طریقوں کو اپناؤ۔ جو اہل سنن تھے۔ اپنے نفوس حیوانیہ کی زمین پر چل کر ان کے بُرے اخلاق سے ہٹ کر رہو۔ اور جو اُن کے گندے اخلاق تھے اُن سے یک لخت بیزار ہو جاؤ۔ تاکہ تم اپنے قلوب کے رُوحانی آسمان تک پہنچ سکو۔ اور تمہیں وہ اخلاق نصیب ہوں جو ربانی اخلاق کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد غور کرو کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ان امور روحانیہ اور نفوس قدسیہ کے مقامات کی تکذیب کرتے تھے جس طرح وہ مکاشفات ربانیہ کے بھی منکر تھے۔ یہ تمہیں اس وقت معلوم ہو گا

---

[۱] اے قلوب کے بدلنے والے میرے دل کو اپنی طاعت میں ثابت رکھ ۱۲۔

جب خود تم ان مقامات پر پہنچ جاؤ گے۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ یہ اُن اہل غفلت و غیبت اور ان لوگوں کے لیے بیان ہے جنہوں نے عہد میثاق کو فراموش کر دیا۔ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی جس طرح یہ متقین کے لیے ہدایت و موعظت ہے۔ اسی طرح اہل ہدایت و شہود اور اُن لوگوں کو معائنہ کراتی ہے جو ان وعدوں کو یاد رکھتے ہیں اور انہیں اس قسم کے بہت سے تجربے ہوئے اور ما سوی اللہ سے بچ کر پورے طور نصیحت پذیر ہوئے۔

سبق اے سالک برائیوں سے رُک جا اور غور کر کہ تو نے کل کیا کیا اور آج کیا کر رہا ہے اور اُن لوگوں سے نصیحت حاصل کر جو اس دار فانی کو چھوڑ گئے۔ ایک دن تو بھی اُن کی طرح قبر میں جا کر سوئے گا۔ اے غافل دارِ فانی کو چھوڑ کر جانے والوں کے لٹنے جھگڑنے اور اُن کے رہنے سہنے کے مقامات کو غور سے دیکھ اب وہ کہاں ہیں۔ جنہوں نے اپنے نفس کی غلط خواہشات کو پورا کر کے اپنے آقا و مولیٰ کو ناراض کیا۔ کہاں ہیں جنہوں نے اپنے نفس کی ان خطاکاریوں میں اپنی قیمتی عمر ضائع کی۔ اب بتائیے اُن جانے والوں کو کسی دوست نے فائدہ پہنچایا یا کسی نے اُن کا دُکھ دور کیا۔ انہوں نے عمل کسی کے مطابق کیا ہوگا۔ یا وہ اپنے طور گزار گئے ہوں گے۔ اگر ان کے کردار غلط تھے اور تم نے اُن کے مطابق عمل کئے تو تم بھی اُن کی طرح نقصان اٹھاؤ گے۔ کچھ تو سوچئے تم بھی پھر ان جانے والوں کے ساتھ جا کر گزارو گے۔ اپنی قبر کو نیک اعمال سے سنوارو۔ پھر ہمیشہ ہمیشہ مسرور و مفروح ہو کر گزارو گے۔ قبر میں جانے والو عنقریب تمہاری قبر کی ملاقات ہوگی۔ اپنے اعمال کا ابھی سے محاسبہ کر لو۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد تم نے قبر میں جانا ہوگا۔ اسی لیے تمہیں چاہیے کہ آج ہی تزکیہ نفس کر لو۔ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنا سیکھو۔ پھر تمہیں اعمال صالحہ کا اجر بہشت میں وہی ملے گا جو تم چاہو گے۔ وہاں بہترین باغات ہیں اور بہتر سے بہتر نہریں ہیں۔ وہ تمہیں نیک اعمال کی بدولت نصیب ہو سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اعلیٰ مراتب اور سب سے بڑی دولت دیدار رب کریم نصیب ہوگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَمَنْ كَانَ يرجوا لقاء ربه فليعمل عَمَلًا صَالِحًا[1] تمہیں بہشت میں صالحین کی رفاقت انہی اعمال کی وجہ سے نصیب ہوگی۔ اے برادر بھلا بتائیے کیا تم کو ان جہال کی سنگت چاہیے جو حد سے تجاوز کرتے ہیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ جیسے کرو گے ویسے بھرو گے (اللہ تعالیٰ ہم سب کے احوال اچھے بنائے اور ہمارے اقوال و افعال صحیح فرمائے اور ہمیں وہی کچھ عطا فرمائے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اور جب ہم دنیا سے کوچ کریں تو ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو۔ (آمین)۔

تفسیر عالمانہ

(وَلَا تَهِنُوْا)

حل لغات لا الوہن۔ بمعنے الضعف یعنی وہ زخم جو تمہیں غزوہ احد میں پہنچے ہیں۔ اُن کی وجہ سے جہاد میں کمزوری نہ کرو۔

---

[1] وہ جو دیدار الٰہی کی امید ہے اسے چاہیے نیک عمل کرے۔

کہ لَا تَحْزَنُوْا ۔ اور نہ ہی اُن پر غم کھاؤ جو تمہارے لوگ غزوۂ احد میں شہید ہوئے یہ دونوں صیغے نہی کے ہیں ۔
تسکین و تصبیر (صبر کی تلقین) کے لیے ہیں نہ یہ کہ انہیں حزن سے روکا گیا ہے وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۔ حالانکہ تم ہی
اعلیٰ اور غالب ہو نہ کہ تمہارے دشمن کافر ۔ اس لیے کہ اُن کا انجام بربادی و تباہی ہے ۔ جیسا کہ تم نے اُن کے اسلاف کے
حالات کو دیکھا اور سُن پایا ۔ کیونکہ آخرکار باطل مٹ کر رہتا ہے ۔

حل لغات: اعلون دراصل اعلیون تھا ۔ اہل صرف نے یاء و واؤ کے اجتماع کو مکروہ سمجھا ہے اسی لیے یاء کو حذف
کر دیا (جیسے فنِ صرف میں اس کی تفصیل ہے) اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ اس کا جواب محذوف ہے جس پر مذکور
دو جملے دلالت کرتے ہیں ۔ یعنی اگر تم مؤمن ہو تو کمزوری نہ کرو اور نہ ہی غم کھاؤ اس لیے کہ ایمان قلبی قوت میں اضافہ
اور اللہ تعالیٰ کے کاموں پر بھروسہ رکھنے کی اعانت کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ تمہارے اعداء تمہاری نظروں میں کچھ بھی نہیں
اور اس کا سابقہ نہی کے دونوں جملوں سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ جزاء شرط سے مقدم نہیں ہوا کرتی کیونکہ شرط و جزاء
ایک ہی کلمہ متصور ہوتے ہیں ۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ اگر تمہیں پہنچے قَرْحٌ ۔

حل لغات: بالفتح و بالضمہ بمعنے الجراحۃ (یعنی زخم) فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ تو تحقیق بدر کی جنگ میں کفار کو پہنچے
تھے قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۔ زخم اس جیسے ۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں غزوہ بدر میں مسلمانوں نے کفار کے ستر آدمیوں کو
قتل اور ستر کو قید کیا ۔ پھر اسی طرح غزوۂ احد میں کفار نے ستر مسلمانوں کو قتل کیا ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر تمہیں
اُحد کی جنگ میں کچھ تکلیف پہنچی ہے تو تم نے بھی تو غزوۂ بدر میں انہیں اسی قدر پہلے تکلیف پہنچائی تھی ۔ پھر تم ضعفِ قلبی کا
شکار کیوں ہو رہے ہو اور کیوں کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے گھبرائے ہوئے ہو ۔ بلکہ تم اولیٰ و اعلیٰ ہو ۔ فلہٰذا کمزوری
مت دکھاؤ اس لیے کہ تمہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر لاکھوں امیدیں ہیں اور وہ بیچارے نورِ رحمتِ ایزدی پر امید ہی
نہیں رکھتے ۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ (اور یہی وہ دن ہیں) یہ اُن ایام کی طرف اشارہ ہے جو اُمم سابقہ پر گزرے اور جو
آئندہ آئیں گے ۔ خاص ایام کی طرف اشارہ نہیں کہ اُن سے صرف غزوۂ بدر یا غزوہ احد کے ایام مراد لیے جائیں یا ایام
کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں ۔ ویسے اُن سے فتح و نصرت اور غلبۂ اسلام کے ایام مراد ہیں ۔ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۔
ہم انہیں لوگوں میں پھیرتے رہتے ہیں یعنی ہم اُن ایام کو پھیرتے ہیں کہ کبھی فتح و نصرت اور غلبہ کی تمہاری باری اور کبھی اُن کی
جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ۔

فَیَوْماً علینا و یوماً لنا وَیوماً نساء و یوماً نسر

ترجمہ: کبھی ہمیں دکھ پہنچتا ہے اور کبھی فتح و نصرت کیونکہ ایام رنج و راحت کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں ۔

حل لغات: المداولۃ بمعنے نقل الشئ من واحد الی واحد ، یعنی کسی شئے کو کبھی ادھر کبھی ادھر پھیرنا ۔ اہل عرب کہتے ہیں

تَدَاوَلَتْهُ الْاَیْدِیْ یعنی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ یعنی ایک ہاتھ سے نقل کر کے دوسرے ہاتھ کو دیا۔

(انتباہ):

اس سے یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ فتح و نصرت کبھی مؤمنوں کو عنایت فرماتا ہے اور کبھی کافروں کو۔ اس لیے کہ کفار کے لیے فتح و نصرتِ الٰہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ فتح و نصرت ایک عظیم منصب ہے وہ صرف اہل ایمان کو عطا فرماتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سخت دن کبھی مؤمنوں کے لیے بنا دیتا ہے اور کبھی کفار کے لیے اس لیے کہ اگر ایسے ہو کہ ہر وقت کفار پر سختی ہی سختی اور اہل ایمان کو غلبہ ہی غلبہ ہو تو پھر یہ امر بدیہی ہو جائے گا کہ اسلام حق ہے اور کفر باطل۔ ظاہری طور یونہی ہو تو اسلام کا مکلف بنانا اور سزا جزاء کا نظام معطل ہو کر رہ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اہل اسلام کو دکھ میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی اہل کفر کو تاکہ شبہات کا باب مفتوح رہے اور انسان ان شبہات کو دلائل سے سمجھے کہ اسلام حق ہے اور کفر باطل۔ اس اعتبار سے اُسے ثواب سے وافر حصہ نصیب ہو گا۔

مسئلہ: مؤمن جب گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اُسے دنیا میں مصائب و حوادثات کا شکار بنایا جاتا ہے اور کفار کے لیے تو حوادث و مصائب عذاب ہی عذاب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی یہی علامت ہے۔ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ عطف جملہ محذوفہ پر ہے اَیْ نُدَاوِلُهَا بَيْنَكُمْ لِيَكُوْنَ من المصالح كيت وكيت وليعلم الله الخ یعنی اس میں اشارہ ہوتا ہے کہ جو کچھ کیا گیا ہے اس کی کئی علتیں ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ مؤمن کو اس سے بے شمار فوائد نصیب ہوتے ہیں جن کا اسے علم تک نہیں۔

سوال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے قبل کوئی علم نہیں ہوتا (جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے)

جواب (۱): یہ بطور تمثیل کے ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ اس شخص جیسا معاملہ کرتا ہے جس کا ارادہ ہو کہ وہ معلوم کرے کہ تم میں مخلص اور ثابت علی الایمان کون ہے اور اس کے برعکس کون۔

جواب نمبر ۲: یہاں مجازاً علم بمعنے تمیز ہے بطریق اطلاق اسم السبب علی المسبب کے اب معنیٰ یہ ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے کہ تم میں مخلص اور ثابت علی الایمان کون ہے اور اس کے برعکس کون۔

جواب نمبر ۳: یہ اپنے حقیقی معنیٰ پر ہے لیکن اس حیثیت سے کہ جب وہ معلومات سے متعلق ہو بایں معنی کہ موجود بالفعل ہے کہ اس سے جزاء کا دارومدار ہے نہ اس حیثیت سے کہ وہ موجود بالقوہ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تاکہ اللہ تعالےٰ اہل ایمان کو جانے اس حیثیت سے کہ ان سے جزاء متعلق ہو۔ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ اور بنائے تم میں سے شُهَدَآءَ شہید کی جمع ہے یعنی تم میں سے بعض حضرات کو شہادت کی سعادت سے نوازے۔ اس سے اُحد کے شہداء مراد ہیں۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اور اللہ تعالےٰ ظالمین سے محبت نہیں کرتا۔ نفی المحبت سے اس کا غضب مراد ہے یعنی اللہ تعالےٰ کا ان پر غضب ہے جن کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ۔ ایسا اس سے کفار مراد ہیں یہ جملہ معترضہ ہے

مسئلہ: تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ درحقیقت کفار کی مدد نہیں کرتا۔ اگر کسی ذقت وہ غلبہ پا جاتے ہیں تو وہ اُن کے لیے استدراج اور اہلِ ایمان سے آزمائش کے طور ہوتا ہے وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا - اس کا عطف (وَيَتَّخِذَ) پر ہے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو گناہوں سے پاک و صاف کرے۔ اگر ان پر کفار کا غلبہ ہو جائے۔ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ. اور کفار کو مٹاتا ہے اور انہیں تباہ و برباد کرتا ہے جب وہ مغلوب ہو جائیں۔

حل لغات: المحق بمعنے نقص الشئ قليلا قليلاً۔ یعنی شئے کو تھوڑا تھوڑا کر کے گھٹانا۔ اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو غزوہ اُحد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ کے لیے آئے تھے اور پھر کفر پر اصرار کرتے رہے۔ چنانچہ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب کو مٹا دیا۔

ف: امام قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل ایمان کو آزمائش میں چند فوائد نصیب ہوتے ہیں مثلاً وہ کمالات جوان میں پوشیدہ ہیں وہ کھل کر آ جائیں۔ جیسے صبر و شجاعت و قوۃ الیقین۔ اور نفس کی کسی قسم کی پرواہ نہ کرنا۔ اور روحانیت کو نفسانیت پر غلبہ اور قضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت نجم الدین الکبریٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَهِنُوْا اے اللہ کی طرف سیر کرنے والو سستی نہ کرو وَلَا تَحْزَنُوْا اور نہ ہی دنیوی نعمتوں کے چھوٹ جانے اور اُخروی کرامات نہ ملنے پر غم کھاؤ۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اور تم اللہ تعالیٰ کے ہاں مراتب میں دنیا و آخرت میں سب سے اُونچے ہو اگر تم خبروں پر عمل کر کے سچے دل سے تصدیق کرو اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ اگر تمہیں اثنائے سیر الی اللہ میں مجاہدات یا بلاء ابتلاء وغیرہ کی تکلیف پہنچے تو صبر کرو۔ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ تمہارے سے پہلے حضرت انبیاء کرام و اولیاء (علی نبینا وعلیہم السلام) کو اسی طرح تکلیفیں اور مشقتیں پہنچیں۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ اور یہ محنتوں و مشقتوں اور بلاء ابتلاء کے ایسے ایام ہیں کہ نداولہا کہ ہم انہیں سائرین الی اللہ کے لیے ردو بدل کرتے رہتے ہیں کبھی دکھ اور تکلیف اور کبھی نعمت و راحت کبھی عطا کبھی بلاء و ابتلاء اور اللہ تعالیٰ امتحان لے کر اُن کی آزمائش کرتا اور ان میں مقام شہادت کی استعداد پیدا فرماتا ہے اور تمہیں بھی اے سائرین الی اللہ اثنائے سیر میں محنت و مشقت اور راحت و رحمت سے نواز کر اربابِ شہود و مشاہدہ سے بنائے گا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت نہیں کرتا جو اپنی استعداد کو طلب غیر حق اور رجوع الی الغیر میں صرف کرتے ہیں۔ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۔ یعنی ہر غم والم اور مصیبت جو ہم مومنین کو حق کے راستہ پر دیتے ہیں۔ وہ اُن کے گناہوں کا کفارہ اور قلوب کی صفائی اور ارواح کی تطہیر اور اسرار کا تزکیہ بنتے ہیں۔ اور جو کفار کو نعمت و دولت اور راحت عطا کرتے ہیں تو وہ اُن کے گناہوں کا سبب اور اُن کی گمراہی میں اضافہ اور اُن کے قلوب پر پردہ اور اُن کے نفوس میں سرکشی اور اُن کے ارواح میں بطلان اور اُن کے اسرار کے لیے دوری کا سبب بنتا ہے۔ بہر حال اہل محبت و معرفت آزمائش سے خالی نہیں ہوتے یا انہیں ذلت و خواری میں یا دکھ اور درد اور بیماری میں مبتلا کیا جاتا ہے اور حکمت الٰہیہ کا

تقاضا یوں ہی ہے ۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اشد البلاء علی الانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل یعنی سب سے زیادہ آزمائش انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے اُن کے بعد اولیاء سے پھر اُن کے بعد درجہ بدرجہ۔

حکایت: سیدنا عیسیٰ (علی نبینا وعلیہ السلام) کا ایک پہاڑ سے گزر ہوا۔ وہاں ایک عابد عبادت میں مصروف بیٹھا دیکھا اس کے پاس ایک چشمہ تھا تاکہ وہ اس سے طہارت حاصل کرے اور پانی پیئے اُس کے قرب میں ایک باغ تھا جس میں تربوز تھے تاکہ وہ اُس سے کھائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے اُس سے پوچھا کہ تجھے یہاں عبادت کرتے کتنا عرصہ گزرا ہے۔ عرض کی اسّی سال ہوئے اور کہا مجھے اللہ تعالیٰ سے اتنی مدت سوال کرتے گزرا ہے میرا وہ سوال تا ہنوز پورا نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کیا سوال ہے عرض کی میں چاہتا ہوں کہ مجھے ایک رتی عشق اور معرفت نصیب ہو۔ چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی (علیہ السلام) ہیں۔ فلہٰذا آپ ہی میرے لیے یہ سوال پورا کرا دیجئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی چشمہ سے وضو کیا اور دوگانہ پڑھ کر اس کا سوال بارگاہ حق میں پیش کیا اور چل دیئے ایک عرصہ تک سفر میں رہ کر پھر وہاں تشریف لائے جہاں وہ عابد رہتا تھا لیکن اب نہ وہ عابد ہے اور نہ چشمہ اور باغ بھی ویران پڑا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ حق میں عرض کی الٰہ العلمین یہ کیا ماجرا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہی تو آپ کی دعا کا نتیجہ ہے جب آپ نے اس عابد کے لیے معرفت اور ایک رتی عشق کی دعا مانگی تو میں نے اُسے دُنیا سے اٹھا لیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ علیہ السلام کیا تم نہیں جانتے کہ دُنیا کی بربادی سے ہی میری معرفت اور عشق نصیب ہوتا ہے۔ جسے میرا عرفان اور عشق نصیب ہوتا ہے تو پھر سوائے میرے اُسے کہیں قرار نہیں ملتا۔ اور نہ ہی اُسے کوئی سکون میسر ہوتا ہے۔ اے عیسیٰ علیہ السلام اگر تم اس عابد کو دیکھنا چاہو تو اس وادی کے اندر جھانک کر دیکھو۔

حکم سنتے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وادی کے اندر جھانک کر دیکھا تو عابد بیٹھا تھا۔ عقل زائل تھی۔ حیران صورت تھا۔ زبان نکل کر سینہ پر پڑی تھی۔ آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اسے پکارا لیکن وہ سنتا ہی نہیں پھر آپ نے اسے جھنجھوڑا اور پکارا لیکن وہ سمجھتا ہی نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم اگر اس عابد کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تب بھی کوئی بات نہیں سمجھے گا اس لیے کہ میں نے اُس کے قلب کو عشق و معرفت سے بھر دیا ہے حالانکہ اسے ایک معمولی سا قطرہ نصیب ہوا ہے اگر اس سے ذرہ برابر بھی بڑھاؤں تو یہ زمین سے اڑ کر آسمان کی طرف چلا جائے پھر وہ اس حالت سے زائد متحیر و مضمحل نظر آئے گا۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی دنیا میں دُکھ اور تکلیف سے گزرتی ہے۔ اس لیے کہ وہ قسم قسم کی

آز مائشوں میں مبتلا ہوتے ہیں ۔ اے سالک! تجھے بھی اس معاملہ میں بہت زیادہ جدوجہد کرنی چاہیئے تاکہ تیرا دین صحیح ہو۔ اس طریق سے اُمید ہے کہ تجھے مقام یقین و تمکین نصیب ہوگا۔ قاعدہ ہے کہ" مجاہدات سے مشاہدات حاصل ہوتے ہیں ۔

پچو یوسف کسے در صلاح و تمیز   بسے سال باید کہ گردد عزیز

ترجمہ: یوسف علیہ السلام کی طرف صلاح و تمیز ہو تو بھی بہت سال کے بعد ہی عزیز ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَمْ حَسِبْتُمْ یہ ام منقطعہ ہے اور ہمزہ انکار و استبعاد کے لیے ہے حَسِبْتُمْ حُسْبَان سے مشتق ہے بمعنیٰ ظن یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جنہیں اُحد میں شکست ہوئی (یعنی بلکہ تم نے گمان کیا ہے) اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ کہ تم بہشت میں داخل ہوکر اس کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوگے وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ ۔ یہ جملہ اَنْ تَدْخُلُوْا کی ضمیر خطاب سے حال ہے انکار کی تاکید کرتا ہے اس لیے کہ عمل کے بغیر اجر و ثواب کی امید محال اور بعید از قیاس ہے۔ کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اجر و ثواب کا دار و مدار عمل پر ہے اور عقلاً بھی محال ہے کہ کام کے بغیر مزدوری نہیں ملا کرتی ۔

سوال: اللہ تعالیٰ کی لاعلمی کا کیا معنیٰ ۔

جواب: یہاں پر معلوم کی نفی ہے نہ کہ علم کی اَیْ لَمَّا تُجَاهِدُوْا اس لیے کہ وقوع الشیٔ اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو اور قاعدہ ہے کہ لازم کی نفی کو مستلزم ہے اس لیے علم کی نفی سے جہاد کی نفی مراد لی گئی ہے اس لیے محض تاکید اور مبالغہ مطلوب ہے اور بس۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ انتفاء الازم انتفاء الملزوم کیلئے برہان ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اشیاء کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کے لیے ضروری ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ [1] مَا عَلِمَ اللّٰهُ فِیْ فُلَانٍ خیرا یرید ما فیہ خیر حتی یعلمہ۔

ف: یہاں پر لَمَّا بمعنے لَمْ ہے صرف فرق یہ ہے کہ اس میں ایک قسم کی توقع مراد ہے۔ کیونکہ اس میں دلالت ہے کہ تمہارے ماضی میں تو جہاد منتفی ہوا لیکن آئندہ کی تمہارے لیے اُمید کی جاسکتی ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ وعدنی ان یفعل کذا و لما یفعل وانا الوقتم فعلہ " یعنی فلاں نے مجھ سے وعدہ کیا کہ میں یونہی کروں گا لیکن اُس نے ابھی تک ایفائے عہد نہیں کیا لیکن مجھے اُمید ہے کہ وہ اسے کریگا ضرور۔ ویعلم الصّٰبِرِیْنَ ۔

---

[1] اللہ تعالیٰ فلاں میں بھلائی نہیں جانتا اس سے اس کی مراد یہ ہوئی اس میں بھلائی نہیں پھر جانے کیا ہے اس میں بھی معلوم کی نفی ہے علم کی نہیں ایسے نوح علیہ السلام کے واقعہ میں بھی معلوم کی نفی ہے علم کی نہیں ۱۲۔

بعلم منصوب ہے ۔ اس لیے کہ یہاں اَنْ مقدر ہے اور واؤ جمع کی ہے اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ کیا تم بہشت میں داخلہ کا خیال رکھتے ہو حالانکہ تا حال جہاد اور شدائد پر صبر تمہارے میں جمع نہیں ہوئے ۔ پس لائق یونہی ہے کہ تم بہشت میں داخلہ کا گمان مت کرو جیسے وہ لوگ بہشت میں داخل ہوئے جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور اپنی اپنی جان و مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دی اور ہر دکھ اور درد پر ثابت قدم رہے جب تک تم اُن کی طرح وہ راستہ اختیار نہ کرو گے اور اُن کی طرح صبر نہیں کرو گے اُن کے مراتب کو نہیں پہنچ سکو گے ۔ اور یہ تو بعید از قیاس ہے کہ انسان سعادت اور بہشت کو ان اعمال کے بغیر حاصل کرے وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ (اور بیشک تم موت کی تمنا کرتے تھے) موت سے مراد حرب ہے اس لیے کہ حرب ہی تو موت کی مبادی سے ہے اور موت سے ہی انہیں شہادت نصیب ہوگی اور یہ خطاب اُن حضرات کو ہے جو غزوۂ بدر میں حاضر نہ تھے اس لیے کہ وہ آرزو رکھتے تھے کہ کاش وہ بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ میں حاضر ہو کر وہ مراتب علیاء حاصل کرتے جو شہدائے بدر کو نصیب ہوئے اسی لیے ان حضرات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ جنگ کے لیے تشریف لے چلئے لیکن اس کے باوجود اُن سے اس کا خلاف واقع ہوا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ قبل اس کے کہ تم اسکا مشاہدہ کرتے اور تمہیں جنگ کے شدائد و تکالیف معلوم ہوتیں فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ پس تم نے اسے دیکھا یعنی موت کے وہ اسباب کہ جن کی تمہیں آرزو تھی یا موت کو دیکھا اور اُس کے اسباب کا مشاہدہ کر کے ۔

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ اور تم اس کا آنکھوں سے ملاحظہ کر رہے تھے ۔ جب تمہارے دوسرے بھائی اور اقارب تمہارے سامنے شہید ہو رہے تھے اور تم خود بھی موت کے دھانے پر تھے ۔ پھر تم نے وہی کیا جو تم میں سے ہونا تھا ۔ یعنی جنگ سے بھاگنا ۔

خلاصہ تفسیر اس میں زجر و توبیخ ہے کہ اولاً تو انہوں نے جنگ کی تمنا کی پھر اس کے اسباب کے لیے بھرپور تیاری کی لیکن جب وہ وقت آیا تو شکست کھا کر بھاگ نکلے ۔ انہیں شہادت کا شوق نہیں تھا ۔ بلکہ یہ خیال تھا کہ کسی طریقہ سے کفار اہل اسلام پر غلبہ پا جائیں ۔ ورنہ جسے شوق شہادت ہوتا ہے وہ اس قسم کے خیالات دل میں نہیں لاتا اور نہ ہی عتاب کا مستحق ہوتا ہے ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص نصرانی طبیب کے ہاتھ سے دوائی اس غرض سے پیئے کہ اسے اس دوائی سے شفا ملے گی ۔ جیسے اس شفا کے طالب کو ایسی دوائی پینے میں کسی قسم کی جھجک نہیں ہوتی ۔ ایسے ہی شہادت کے شوق مند کو بھی میدان جنگ میں کسی قسم کا خطرہ محسوس نہیں ہوتا ۔ اس میں نفع ہو تو بھی نقصان ہو تو بھی ۔ اسے اس سے کیا غرض کہ جنگ سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو خوش ہونے کا موقعہ دے ۔

تفسیر صوفیانہ خلاصہ یہ کہ سعادتِ دارین کے ساتھ دُنیا کی محبت کا اجتماع مشکل ہے جتنا قدر ان میں ایک بڑھے گی دوسری لازماً کم ہوگی اس لیے کہ دُنیا کا حصول تب ہوگا جب کہ دل کو صرف اس کے حصول میں لگا دے۔ اور اخروی سعادت بھی صرف اس وقت نصیب ہوگی جب کہ قلب بالکل فارغ از علائق دُنیویہ ہو وہ ماسویٰ سے ہٹ کر صرف حبِ الٰہی میں مستغرق ہو اور یہ دونوں امر ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

نکتہ: یہی راز ہے کہ آیت میں دونوں کے اجتماع کو بالکل بعید سے بعید تر بنایا گیا ہے۔

مسئلہ: یاد رہے کہ حبِ آخرت اور عشقِ الٰہی صرف زبانی جمع خرچ سے نصیب نہیں ہوتے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ ہر مُدعی اپنے دعوئی میں سچا ہو۔ سچے جھوٹے کا فرق اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب مکروہات و محرمات کا سامنا ہو۔ سچی محبت کی علامت یہ ہے کہ وہ جفا سے کم نہ ہو اور وفا یعنی عطیۂ انعامات پر نہ بڑھے۔ جب اس پر مصائب و بلیّات کی بھرمار ہو تب بھی وہ اپنے مقام پر باقی ہو تو سمجھ لو کہ سچی محبت ہے ورنہ وہ صرف مدعی ہے اور جھوٹا۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ یعنی کیا تمہارا یہی گمان ہے کہ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصدیق سے تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے نہ تو ابھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جہاد سے آزمایا ہے اور نہ ہی تمہیں شدائد و مصائب میں مُبتلا کیا ہے۔

ف: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص اس گمان میں ہو کہ میں دربارِ اعلیٰ میں بغیر مصائب و تکالیف کے پہنچ جاؤں گا تو اسے یہ خیالی تصوّرات ہلاکت کے گڑھے میں تباہ و برباد کر دیں گے۔ ہاں جسے اپنے مطلوب کی قدر ہے تو پھر اس پر جان گنوانا آسان ہو جاتا ہے۔ کسی شاعر نے فرمایا ہے ؎

وَمَا جَادَ دھر بلذاتہ　　　علی من بضن بخلہ العذار

ترجمہ: زمانہ اپنی لذتوں کو اس پر صرف نہیں کرتا۔ جو اپنی جان پر کھیلنے کی عادت نہیں رکھتا۔

ف: یاد رہے کہ دولتِ عُظمیٰ سعادتِ اُخروی کا نام ہے اس لیے کہ یہ دولت غیر فانی ہے اور دولتِ دُنیا تو لاشئی اور فانی ہے۔ کسی نے خوب فرمایا ؎

جہاں مثالِ چراغیست درگذر کہ باد　　　غلام ہمت آنم کہ دِل بروننہاد

ترجمہ: جہان ایک دیئے کی طرح ہے اس سے جلد گذر دیں اس کا غلام ہوں جو اس میں دل نہیں لگاتا۔

ف: حضرت شبلی رحمہ اللہ سے عارف کی علامت کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کی زبان ذکرِ الٰہی میں ناطق اور اس کا دل حجۃ اللہ میں صادق اور اس کا سرّ اللہ تعالیٰ پر واثق اور اُس کی رُوح اللہ تعالیٰ کے راستہ پر سابق اور وہ خود دائمی طور اللہ تعالیٰ کا عاشق ہو۔ خلاصہ یہ کہ عارف وہ ہے جو ترک دعویٰ اور اقبال الی المولیٰ کرے اور روح اس کے راہ پر قربان کر دے۔

فیہ نظر۔ ستر قیدیوں کا مسئلہ قابل غور ہے اسکی تائید اور کہیں نہیں ملتی

حکایت: حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہماری ترکیوں (کافروں) سے ایک عرصہ سے مخاصمت چل رہی تھی ایک روز مجھے ترکی (کافر) نے دیکھا تو مجھ پر تیر پھینکا۔ میں اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑا وہ اپنی سواری سے اُتر کر میرے سینے پر چڑھ گیا۔ اور داڑھی نوچ لی اور جیب سے چاقو نکال کر میری گردن پر چڑھ گیا۔ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ مجھے نہ تو اُس کے سینہ پر سوار ہونے کا خوف تھا اور نہ ہی اُس سے خطرہ محسوس ہوا۔ میں ساکت صامت دل ہی دل میں اپنے آقا (رب تعالیٰ) سے کہہ رہا تھا کہ الٰہ العالمین میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا ہے۔ اگر یہ کافر مجھے ایسے ہی قتل کر دے اور تو اس پہ راضی ہے تو بسر و چشم ورنہ تجھے معلوم ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میری جان تیرے قبضۂ قدرت میں ہے تو جس طور چاہے میں راضی ہوں۔ میں یہی بات دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ کسی مسلمان بھائی نے دُور سے زور سے تیر مارا۔ اور میرے سینہ پر بیٹھنے والے کافر کے حلق پر لگا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ وہ غش کھا کر نیچے گرا میں نے فوراً اُٹھ کر اسی کے چاقو سے اُس کی گردن اڑا دی۔

سبق: دوستو! اپنا دِل اپنے مولیٰ کے ہاتھ دے دو۔ پھر قدرت کے وہ عجائب و غرائب دیکھو گے کہ نہ ماں سے اس طرح کے لطف و کرم دیکھ پاؤ گے اور نہ باپ سے۔ اور یقین کرو کہ تسلیم و رضا کو اپناؤ کامیاب رہو گے جو اس سے بھاگتا ہے وہ مار کھاتا اور نقصان اُٹھاتا ہے۔ سب سے بڑا مددگار مصائب و تکالیف کے وقت صبر کرنا ہے ؎

تحمل چو زہرت نماید نخست ولے شہد گردد چو در طبع رست
زعلت مدار اے خردمند بیم چو دارو ئے تلخت فرستد حکیم

ترجمہ: ا۔ حوصلہ پہلے تو زہر کی طرح نظر آتی ہے لیکن شہد بن جاتی ہے جب وہ طبع میں راسخ ہو جاتی ہے
۲۔ اے دانشور بیماری سے خوف نہ کھا جب تجھے طبیب کڑوی دوائی دے۔
ہم سب کو اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔ (آمین)



وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ
عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ
الشّٰكِرِيْنَ ○ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُّرِدْ
ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۗ وَسَنَجْزِى
الشّٰكِرِيْنَ ○ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قُتِلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَمَا كَانَ
قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ع

ترجمہ: اور محمد تو صرف ایک رسول ہیں آپ سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور عنقریب اللہ شکر والوں کو انعام دے گا اور کوئی شخص اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا سب کا وقت لکھا ہوا ہے اور جو دنیا کا انعام چاہے ہم اس میں سے اسے عطا فرمائیں اور جو آخرت کا انعام چاہے ہم اس میں سے اُسے عطا فرمائیں اور قریب ہے کہ ہم شکر والوں کو انعام عطا کریں اور کتنے ہی انبیاء نے جہاد کیا ان کے ساتھ بہت خدا والے تھے تو سست نہ پڑے ان مصیبتوں سے جو اللہ کی راہ میں انہیں پہنچیں اور نہ غمزدہ ہوئے اور نہ دبے اور صبر والے اللہ کو محبوب ہیں وہ کچھ بھی نہ کہتے تھے سوا اس دُعا کے کہ اے رب ہمیں بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے اعمال میں کیں اور قدم مضبوط کر دے اور ہمیں ان کافروں پر مدد دے تو اللہ نے انہیں دنیا کا انعام دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی اور نیکی والے اللہ کو پیارے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا مُحَمَّدٌ محمد اسے کہتے ہیں جو محامد کا جامع ہو۔ کیونکہ حمد کا مستحق وہ ہوتا ہے جو صاحب کمال ہو اور تحمید اس کا مبالغہ ہے پس اس کا مستحق وہ ہونا چاہیے جو کمال کے انتہائی مقام پہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو اسموں کو اپنے اسم گرامی سے مشتق فرمایا ہے یعنی محمد و احمد صلی اللہ علیہ وسلم

شانِ نزول

اِلَّا رَسُوْلٌ مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ اُحد کے دن سات سو افراد کو لیکر جنگ کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچاس مردوں کا امیر مقرر فرمایا اور فرمایا کہ تم اس پہاڑ پر جمے رہو اور مدافعت کرتے رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار ہمارے پیچھے سے

ہمارے اوپر حملہ کردیں تم اس پہاڑ کو نہ چھوڑنا جب تک ہمارا حکم ثانی نہ پہنچے اور تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ ہم کفار پر غالب رہیں گے جب تک کہ تم اس پہاڑ پر ڈٹے رہے۔ آپ اُن کی ہدایت سے فارغ ہونے ہی تھے کہ جنگ شروع ہوگئی اور پورے جوش خروش سے آمنا سامنا ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار لے کر فرمایا۔ اُس کا کون حق ادا کرتا ہے۔ ابودجانہ نے تلوار کو اٹھالیا اور چند ساتھیوں کو لے کر خوب لڑے اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میدان میں آئے۔ اُن کی عین لڑائی میں تلوار ٹیڑھی ہوگئی۔ اُس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ لڑائی کے لیے آئے۔ اس موقعہ پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے تھے[1] ارم فداک ابی و امی یہی ارشاد مبارک سن کر حضرت سعد اور اُن کے ساتھیوں نے کفار پر یکبارگی ہلہ بول دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ کفار شکست کھا کر بھاگے۔ جب حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں نے یہ منظر دیکھا (کہ کفار شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں) تو مرکز کو چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے کے درپے ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں بہت سمجھایا (کہ مرکز کو مت چھوڑو جب کہ تم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کرچکے ہو اور آپ تمہیں اُس کی تاکید بھی فرما گئے ہیں) لیکن انہوں نے حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ کی ایک نہ سنی۔ اور مال غنیمت کے جمع کرنے میں ٹوٹ پڑے مرکز پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے سات ساتھی اور ٹھہر گئے باقی سب چلے گئے۔ خالد بن ولید نے (جو اس وقت کفار کے ساتھ تھے) اڑھائی سو جنگی سوار لے کر اچانک اس پہاڑ کی طرف سے لشکر اسلام پر حملہ کردیا۔ اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو شہید کرڈالا اور اس مرکز سے پیش قدمی کر کے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کیا تو لشکر اسلامی کو شکست ہوئی۔ ابن قمیئہ نے حضور نبی پاک کو پتھر مارا تو آپ کے دانت مبارک ٹوٹ پڑے اور آپ کا چہرہ مبارک لہو لہان ہوگیا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللہَ اَرْسَلَ عَبْدَہٗ ببرھانہ واللہ اعلی وامجد
وَشَقَّ لَہٗ من اسمہ لیجلہ فذوا العرش محمود وھذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ(۱): کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد مقدس کو برہان دے کر بھیجا اور وہ اللہ تو اعلیٰ اور بزرگ تر ہے
۲- اور اپنے اسم گرامی سے اُن کا اسم گرامی مشتق فرمایا تاکہ انہیں بزرگی بخشے۔ پس عرش والا محمود ہے اور یہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم محمد ہیں۔

اس شکست پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کی جماعت منتفرق ہوگئی۔ ابن قمیئہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی غرض سے آگے بڑھا۔ لیکن حضرت مصعب بن عمیر صاحب الرایہ (رضی اللہ عنہ) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بن گئے۔ ابن قمیئہ نے آگے بڑھ کر حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے پیچھے ہٹ گیا اس گمان پر کہ اُس نے (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام کو شہید کرڈالا ہے اور پکار کر کہا قَدْ قَتَلْتُ مُحَمَّدًا۔ میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کردیا ہے۔ اس پر ایک نے چیخ کر پکارا کہ الا ان محمدا قد قتل خبردار

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شہید ہو گئے اور یہ چیخنے والا ابلیس تھا۔ یہ سُن کر لشکر اسلام شکست خوردہ ہو کر متحیر ہوئے حضرت انس بن نضیر (حضرت انس بن مالک کے چچا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئے۔ اسی طرح حضرت طلحہ بن عبداللہ اور اُن کے ساتھی انصاری اور مہاجرین آگئے اور انہیں فرمایا کہ جنگ سے کیوں رُک گئے ہو۔ انہوں نے کہا حضور علیہ السلام شہید ہو گئے ہیں تو اب تم زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ تم بھی اُن کی طرح اسلام پر جان دیکر باعزت مر جاؤ۔ یہ کہہ کر حضرت انس بن نضیر دشمنوں میں گھس گئے اور خوب لڑے یہاں تک کہ شہید ہو گئے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سب سے پہلے میں نے ہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو محاذ جنگ میں زندہ دیکھا اور آپ کی آنکھیں مبارک خود کے نیچے چمکتی ہوئی نظر آئیں اور آپ بہت زور سے اپنے یاروں کو پکار کر فرما رہے ہیں۔

اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اے اللہ تعالیٰ کے بندو! میری طرف آجاؤ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جونہی آپ کی آواز مبارک سُنی تو سب آپ کے ہاں جمع ہو گئے۔ آپ نے اس شکست پر ملامت کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی ہم اور ہمارے آباؤ امہات آپ پر قربان ہم نے آپ کے متعلق بد خبر سُنی تو ہمارے دِل بجھ گئے اور شکست خوردہ ہو کر بھاگنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زجراً فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دوسرے رسولوں کی طرح ایک رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ط آپ سے پہلے رُسل (علیہم السلام) بھی دُنیا سے کوچ کر گئے اور آپ بھی آخر دُنیا سے کوچ کریں گے۔ پھر جیسے ان کے تابعدار اُن کے وصال کے بعد دین پر مضبوط اور پختہ رہے۔ تمہیں بھی ضروری ہے کہ تم بھی اُن کے دین پر ڈٹ جاؤ۔ اگرچہ اُن کا وصال بھی ہو جائے اس لیے کہ رسل کرام علیہم السلام کو تو صرف احکام کی تبلیغ کے لیے بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ توحید الٰہی کی حجت قائم کریں نہ یہ کہ وہ دائمی طور اپنی اُمت میں زندہ رہیں۔ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ۔ کیا اگر وہ فوت بھی ہو جائیں پھر کیا تم اپنے گٹوں پر لوٹ آؤ گے یہ اُن کے ارتداد اور ان کے دین سے پھر جانے پر انکار ہے کہ جب رَسُول علیہ السلام کا وصال ہو یا شہید ہو جائیں تو کیا تم دین سے پھر جاؤ گے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ ان سے پہلے انبیا علیہم السلام بھی تشریف لائے۔ پھر اُن کا وصال ہوا تو اُن کی اُمتیں اُن کے دین پر قائم اور مضبوط رہیں) وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ اور جو شخص بھی اپنے گٹوں کی طرف لوٹے گا کہ رَسُول علیہ السلام تو اُسے جہاد وغیرہ کا حکم دیتے ہیں لیکن وہ اس کے خلاف کرتا ہے شَیْئًا فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ تو اس کا عملی اور اعتقادی طور خلاف کرنا اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا نقصان نہیں دے گا۔ شَیْئًا (ضرر وغیرہ مُراد ہے) بلکہ اس کا نقصان وہ خود اُٹھائے گا کہ اُس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کے سامنے پیش کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ تو نفع و نقصان سے منزہ ہے۔ وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ (اور اللہ تعالیٰ شاکرین کو نیک جزا دے گا) یعنی وہ دِین اسلام پر ثابت قدم رہتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں اور نہایت ہی اعلیٰ نیکیوں سے ہے۔

سوال : نعمت کو شکر سے تعبیر کرنے کا کیا معنیٰ ۔

جواب : چونکہ دین پر ثابت قدم رہنا اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمت ہے ۔ اس لیے اُسے شکر سے تعبیر کیا گیا ہے اور چونکہ دین پر ثابت قدم رہنا اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کی ایک قسم ہے اس لیے اسے شکر سے موسوم کیا گیا ۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ دین سے پھر جانا کفرانِ نعمت ہے ۔

واقعہ عجیبہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کرام مختلف الحال ہو گئے بعض تو ان میں مدہوش تھے ۔ بعض ان میں بے حس و حرکت ہو گئے (کہ اپنی جگہ سے اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے) بعض کی زبانیں بالکل بند ہو گئیں کہ بولنے پر قدرت نہ رکھتے تھے ۔ بعض نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کا بالکل انکار کر دیا یہاں تک کہ آیت مذکورہ بالا حضرت عمر رضی اللہ کے ذہن سے اتر گئی اور تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ منافقین نے بے پر کی اڑائی ہے (کہ حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا ہے) یہ بالکل غلط ہے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس گئے ہیں ۔ چند روز غائب رہیں گے جیسے موسیٰ علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ کے پاس گئے اور چالیس روز تک واپس نہ لوٹے تھے پھر میعاد مقررہ کے بعد واپس تشریف لائے ۔ اسی طرح حضور علیہ السلام بھی ضرور واپس تشریف لائیں گے جو شخص یہ کہے گا کہ حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا ہے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا ۔ اور اس کو بار بار دہراتے رہے ۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بجا لا کر فرمایا کہ اے لوگو ! جو بھی تم میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے اور جو شخص تم میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا ۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت پڑھی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ راوی کہتے ہیں کہ بخدا ہمیں ایسے محسوس ہوتا تھا کہ گویا یہ آیت حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہی نہیں ہوئی تھی جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت پڑھی تو تمام لوگوں کو حضور علیہ السلام کے وصال کا یقین ہو گیا ۔

جدائی کا غم اور استن حنانہ کا قصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر پتھر بھی پھٹنے کو آگئے اندازہ کیجئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا کیا حال ہو گا ۔ اور استن حنانہ (کھجور کا ستون) حضور علیہ السلام کی جدائی سے کس قدر رویا تھا ۔ سب کو معلوم ہے کہ منبر شریف کے بننے سے پہلے آپ اس کے سہارے کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے لیکن جب منبر شریف تیار ہوا تو آپ اسے چھوڑ کر منبر شریف پر تشریف لے گئے تو وہ چیخا ۔ جیسے بچہ ماں کو نہ پا کر چیختا ہے بالآخر آپ منبر سے اُترے اور اسے گلے لگا لیا اور اسے تھپکیاں دے رہے تھے ۔ جیسے ماں روتے ہوئے بچے کو تھپکیاں دیتی ہے تاکہ رونے سے اسے سکون ملے پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اسے گلے نہ لگاتا تو وہ قیامت تک ایسے روتا رہتا۔[1]

---

[1] استن حنانہ کا مفصل واقعہ و دیگر عجائبات فقیر کی شرح مثنوی میں دیکھئے ۔ اویسی غفرلہ ۔

ف : احباب کی جدائی دیسے بھی زندگی کے لیے کڑوے گھونٹ ہیں خصوصًا ایسا محبوب کہ جس کا دیدار حیاتِ قلوب ہو۔

وصال شریف اور بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وصال شریف سے پہلے جب حضور علیہ السلام پر غشی طاری ہوئی تو بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا " واکرب ابتاہ "

ہائے اباجی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دکھ۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا " لیس علی ابیك کرب بعد الیوم " اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تیرے باپ پر آج کے بعد کوئی بھی دکھ نہیں۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا " یا ابتاہ احباب ابا دعاہ یا ابتاہ جنۃ الفردوس ماواہ " ہائے اباجی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپکا ٹھکانا تو جنت الفردوس ہوگا۔ جب حضور علیہ السلام کو دفن کیا گیا تو بی بی نے کہا اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا تمہیں اچھا لگتا ہے کہ تم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈال رہے ہو۔ حضور علیہ السلام کے بعد بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صرف چھ ماہ زندہ رہیں۔ اس کے بعد انکا وصال ہو گیا ؎

جہاں اے برادر نماند بکس   دل اندر جہاں آفریں بند وبس

ترجمہ : ۱۔ اس جہان میں کسی نے نہیں رہنا فلہذا پیدا کرنے والے سے ہی لو لگانا چاہیے۔

سبق سمجھ دار انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی موت سے پہلے اپنے حال کو سنوار لے تا کہ کل قیامت میں لوگوں کے سامنے رسوائی نہ ہو۔ اور وہ اعمال صالحہ کی کوشش کیوں نہیں کرتا جب کہ اسے معلوم ہے کہ قیامت کا وہ دن ہے کہ جہاں انبیاء و اولیاء کو بھی گھبراہٹ ہوگی ؎

دراں روز کز فعل پرسند و قول   اولوالعزم رانن بلرزد ز ہول[1]

بجائے دہشت خورد انبیاء   تو عذر گناہ راچہ داری بیا

ترجمہ : (۱) اس دن کہ جس میں اعمال کی پرسش ہوگی تو اولوالعزم بھی خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔

(۲) جہاں انبیاء علیہم السلام کو بھی دہشت ہوگی اب تیرا کوئی عذر ہے تو لائیے۔

یعنی تو کس بھروسہ پر گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور تجھے کس بات کا سہارا ہے تو اپنے لیے قیامت کا سامان نہیں تیار کرتا ہے[2]

ف : کامیابی و کامرانی ایمان تحقیقی میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان تقلیدی بیکار ہے اس لیے کہ مقلد اپنے کی عدم موجودگی میں ایمان سے پھر جاتا ہے۔

---

[1] کسی بزرگ نے فرمایا ؎ حد دوزخ داور موجب ہے۔ سب خلقت ڈرے دل ڈرلن گے۔ سب نفسی نفسی ڈرلن گے۔ پر نبی پاک فرمادن گے۔ یا امتی یا امتی۔ (بقیہ حاشیہ ص ۱۰۳)

یہی وجہ ہے کہ جس کا ایمان والدین یا اُستاد اور شہر والوں کی تقلید پر ہو اور ابھی ایمان اس کے دِل میں جاگزیں نہیں ہوا اور نہ ہی نورِ اسلام سے اس کا سینہ کھلا ہے تو موت کے وقت نزیہ اسباب مقلدہ منقطع ہو جائیں گے ۔ پھر منکر نکیر کے سوال سے عاجز ہو جاتا ہے ۔ جب وہ کہتے ہیں ، مَنْ رَبُّكَ تو وہ کہے گا هَالَا اَدْرِیْ ” اور جب اس سے پوچھیں گے ”مَا تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ “ تو بھی کہے گا هَالَا اَدْرِیْ كُنْتُ اَقُوْلُ مَا قَالَ النَّاسُ “ تو اسے نکیرین کہیں گے لَادَرَیْتَ وَلَا تَلَیْتَ یعنی تو کچھ بھی نہیں جانتا ؎

زدانندگاں بشنو امروز قول | کہ فردا نکیرت بپرسند بہول
غنیمت شمار ایں گرامی نفس | کہ بے مرغ قیمت ندارد قفس

ترجمہ:(۱) علماء سے ابھی بات یاد کر لے اس لیے کہ نکیرین سختی سے سوال کرتے ہیں ۔

(۲) زندگی کے مقدس لمحات کو غنیمت جان کیونکہ مرغ کے بغیر پنجرہ بیکار ہے ۔

یعنی جسم کی رُوح کے بغیر کوئی قدر و منزلت نہیں ۔ سمجھ دار انسان کو چاہیے کہ زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر کرے ۔ ورنہ جب رُوح جسم سے پرواز کرے گی تو پھر افسوس کے ہاتھ ملے گا ۔ لیکن ہاتھ کچھ نہیں آئے گا ۔

تفسیر عالمانہ

مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ کسی کو موت کسی سبب سے واقع نہیں ہوتی سوائے مشیت ایزدی کے وہ ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) کو حکم فرمائے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت لے کر اس رُوح کو قبض کریں ۔

خلاصہ تفسیر

ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے نہ کوئی اپنے وقت سے پہلے مرتا ہے اور نہ ہی اُسے وقت معین سے مہلت ملتی ہے نہ وہ جنگ سے بھاگنے سے رکتی ہے اور نہ ہی جنگ میں لڑنے سے آتی ہے ۔

بقیہ صفحہ حاشیہ نمبر ۱۰۲ : پیر ملہے شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ اس مضمون کو یوں فرماتے ہیں ۔

اُجگل تیرا مکلاوانی | انڈھیاں نال ملاوانی ، | کیوں سُتی ہیں کی دعوے نی
وس ٹپنگی سس نناں کڑے | کرکتن دل دھیاں کڑے | کرکتن دل دھیاں کڑے
دیاں بستاں کملی جھلی نوں | جد پوسیٹے گا وقت اکلی نوں | - تاں ہائے ہائے کرسی جان کڑے

کرکتن دل دھیاں کڑے

؎ یہ مسئلہ کہ قبر میں حضور علیہ السلام کی زیارت ہوتی ہے ۔ اختلافی ہے فقیر نے اس پر ایک تحقیقی کتاب الاقول المؤید لکھی ہے ۔

ف : آیت میں اہل اسلام کو جنگ کرنے کی ترغیب اور جذبہ شجاعت پیدا کرنا مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر طرح حفاظت ہوگی اور اشارہ ہے کہ اُن کی موت کو ابھی دیر ہے اس میں منافقین کی تردید ہے ۔ جب کہ انہوں نے کہا کَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا یعنی اگر شہید ہونے والے ہمارے ہاں رہ جاتے اور جنگ پر نہ جاتے تو وہ نہ مرتے نہ ہی مارے جاتے ۔

ف : مجاہد اپنی موت سے پہلے نہیں مرتا اور نہ ہی جہاد سے کنی کترانے والا آئی ہوئی موت سے بچ سکتا ہے ؎

بروز اجل نیزہ جوشن درد زہیراہن بے اجل نگذرد

ترجمہ : ا ۔ اجل آجاتی ہے تو زرہ پھٹ جاتی ہے اجل کا وقت نہ ہو تو پیراہن سے بھی تیر نہیں گذر سکتا ۔

کِتٰبًا : یہ مصدر اپنے ماقبل کی تاکید کرتا ہے معنٰی یہ ہے کہ موت لکھی ہوئی ہے ۔ مُّؤَجَّلًا مقرر کردہ ہے اس کا ایک وقت معین ہے کہ وقت سے پہلے آتی ہے نہ بعد کو[1] کہ موت وحیات کا دارومدار صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے ۔ اس میں کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں اور اشارہ کیا گیا ہے کہ اعمال کے ثمرات ان کے اپنے ارادے میں انہیں چاہیے کہ اعمال کے ثمرات کو اغراض دنیاوی سے ہٹا کر بہترین مطالب (اخروی) میں لگادیں ۔ چنانچہ فرمایا ۔ مَنْ یُّرِدْ اور جو شخص اپنے عمل سے ارادہ کرتا ہے ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا دنیا کے ثواب سے ہم جسے چاہیں عطا کریں ۔ اس میں ان لوگوں پر تعریض ہے غزوہ احد میں غنیمت کے حصول کے درپے ہوگئے ۔ وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَۃِ نُؤْتِہٖ مِنْھَا اور جو آخرت کے ثواب کا ارادہ رکھتا ہے ہم اسے عطا فرمائیں گے قسم قسم کا اجر و ثواب (جیسا کہ اس کریم کا وعدہ کریمہ ہے) ۔

وَسَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ اور ہم شکر گزار لوگوں کو جزا دیں گے یعنی نعمتِ اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کو اور وہ لوگ جو اپنی تمام طاقت وہمت کو اسلام کی اُن راہوں پر صرف کرتے ہیں جن کے لیے وہ پیدا کی گئی ہیں انہیں ان قوتوں و طاقتوں کو راہِ اسلام پہ خرچ کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا ۔

مسئلہ : الشاکرین میں وہ مجاہدین مراد ہیں جو غزوہ احد میں شہید ہوئے اور عمومی طور تمام مجاہدین فی سبیل اللہ داخل ہیں ۔

قاعدہ : یہ آیت اگرچہ جہاد فی سبیل اللہ کے متعلق وارد ہوئی ہے لیکن عمومی طور تمام اعمال صالحہ کو شامل ہے اس لیے کہ طلبِ ثواب وعقاب میں اعمال کے مقاصد ودواعی مطلوب ہوتے ہیں نہ کہ اعمال کے ظواہر ۔ مثال کے طور جو شخص بوقتِ نماز (ظہر یا عصر کے وقت) اپنا سر زمین پر رگڑتا ہے حالانکہ سورج اُس کے آگے ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے اس لیے یہ اسلام کے بہترین شعائر سے گنا گیا ہے ۔ اور جو شخص سورج پرستی کے طور زمین پر سر رکھتا ہے تو اس کا وہی فعل کفر کے بہت بڑے شعار سے شمار کیا گیا ہے ۔

---

[1] : کسی بزرگ نے خوب فرمایا ۔ رائی گھٹے نہ تل بڑھے جو لکھا اعتبار ۔ الو ۲ ...

ریاکار کی سزا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں مجاہد کو بلا کر فرمائے گا کہ تو کس لیے مارا گیا تو وہ عرض کرے گا۔ الٰہ العٰلمین تو نے ہمیں جہاد کا حکم فرمایا۔ میں تیرے فرمان کے پیش نظر کفار سے لڑا اور مارا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے اس لیے کہ تیرا ارادہ یہ تھا کہ لوگ تجھے بڑا جنگجو کہیں سو تیرے لیے یہ بات ہو گئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔

ف: مجاہد حقیقی وہ ہے جو صرف اس لیے لڑتا ہے کہ کلمۃ اللہ کو سربلندی حاصل ہو اپنی شہرت مطلوب ہوتی ہے نہ ہی طاقت کے جوہر دکھلانا مقصود ہوتا ہے اور نہ تحصیل غنیمت ؎

عبادت باخلاص نیت نکوست — دگرنہ چہ آید نے بے مغز پوست

برائے ریا خرقہ سہلست دوخت — گرش با خدا در توانائی فروخت

ترجمہ: ۱۔ وہ عبادت بہتر ہے جو خلوص نیت سے ہو ورنہ وہ جو ثمر لائے گا جو صرف پوست ہے۔

۲۔ ریا کا خرقہ پہننا آسان ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بیچتا ہے۔

نیک نیتی کے فضائل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی نیت آخرت کی طلب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو استغنا سے پُر کر کے اُس کی پراگندگی دور فرمائے گا۔ اور دُنیا ذلیل ہو کر اُس کے قدموں میں گرے گی اور جس کی نیت صرف دُنیا طلبی ہو تو نقر و فاقہ اُس کی آنکھوں میں ڈال دے گا۔ اور اُس کے معاملات پراگندہ ہو جائیں گے اور اُسے ملے گا بھی وہی جو اُس کی قسمت میں لکھا ہے۔ اور فرمایا کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو اُس کی نیت ہے۔ جس کی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی نیت ہو تو یقیناً اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کا مقام نصیب ہو گا اور جس کی نیت میں ہجرت اس لیے ہے کہ وہاں جا کر دنیا حاصل کرے گا یا نکاح کرے گا تو اُسے وہی ملے گا جو اُس نے نیت کی ہے پس جو شخص نیک عمل بہشت کے شوق میں کرتا ہے تو وہ ضرور بہشت کو نعمتوں کو پائے گا اور آخرت کے ثواب سے بھی مالا مال ہو گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت میں عمل کرے گا تو اسے منعم حقیقی کی زیارت سے شرف نصیب ہو گا۔ اُسے دُنیا میں بھی ثواب ملے گا۔ اس لیے کہ وہ منعم حقیقی یہاں بھی موجود ہے۔ وہ غائب تو ہے نہیں اور وہ قریب ہے کسی سے دور نہیں اور بندوں کے ہر وقت ساتھ ہے جہاں بھی ہوں۔

حدیث قدسی: اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص میرا طالب ہے وہ مجھے ضرور ملے گا اور جو شخص بالشت کے برابر میرے قریب ہوتا ہے تو میں اُس کے ہاتھ برابر قریب ہو جاتا ہوں ؎

خَلِیْلِیْ ھَلْ اَبْصَرْتُمَا اوسمعتما	باکریم مولی تمشی الی عبد
اتی زائراً من غیر عدو قال لی	اجلك عن تعذیب قلبك بالوعد

ترجمہ: اے میرے دوستو! کیا تم نے کوئی ایسا آقا دیکھا یا سنا ہے جو اپنے بندے کی طرف خود چل کر جائے۔ وہ وعدہ دیئے بغیر ہی تشریف لاکر مجھے فرماتا ہے کہ میں تیرے پاس وعدہ کے بغیر آگیا تاکہ تیرا قلب وعدہ کے انتظار کے عذاب سے بچ جائے۔

سبق

سالک کو ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرکے اس کی راہ میں بلا خوف لومۃ لائم مجاہدہ کرے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وصال سے سرشار ہو کر اضطرار سے بچ جائے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت امام قاشانی اپنی تاویلات میں لکھتے ہیں کہ جسے سرّ قدرت سے آگاہی ہے تو وہ وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ " کے معنے کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہی سب سے بہت بڑا بہادر ہے۔

حکایت: حضرت حاتم اصم حضرت شفیق بلخی کی معیت میں خراسان کی ایک جنگ میں حاضر تھے اور فرمایا کہ مجھے حضرت شفیق اس دن ملے جب لڑائی زوروں پر تھی۔ مجھ سے حضرت شفیق نے پوچھا۔ حاتم اس وقت تیرا دل کس حال میں ہے۔ میں نے کہا میری آنکھوں سے نیند نکل چکی ہے بیقراری و بے آرامی کا زور ہے۔ حضرت شفیق نے میری یہ بات سنتے ہی ہتھیار اتار لیے اور فرمایا میرا حال تو یہ ہے اپنا سر مبارک ڈھال پر رکھ لیا اور میدان جنگ کی عین لڑائی میں سو گئے یہاں تک کہ آپ کے خراٹے سنے گئے اسے کہتے ہیں سکون القلب الی اللہ اور اس پر پورا بھروسہ۔

سبق: جب بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے باطن کو خالص کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر دکھ او تکلیف آسان بنا دیتا ہے بلکہ جن باتوں سے بظاہر خطرہ محسوس ہوتا ہے وہ اس کے لیے مسخر فرما دیتا ہے۔

حکایت: حضرت ابراہیم الرقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوالخیر خراسانی کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ لیکن انہوں نے نماز میں فاتحہ نہ پڑھی۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ افسوس نماز ضائع گئی۔ اتنا لمبا سفر کیا سب رائیگاں گیا۔ نماز کا سلام پھیر کر میں نے تجدید وضو کا ارادہ کیا۔ جب مسجد کے دروازہ سے باہر نکلا تو دیکھا شیر کھڑا ہے اور مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے میں اس کے ڈر کے مارے گھبرا کر واپس لوٹا تو حضرت ابوالخیر رضی اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ مجھ پر شیر حملہ کرتا ہے۔ آپ نے مسجد سے باہر نکل کر شیر کو للکارا اور فرمایا میں نے تجھے بارہا سمجھایا کہ میرے مہمانوں کو کچھ نہ کہا کرو۔ اب یہ حرکت کیوں۔ شیر حضرت ابوالخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم سنتے ہی پیچھے ہٹ کر بھاگا۔ اور میں نے باطمینان ہو کر وضو کیا۔ جب واپس لوٹا تو آپ نے فرمایا بھائی تم ظاہر کے سنوارنے میں رہ کر بھی

شیروں سے ڈرتے ہو۔ ہم باطن کی صفائی کرتے ہیں۔ اس لیے ہم سے شیر ڈرتے ہیں ؎

اولیاء محبوب اللہ ست جان ۔۔۔ کس نیاز ارد جستن در جہاں

ترجمہ: اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کا محبوب جان اسی لیے کوئی شئے انہیں ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

تفسیر عالمانہ وَكَاَيِّنْ یہ دراصل ایٌ تھا۔ اس پر کاف داخل ہوا ہے تو اس میں کثرت کا معنیٰ پیدا ہو گیا ہے اب بمعنے کم خبریہ کے ہے مِنْ نَّبِيٍّ یہ کاین کی تمیز ہے اس کی تمیز اکثر مجرور ہو کر آتی ہے قرآن پاک میں ہر جگہ یونہی مستعمل ہوا ہے کاف کی وجہ سے اس پر جر کا ہونا ممتنع ہے۔ اس لیے کہ اس کے آخر میں تنوین ہے اور تنوین اضافت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ یہ کاین کی خبر ہے اس لیے کہ وہ مبتدا ہے اور فعل بظاہر اس کا مسند ہے۔

حل لغات: الربی ربانی کی طرح رب کی طرف منسوب ہے تغیرات نسب کی وجہ سے اس کی را مجرور ہے کیونکہ جب ایک شئے دوسری شئے کی طرف منسوب ہوتی ہے تو اس میں تغیر آہی جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے بصری منسوب الی البصرہ یا ربۃ کی طرف منسوب ہے۔ اس لیے کہ ربۃ بمعنے جماعۃ آتا ہے اب معنیٰ یوں ہوا کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کے اعزاز کی خاطر علماء اتقیاء یا بہت بڑی جماعتیں جنگوں میں شریک رہیں۔

فَمَا وَهَنُوْا اس کا عطف قاتل پر ہے (یعنی نہ تو وہ ڈھیلے پڑے اور نہ ہی ہمت ہارے) لِمَآ اَصَابَهُمْ کہ انہیں جنگوں میں بہت بڑے مصائب ٹوٹ پڑے یہ منفی کی علت ہے نہ کہ نفی کی فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے راستہ میں) جمع کی ضمیر میں دو تقریریں ہیں۔

۱۔ یہ ضمیر تمام ربیوں کی طرف راجع ہے۔ اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو قتل کے ماسوا جو زخم اور باقی تمام تکالیف جو انہیں اثناء حرب میں پہنچیں۔

۲۔ یہ ضمیر ان باقیماندہ حضرات کی طرف راجع ہے جو جنگ کے بعد زندہ رہے تو اب مطلب یوں ہوگا کہ وہ پریشانیاں جو انہیں اپنے اعزہ و اقارب کی شہادت سے ہوئیں یا انہیں ان وجوہ سے دکھ اور درد پہنچے وغیرہ وغیرہ وَمَا ضَعُفُوْا اور نہ ہی وہ دشمنوں یا جہاد سے یا دین کے معاملات میں کمزور ہوئے وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ اور نہ ہی دشمن کے سامنے جھکے۔

حل لغات: یہ دراصل استکن سکون سے ہے اس لیے کہ جھکنے والا اپنے ساتھی کے سامنے سر جھکا دیتا ہے تاکہ وہ جس طرح چاہے کرے اس کا الف فتحہ کی اشباع کا ہے یا یہ کون سے ہے۔ اس لیے کہ وہ جھکنے والا اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کے سامنے نہ جھکے۔ اس میں تعریض ہے ان حضرات کے لیے جنہیں کفار کے غلبہ سے سستی اور غفلت ہوئی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے پر کفار آمادہ ہوئے تو وہ انہیں چھوڑ کر بھاگ نکلے اور

مشرکین کے ساتھ مقابلہ کرنے میں ڈھیلے پڑ گئے اور ان کے سامنے عجز و انکسار کا مظاہرہ کیا بلکہ اتنے کمزور ہوئے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین خبیث کو اپنا قائد بنا کر ابوسفیان (جب کہ کفار کے سردار تھے) سے امان کی طلب کا مشورہ کر رہے تھے وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ اور اللہ تعالیٰ صابرین سے محبت کرتا ہے۔ جب کہ شدائد و مصائب کے وقت صبر کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دکھ اور تکالیف کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے اور ان کی عزت و عظمت بڑھاتا ہے وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اور قولہم کا منصوب ہونا کان کی وجہ سے ہے اور اس کا اسم ان اور اس کا مابعد ہے جو اس مضمون میں ہے اِلَّآ اَنْ قَالُوْا یہ اعم الاشیاء سے استثناء مفرغ ہے یعنی وہ حضرات دشمنوں کے مقابلہ اور جنگ کی سخت سے سخت کارروائیوں اور شدائد و مصائب کے وقت جو کہ جنگ کے باعث ان پر پہنچیں تو صرف یہی کہتے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا۔ اے ہمارے رب ہمارے صغیرہ گناہ بخش دے۔ وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا اور کبائر کے ارتکاب میں تجاوز عن الحد کر جانا۔

سوال: ان حضرات نے غلطیوں کے ارتکاب کا اعتراف کیوں کیا۔ حالانکہ وہ تو ایسی خامیوں سے پاک تھے۔

جواب: کسر نفسی کی بنا پر یا اپنے کو قصور وار سمجھ کر اور مصائب کا نشانہ اعمال کی وجہ سے خیال کر کے ان غلطیوں کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔

سوال: مغفرت کو دعا سے کیوں مقدم کیا۔

جواب: اس لیے کہ اس حال کو زیادہ اہمیت اس میں تھی کہ دعا سے مغفرت کو مقدم کیا جائے اور دعا کا مضمون یہ ہے وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اور ہمیں جنگ کے میدان میں ثابت قدم رکھ کہ ہمارے ہاتھ سے تقویٰ کا دامن نہ چھوٹے اور ہر وقت تیری طرف سے تائید غیبی ہمارے شامل حال رہے یا یہ کہ ہمیں اپنے دین حق پر ثابت قدم رکھ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ اور ہمیں قوم کفار پر فتح و نصرت عطا فرما۔ یہ کلمات اس لیے کہے گئے تاکہ استجابتہ دعا قریب تر ہو۔ اس لیے کہ وہ دعا جس میں خشوع و خضوع و صفائی اور طہارت قلب ہو وہ اقرب الی الاستجابتہ ہوتی ہے معنیٰ یہ ہے کہ وہ حضرات ایسی دعا پر مواظبت کرتے اور ان سے کوئی کلمہ ہرگز نہیں صادر ہوتا تھا کہ جس میں میدان جنگ یا دین کے امور میں کسی قسم کی جزع یا تزلزل کا شائبہ ہو اس میں شکست کھا کر بھاگنے والوں پر تعریض ہے جیسا کہ ظاہر ہے فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کی وجہ سے یہ جملہ امور عطا فرمائے۔

ثَوَابَ الدُّنْيَا ثواب دنیا سے فتح و نصرت اور عزت نیک نامی مراد ہے وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ اور ثواب الآخرۃ سے بہشت اور دائمی نعمتیں مراد ہیں آخرت کے ثواب کو حسن سے مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے تاکہ دلالت ہو کہ آخرت کے ثواب میں تزاید اور خصوصیت سے فضل الٰہی شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی یہی ثواب معتبر ہے۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور اللہ تعالیٰ محسنین سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے سے محبت کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے بندے سے راضی اور اُس کے ساتھ خصوصی بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ دراصل یہی ہر سعادت کا مبدا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے اپنے اوصاف کریمہ سے موصوف کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اپنے سے جنگ و جلال میں مبتلا کر دیتا ہے پھر اُسے دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رکھتا ہے پھر اُن کی ذوات سے بہترین جواہر ظاہر کرتا ہے یعنی اعلےٰ صفات سے موصوف بناتا ہے کہ جن اوصاف سے بنو آدم مکرم و معظم ٹھہرتے ہیں اور انہیں صبر و احسان کی توفیق عنایت فرماتا ہے جو یہ بھی منجملہ اللہ تعالیٰ کے صفات کا حامل ہو جائے اس سے محبت کرتا ہے اس لیے فرمایا واللہ یحب الصابرین اور فرمایا واللہ یحب المحسنین۔

ف: حضرت امام رازی نے واللہ یحبُّ المحسنین کی تفسیر میں فرمایا کہ اس میں بہترین اور عجیب و غریب لطیفہ ہے وہ یہ کہ ان لوگوں نے اپنے مجرم ہونے کا اعتراف کیا جب کہ انہوں نے کہا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْۤ اَمْرِنَا جب انہوں نے یہ اعتراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مُحسنین کے نام سے موسوم فرمایا۔ گویا انہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو جب تم نے اپنی برائی و عاجزی کا اعتراف کیا تو میں تمہیں احسان کی صفت سے موصوف کرتا ہوں اور میں صرف تمہیں اپنا محبوب بناتا ہوں تاکہ معلوم ہو کہ بندہ اپنے مولیٰ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک عجز و انکساری اور مسکینی و ذلت کا اظہار نہ کرے[1]؎

کنوں باید ت عذر تقصیر گفت	نہ چوں نفس ناطق ز گفتن بخفت
تو پیش از عقوبت در عفو کوب	کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

ترجمہ: ۱۔ تقصیر کا عذر تمہیں ابھی کرنا چاہیئے نہ جب نفس بولنے سے سو جائے۔

۲۔ سزا سے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکائیے۔ بوجھ سر پر پہنچنے کے بعد فریاد کا کوئی فائدہ نہیں۔

حکایت: آصف بن برخیا سے ایک گناہ ہو گیا تو وہ حضرت سلیمان بن داؤد (علی نبینا و علیہما السلام) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ دُعا فرمائیے تاکہ اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرمائے۔ انہوں نے آصف کے لیے دُعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے گناہ معاف فرمادیے پھر دوبارہ ان سے گناہ ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان (علیٰ نبینا و علیہ السلام) کے عرض

---

[1] حضرت مولانا محمد عالم پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

حمد چراغ دلاں تاریکاں مشغل شب مہجوراں ۔۔۔ ہر ہر ذرہ جس تھیں چمکیا دیہہ انوار تصوراں ۔ اویسی غفرلہ

کرنے پر اُن کا گناہ معاف فرمادیا۔ اسی طرح اُن کا یہ معاملہ کئی بار ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اب اس سے غلطی ہوئی تو دُعا نہ مانگنا ورنہ دُعا قبول نہ کروں گا۔ چنانچہ پھر اُس سے غلطی ہوئی تو سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دُعا کا عرض کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سارا ماجرا سنایا۔ تو وہاں سے آصف عصا لے کر اٹھا اور جنگل میں چلا گیا اور عصا کو زمین پر رکھ کر ہاتھ اُٹھا کر اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی الٰہ العالمین تو مغفرت کرنے کے لیے ہے اور میں گناہ کرنے کے لیے ہوں۔ میں ضعیف و مجرم ہوں اور تو غفور رحیم ہے اگر تو مجھے گناہوں سے نہ بچائے گا تو میں بار بار گناہ کروں گا۔ اسی طرح اس کلمہ کو دہراتا رہا۔ یہاں تک کہ بیہوش ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا کہ اپنے خالہ زاد بھائی (آصف) کو فرمایئے اب تم گناہ کرتے جاؤ میں بخشتا جاؤں گا۔ اسی طرح بار بار فرمایا کہ میں بخشتا جاؤں گا۔ اس لیے کہ میں غفار (گناہ بخشنے والا) ہوں۔

کنونت کہ چشمت اشکے بیار — زباں در دہانست عذرے بیار
فراشو چو بینی در صلح باز — کہ ناگہ در توبہ گردد فراز
مرو زیر بار گناہ اے پسر — کہ حمال عاجز بود در سفر

ترجمہ: ۱۔ ابھی تیری آنکھ میں آنسو موجود ہیں اور زبان منہ میں ہے فلہذا عذر بارگاہ حق میں پیش کر۔
۲۔ ابھی توبہ کرلے اس لیے کہ صلح کا دروازہ کھلا ہے غفلت نہ کر ممکن ہے توبہ کا دروازہ بند نہ ہو جائے۔
۳۔ گناہ کے بوجھ کے نیچے مت جا اس لیے کہ سفر میں بوجھ تکلیف دیتا ہے۔

سبق: اے سالک تجھے شیطان دُنیا کی رنگینیوں سے دھوکہ میں نہ ڈالے۔ اس لیے کہ تو جانتا ہے کہ دُنیا فانی ہے۔

نصیحت ربانی

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیٰ نبینا و علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں تجھے اور تیری اولاد کو ایک محل میں بسانے والا ہوں جس محل کے چار رکن ہیں۔

۱۔ جس مکان کی تم تعمیر کروگے۔ میں اسے خراب کر ڈالوں گا۔
۲۔ جسے تم جوڑوگے میں اسے توڑوں گا۔
۳۔ جتنا اولاد تم جنوگے میں اُسے مار ڈالوں گا۔
۴۔ جتنا تم جمع کروگے میں اسے مٹا ڈالوں گا۔

(اللہ سے ہی عصمت اور توفیق الی سواء الطریق کی درخواست ہے)

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِن تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَابِكُمْ فَتَنقَلِبُوا
خٰسِرِينَ ۝ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِينَ ۝ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ
كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ أَشْرَكُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطٰنًا ۚ وَمَأْوٰىهُمُ النَّارُ ۚ
وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِينَ ۝ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهُٓ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ ۖ حَتّٰىٓ
إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنٰزَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُم مِّن بَعْدِ مَآ أَرٰىكُم مَّا تُحِبُّونَ ۚ
مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ
وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُۥنَ
عَلَىٰٓ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِيٓ أُخْرٰىكُمْ فَأَثٰبَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا
عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ أَصٰبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن
بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشٰى طَآئِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ
يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجٰهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ
إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُۥ لِلّٰهِ ۗ يُخْفُونَ فِيٓ أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ
الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقَتْلُ إِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ
وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ إِنَّمَا
اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو اگر تم ان کے پیچھے لگے جو راہ کفر اختیار کر چکے ہیں تو وہ تمہیں الٹے پاؤں (کفر کی طرف) لوٹا دیں گے پھر گھاٹا کھا کے پلٹ جاؤ گے بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے۔ ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا جس پر اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا برا ٹھکانا ہے ظالموں کا اور بے شک اللہ نے تمہیں اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب کہ تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم نے نافرمانی کی اور حکم میں جھگڑا ڈالا۔ اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ تمہیں دکھا چکا تھا تمہاری خوشی کی بات تم میں سے بعض دنیا کے خواہش مند ہو گئے اور بعض نے آخرت کی خواہش کی پھر تمہارا رخ ان کی طرف پھیر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے اور بے شک اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ مسلمانوں پر فضل کرتا ہے جب تم منہ اٹھائے چلے جاتے تھے

اور پیٹھ پھیر کر کسی کو نہ دیکھتے اور دوسری جماعت میں ہمارے رسول تمہیں پکارتے تھے تو تمہیں غم کا بدلہ غم دیا اور معافی اس لیے سنائی کہ جو ہاتھ سے گیا اور جو افتاد پڑی اس کا رنج نہ کرو اور اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے پھر تم پر غم کے بعد چین کی نیند اتاری کہ تمہاری ایک جماعت کو گھیرے ہوئے تھی اور ایک گروہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اللہ پر بے جا گمان کرتے تھے جاہلیت کے سے گمان کہتے کیا اس معاملہ میں کچھ ہمارا بھی اختیار ہے تم فرما دو کہ اختیار تو سارا اللہ کا ہے اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے تم فرما دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے جب بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا اپنی قتل گاہوں تک نکل کر آتے اور اس لیے کہ اللہ تمہارے سینوں کی بات آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے کھول دے اور اللہ دلوں کی بات جانتا ہے بے شک وہ جو تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں انہیں شیطان ہی نے لغزش دی ان کے بعض اعمال کے باعث اور بے شک اللہ نے انہیں معاف فرما دیا بے شک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

(یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا)

شانِ نزول یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی۔ جب کہ انہوں نے اہل ایمان کو شکست کے وقت کہا اب اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ اور روٹھے ہوئے بھائیوں سے مل جاؤ۔ اگر نبی (علیہ السلام) سچا ہوتا تو وہ مغلوب ہوتا نہ شہید۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ایمان والو اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اگر تم ان کافروں کی اطاعت کرو گے انہیں کافر اس لیے کہا گیا ہے تاکہ ان سے مزید نفرت اور ان کی بات سے بچنے پر تنبیہ ہو۔ یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ (تمہیں اپنے گٹوں پر لوٹا دیں گے) یعنی وہ تمہیں اپنے دین میں داخل کر دیں گے۔ لوٹانے کی نسبت اُن کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ وہی اس کے مُدعی تھے اور ارتداد علی العقب سے دینی اُمور میں برعکس ہو جانا یعنی کفر میں پھنس جانا اور یہ اس وقت بھی ہوتا ہے جب کہ بندے کو فائدہ کے بعد نقصان اٹھانا پڑے فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ پس لوٹو گے خسارہ والے ہو کر یعنی دُنیا کی عزت چھن جائے گی ۔ اور آخرت کی سعادت سے محروم ہو جاؤ گے۔ دُنیا کی عزت اس لیے سَلب ہو جائے گی کہ انسان کو اس سے اور کون سی ذلت ہو گی جب کہ دشمن کے تابع ہو کر گزارے اور اُس کا نیاز مند رہے اور ہر ضرورت کے لیے اُس کے آگے ہاتھ پھیلائے اور آخرت سے محرومی یہی ہے کہ وعدہ دیئے ہوئے ثواب سے محروم ہو کر دائمی عذاب میں مُبتلا ہے۔ بَلِ اللّٰہُ مَوْلٰکُمْ بلکہ تمہارا اللہ تعالےٰ مددگار ہے وہ تمہارے مددگار نہیں اگر تم اُن کی اطاعت کرو گے تو

تو تمہاری مدد نہ کریں گے۔ تمہاری مدد کرنے والا تو تمہارا رب تعالیٰ ہے نہ کہ کوئی دوسرا اس لیے صرف اُسی کی اطاعت کرو اس کی مدد پر بھروسہ کرکے دوسروں سے مستغنی ہو جاؤ۔ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ اور وہی تمہارا مددگار ہے للہٰذا اس کو اطاعت و استعانت کا حقدار سمجھو۔ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ عنقریب کافروں کے دِل پر رُعب ڈالوں گا۔ چنانچہ غزوہ اُحد میں ان کے دِل میں خوف ڈالا گیا جس کی وجہ سے بلا وجہ وہ جنگ کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ حالانکہ انہیں اس وقت زبردست طاقت بھی حاصل تھی اور غلبہ بھی۔ اور رُعب اُس خوف کو کہتے ہیں۔ جو کسی کے دِل میں ڈالا جائے۔ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ اُن کے شرک کی وجہ سے اُن کے دِل میں رُعب ڈالا گیا اس لیے کہ یہی شرک اُن کی رسوائی اور مومنین کی فتح و نصرت کا سبب بنتا ہے مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے شریک ٹھہرانے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی سُلْطٰنًا بمعنے حجت و برہان اور لفظ مَا اَشْرَكُوْا کا مفعول بہ ہے اس لیے کہ اَشْرَكُوْا اس پر واقع ہوا ہے۔ اور اس سے اُن کے معبود باطلہ مراد ہیں۔ یعنی نہ اُن کے شرک کرنے پر کوئی حجت ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی دلیل ہے۔ سلطان دراصل قوت کو کہتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے سلطان الملک یعنی اس کی قوت اس لیے مدعی کی دلیل کو بھی سلطان کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ اس کی وجہ سے باطل مدعی کا دعوےٰ توڑتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ دلیل وہی مفید ہے جو من جانب اللہ ہو نہ کہ اپنے خیالات فاسدہ اور قیاسات باطلہ سے وَمَاْوٰىهُمُ اور اُن کا ماویٰ جہنم ہے۔ ماویٰ ہر اُس شئے کو کہتے ہیں جس کی طرف آخرت میں وہ لوگ رجوع کریں گے النَّارُ جہنم ان کا ٹھکانا اُن کے لیے جہنم کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہو گی وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ اور ظالمین کے لیے وہ بہت برا ٹھکانا ہے اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے یعنی نار۔

سوال: ماویٰ کہنے کے بعد مثویٰ کو کیوں لایا گیا۔

جواب: اس میں ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ وہ کفار دائمی طور جہنم میں رہیں گے اس لیے کہ مثویٰ انسان کی ہر وہ اقامت گاہ ہے جہاں وہ ہمیشہ ٹھہرے اور ماویٰ ہر وہ جگہ جہاں چند لمحات آرام کے لیے ٹھہرے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دِلوں میں رُعب اور امن و رغبت اور خوف وغیرہ ڈالتا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ بندوں کے دِل اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ انھیں پھیرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور فرمایا کہ بندہ کا دِل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں (قدرت) میں سے صرف دو انگلیوں میں بندھا ہوتا ہے وہ چاہے تو اپنے بندے کے دِل کو صحیح رکھے اور چاہے تو اسے ٹیڑھا کرے اسی لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف عجز و زاری کرے اور دُعا مانگے تاکہ وہ اسے نفوس کا فرہ خصوصاً نفس امارہ پر غلبہ لطائف پا جائے اس لیے اگر کسی نے اس نفس امارہ کا کہا مانا جیسا کہ وہ چاہتا ہے تو اُسے نفس امارہ بشریت کے بہت گہرے

گڑھوں کی طرف دھکیل دے گا۔ جس کی وجہ سے وہ بندہ سخت سے سخت نقصان اٹھائے گا۔

نمی تازد ایں نفس سرکش چناں — کہ عقلش تواند گرفتن عناں

کہ بانفس و شیطان برآید بزور — مصاف پلنگاں نیاید ز مور

ترجمہ: ۱۔ نفس قابو میں نہ آئے گا اور عقل بھی اس کی باگ نہیں موڑ سکتا نفس شیطان سے زور آزمائی کون کر سکتا یہ ایسے ہے جیسے چیونٹی شیر چیتے کے ساتھ زور آزمائی کرے۔

روحانی بیماریاں اور اُن کا علاج

حضرت الشیخ ابو علی الرو ذباری قدس سرہ نے فرمایا آفت روحانی تین بیماریوں کی وجہ سے آتی ہے۔

۱۔ طبیعت ۲۔ ملازمۃ العادۃ ۳۔ فساد الصحبۃ۔ آپ سے پوچھا گیا کہ طبیعت کی بیماری کی کیا علامت ہے۔ آپ نے فرمایا اکل حرام پھر سوال ہوا کہ ملازمۃ العادۃ کے علامات بتائیے۔ آپ نے فرمایا جن اشیاء کا دیکھنا سننا حرام ہے انہیں دیکھنا اور سُننا جیسے غیبت پھر پوچھا گیا کہ فساد الصحبت کی کونسی نشانیاں ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کی علامت یہ ہے کہ نفس میں کوئی شہوت ابھرتی ہے تو وہ نفس اُس کے پورا کرنے کے درپئے ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر توفیق ربانی مدد نہ کرے تو وہ شخص نفس کی اندھیریوں میں چھوڑ دیا جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے یعنی وہ تمہیں بشریت کی تاریکیوں سے نکال کر انوار ربوبیت کی طرف لے جاتا ہے پس جو شخص اپنے نفس کو اپنا مولیٰ بنا لیتا ہے تو اُس کا ظلمات نفسانیہ سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

قاعدہ رُوحانیہ: اس میں ضابطہ یہ ہے کہ انسان پورے طور اپنے مولیٰ حقیقی کا ہو کر رہے سوائے اُس کے کسی کی عبادت نہ کرے۔

حکایت: حضرت اصمعی فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان حسین و جمیل سفر کو روانہ ہوا تو جنگل کا راستہ طے کرنا پڑا اتفاقیہ اُس کی ہم سفر ایک عورت ہو گئی وہ اس نوجوان پر عاشق ہو گئی۔ راستہ کاٹتے ہوئے اس عورت نے کہا۔ اے چلنے والے مسافر کیا تم کوئی شعر بھی پڑھ سکتے ہو۔ نوجوان نے کہا ہاں۔ اس عورت نے کہا تو پھر سنائیے۔ نوجوان نے یہ شعر پڑھا۔

وَلست من النساء ولسن منی — لا ابغی الفجور الی الممات

فلا تطمعنی فیما لدینا — ولو قد طال سیر فی الفلاۃ

فان اللہ یبصر فوق عرش — ویغضب للفعال الموبقات

ترجمہ: نہ میں عورتوں میں اور نہ وہ مجھ سے ہیں۔ میں تو مرتے دم تک زنا نہ کروں گا۔ فلہٰذا اے ساتھ چلنے والی عورت میرے سے اس فعل کا طمع دل سے نکال دے۔ اگرچہ تمہارا اور میرا اس جنگل میں ساتھ چلنا ایک عرصہ دراز

ہتک بھی کیوں نہ ہو۔
اس لیے کہ میرا رب عرش سے مجھے دیکھ رہا ہے اور وہ ایسی غلط کاریوں اور تباہ فعلیوں سے ناراض ہوتا ہے۔

اس عورت نے کہا چھوڑیئے اس شعر کو بھلا بتایئے تم قرآنی آیات بھی سنا سکتے ہو۔ نوجوان نے کہا کیوں نہیں اس عورت نے کہا پڑھیئے بسم اللہ۔ اس نوجوان نے پڑھا ورسلے الزانیۃ" والزانی فاجلدوا کلّ واحد منھما" اس عورت نے کہا یہ تم نے کیا پڑھ لیا۔ چھوڑیئے اب مجھے رخصت دیجئے۔ اس نوجوان سے مطلب نہ پا سکی خائب و خاسر ہو کر لوٹی۔

سبق: دیکھئے اس نوجوان نے کس طرح نفس کی شرارت اور شہوت کے غلبہ سے نجات پائی اور کیسے گناہ سے بچنے کی تدبیر بنائی اور بہت بڑے گناہ کے ارتکاب سے بچ گیا۔ اس نے صبر کیا تو اللہ تعالیٰ بھی صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ؎

جواں چست می باید کہ از شہوت بپرہیزد
کہ پیرست رغبت را خود آلت برنجی خیزد

ترجمہ: جوان کو چاہیئے کہ وہ چالاک وچست ہو کہ اسے شہوت سے پرہیز کرے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے ابتدائی حال میں مجاہدہ کی عادت نہیں رکھتا تو وہ طریقت و معرفت کی خوشبو تک بھی نہیں سونگھے گا۔ اس لیے کہ چالیس سال کے بعد زہد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ اس ذنب کی عمر سے فوائد و منافع سے چنداں ثمرات حاصل نہیں ہوتے۔ اور تجھے یہ خبر (بڑھاپے کی فضیلت کی حدیث) بھی دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ ہی اس پر سہارا کرکے عبادت میں سستی کا شکار ہو جائے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر کو کوئی ایسا مقام نہیں ملتا اور نہ ہی اس عمر تک پہنچتا ہے کہ اس سے امر و نہی ساقط ہو جائیں بلکہ مقصد تو یہ ہے کہ بندہ عبادت میں ایسی جدوجہد کرے کہ اسے مقام یقین نصیب ہو۔ ورنہ عبادت بجالانے میں بوڑھا و نوجوان برابر ہیں۔ اس لیے کہ ہر دونوں اوامر و نواہی میں مکلف ہیں بلکہ ہر وہ امور جو جوانی میں نہیں پورے کئے جا سکے وہ بڑھاپے میں پورے کئے جا سکتے ہیں حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اے دل شباب رفت و نچیدی گلے زعمر
پیرانہ سر بکن ہنرے ننگ و نام را

ترجمہ: اے دل جوانی گئی لیکن تو نے زندگی کے باغ سے کوئی پھول نہ لیا۔ بڑھاپے میں کوئی ایسا کام کر جو تیرا نام روشن رکھے۔

لے زانی مرد اور عورت دونوں کو درے مارو۔ ۱۲۔

تفسیر عالمانہ (وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ) (بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا) وَعْدَهٗ بظاہر صدقکم کا مفعول ثانی ہے۔ یا بطور نزع الخافض کے منصوب ہے کہ دراصل فی وعدہ تھا۔

شانِ نزول یہ ان مومنین کے حق میں نازل ہوئی جنھوں نے مدینہ شریف کی طرف واپسی پر کہا کہ اس جنگ (احد) میں ہمیں شکست کیوں ہوئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا تھا۔ وہ یہ کہ حضور علیہ السلام نے تیر اندازوں کو فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرے رہنا۔ انشاء اللہ تعالیٰ فتح ونصرت ہمیں حاصل ہوگی بشرطیکہ تم اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ اس کے بعد ہوا بھی ایسے ہی کہ جب مسلمانوں نے کفار پر دوبارہ حملہ کیا تو تیر انداز اپنے تیروں سے اور باقی حضرات تلواروں سے کفار کو مارتے رہے یہاں تک کہ کفار شکست کھا کر بھاگے۔ پھر مسلمان ان کے پیچھے چلتے ہوئے انہیں تیزی سے قتل کررہے تھے۔ چنانچہ فرمایا اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ جب کہ تم محسوس کررہے تھے کہ تم انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کررہے تھے۔

حل لغات: تحسونھم یہ حسۃ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ فعل کے گمان سے حس باطل منصور ہو اور یہ عموماً بوجہ قتل وخون کے ہوتا ہے اور یہ جملہ "صدقکم کا ظرف ہے بِاِذْنِهٖ اس کی مشیت اور اس کی تیسیر و توفیق سے" یہ جملہ تحسونھم سے حال ہے (حَتّٰٓى) یہ ابتدائیہ اور جملہ شرطیہ پر داخل ہے اِذَا فَشِلْتُمْ جب کہ تم بزدل ہوئے اور تمہاری رائے کمزور پڑگئی یا یہ کہ تم مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے اس لیے کہ حرص ضعف قلبی کی وجہ سے ہوتا ہے وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ اور تم حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کے متعلق آپس میں جھگڑتے تھے۔ ان میں بعض تو کہتے تھے کہ اب کفار شکست کھا کر راہ فرار اختیار کرچکے ہیں۔ اور ہمارے مسلمان بھائی ان کا پیچھا کئے ہوئے اور ان کی گردنیں اڑا رہے ہیں۔ پھر ہمارا یہاں ٹھہرنا بے سود ہے۔ ان کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم حضور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہرگز نہیں کریں گے۔ وہ وہاں چند ساتھیوں سمیت ٹھہرے رہے جن کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔ باقی مال غنیمت کو جمع کرنے کے لیے مرکز کو چھوڑ کر مال غنیمت پر جھپٹ پڑے چنانچہ فرمایا وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۝ اور تم نے نافرمانی کی بعد ازاں جب کہ فتح ونصرت از مال غنیمت اور کفار کی شکست نظر آئی۔

بقایا واقعہ جب کفار نے دیکھا کہ مسلمانوں نے مرکز چھوڑ دیا ہے تو پہاڑی کی اوٹ سے لشکر اسلام پر حملہ کردیا۔ جس سے تیر اندازوں کے سردار اور ان کے تمام ساتھیوں کو شہید کردیا۔ جیسا کہ پہلے واقعہ تفصیل سے گزرا ہے۔

سوال: عصیان کو مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ سے کیوں مقید کیا گیا ہے۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ یہی ان کا بہت بڑا گناہ ہے اس لیے کہ جب انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا ہے۔ اب اُن کا فرض منصبی تھا کہ وہ گناہ سے بچ جاتے نہ کہ اُلٹا گناہ کا ارتکاب کرتے۔

ف: اذا کا جواب محذوف ہے ای منعکم نصرہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد تم سے روک دی مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُرِيدُ الدُّنۡيَا بعض تم میں وہ تھے جو صرف دُنیا کا ارادہ رکھتے تھے۔

شانِ نزول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس جملہ کے بعد مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ ہم میں کون حصول دُنیا کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ دوسرا جملہ نازل ہوا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُرِيدُ الۡاٰخِرَةَ اور بعض تم میں وہ تھے جو کہ صرف آخرت اُن کی مراد تھی۔ اُن سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے مرکز کو نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ جام شہادت نوش فرمایا ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ (پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اُن سے پھیرا) اس کا جملہ محذوفہ پر عطف ہے جیسے پہلے بتایا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفار سے روکا اور تمہیں شکست فاش سے بچا کر فاتح و غالب بنا دیا۔ اس لیے کہ ان پر دبور کی ہوا چلی حالانکہ اس سے قبل صبا کی ہوا چل رہی تھی۔ لِيَبۡتَلِيَكُمۡ تاکہ تمہاری آزمائش کرے یعنی تاکہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جیسے کسی سے آزمائش کے وقت کیا جاتا ہے تاکہ مصائب کے وقت تمہاری ثابت قدمی کا اظہار ہو وَلَقَدۡ عَفَا عَنۡكُمۡ بیشک اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے تمہیں معاف فرما دیا جب کہ انہیں دیکھا کہ تم اپنے کئے پر سخت نادم ہو۔ وَاللّٰهُ ذُو فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِينَ اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بڑا فضل فرماتا ہے۔ یعنی اُس کی شان بھی یہی ہے کہ وہ انہیں اپنے فضل و کرم سے معاف فرماوے یا یہ کہ اہل ایمان پر ہر حال میں فضل و کرم کرے نعمتوں سے نوازے تب بھی اس کا فضل و کرم ہوتا ہے اگر مصائب میں مبتلا کرے تب بھی۔ اس لیے کہ انہیں مصائب میں مبتلا کر دینا بھی اس کی رحمت ہوتی ہے جب کہ اُن کے اُس وقت کے حالات کے مناسب یونہی ہوتا ہے۔ اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ یہ صَرَفَكُمۡ کے متعلق ہے اور الاصعاد بمعنے الذھاب والابعاد فی الارض ہے یعنی جب کہ تم میدان جنگ چھوڑ کر بہت دُور نکل چکے تھے۔

وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ اور پیچھے کی طرف تم مڑ کر دیکھتے بھی نہیں تھے اور نہ پیچھے کی طرف تمہیں کچھ التفات تھا بلکہ تمہارا کوئی کسی دوسرے ساتھی کے لیے ٹھہرتا بھی نہیں تھا وَالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہیں بلاتے رہے چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پکار کر فرماتے اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ انا رسول اللہ من یکر فلہ الجنۃ اے اللہ تعالیٰ کے بندو میرے ہاں آجاؤ میں ہی اللہ تعالیٰ کا رسول زندہ ہوں۔ جو شخص واپس لوٹے گا اسے انعام میں بہشت نصیب ہو گی۔

ازالۂ وہم حضور علیہ السلام کا انہیں بلانا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنا پر تھا۔ یعنی اس بات کی نہی کہ وہ شکست کھا کر بھاگ رہے ہے اور کفار سے جنگ کرنے کو چھوڑے جا رہے تھے نہ یہ کہ حضور علیہ السلام کو اُن کی

ضرورت تھی کہ بطور استعانت کے انہیں بلاتے تھے فِیۡۤ اُخۡرٰىكُمۡ تمہاری پچھلی صف اور آخری جماعت میں۔

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنگ کی آخری صف میں کھڑے ہو کر انہیں بلاتے تھے انہیں آخری کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ جب وہ بھاگے تو گویا وہ حضور علیہ السلام سے آگے ہو گئے فَاَثَابَكُمۡ اس کا عطف صرفکم پر ہے یعنی پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے کئے ہوئے عمل کی جزاء عطا فرمائی (غَمًّا) غم رنج (بِغَمٍّ) غم کے عوض پہنچا۔ مثلاً ان حضرات میں سے بعض کی شہادت اور بعض کے زخمی ہونے اور کفار کے کامیاب ہو جانے اور حضور نبی علیہ السلام کے شہید ہونے پر آمادگی کی وجہ سے انہیں غم لاحق ہوا یا یہ معنیٰ ہے کہ تمہیں اس وجہ سے غم پہنچا کہ تم نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر کے ان کا دل دکھایا۔ لِّكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ‌ ؕ تاکہ تم فوت شدہ منافع اور پہنچی ہوئی تکالیف و مصائب پر غم نہ کھاؤ یعنی شدائد پر صبر کرنے کی مشق کرو اور غم کے گھونٹ پینے کی عادت ڈالو تاکہ جانے والے منافع یا آنے والے نقصانات سے غم نہ کھاؤ۔

وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے یعنی وہ تمہارے اعمال و مقاصد کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ جان لو کہ صبر و یقین اور توکل علی اللہ اور دنیا کی طرف نہ جھکنے اور اس کے نقوش اور رنگینیوں کی طرف میل نہ کرنا اور حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے بچنا مددِ الٰہی اور فتحمندی کو مستلزم ہیں۔ اور بزدلی اور آپس کا جھگڑا اور دنیا کی طرف جھکاؤ اور حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی آزمائش اور دشمنوں سے بھاگنے کے سبب بنتے ہیں۔

نسخہ فتح و نصرت جو شخص ظاہری و باطنی دشمنوں پر کامیابی چاہتا ہے اسے چاہیے کہ صرف وہ راستہ اختیار کرے جس پر شرع مطہرہ نے چلنے کا حکم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر آزمائش پر راضی ہونا اور آخرت کا غم نہ کرنا فتح و نصرت کا نسخہ ہے بلکہ صرف غم ہو تو طلبِ حق کا ہو۔ کیونکہ یہی غم دنیا و آخرت کی تمام لذتوں سے لذیذ تر ہے اور دین کے بارے میں ہر دکھ درد پر صبر کرے ؎

صبر آرد آرزو را نہ شتاب
صبر کن واللہ اعلم بالصواب،

ترجمہ: صبر کو کام میں لا آرزو کے مطابق کام نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اس پر بھی صبر ضروری ہے اللہ بھلائی کو خوب جانتا ہے۔

روحانی نسخہ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مرید کے سلوک کے منازل کی ادنیٰ منزل یہ ہے کہ اگر اسے اللہ تعالیٰ دوزخ میں داخل کرے اور جہنم کا عذاب ہر طرف سے کھول دے تو بھی اس کی محبت الٰہیہ اور انس ربانی اور شوقِ یزدانی میں بال برابر کمی نہ آئے بلکہ اس وقت اس کی نظر دل میں اس نعمت

(اگرچہ دوزخ دوسروں کے لیے عذابِ عظیم ہے) کے مقابلہ میں بہشت اتنا حقیر ترین نظر آئے جیسے رائی کے دانہ کو آسمان و زمین سے نسبت ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس کو طاعت کے کڑوے گھونٹ پلائے اور اسے بابِ تسلیم و رضا میں مقید رکھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر و منزلت ہو۔

حکایت: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں نے خلیفۃ المسلمین حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ اے خلیفہ رسول اللہ آپ نے یہ بہت بڑا بلند مرتبہ کیسے پایا کہ آپ ہم سب سے فضائل و کمالات میں بڑھ گئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا پانچ چیزوں سے۔

① لوگوں کو میں نے دو طرح پایا۔ (۱) دنیا کے طالب (۲) آخرت کے طالب۔ میں نے طالبِ عقبیٰ بننے کی کوشش کی۔

② جب سے دولتِ اسلام نصیب ہوئی میں نے دُنیا کے طعام سے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ اس لیے کہ معرفتِ الٰہی نے مجھے دُنیا کے لذیذ طعاموں سے باز رکھا۔

③ جب سے میں نے اسلام قبول کیا دُنیا کی بہترین مشروبات پانی وغیرہ سے پیٹ کبھی نہیں بھرا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت نے مجھے دُنیا کی تمام مشروبات سے بے نیاز کر دیا ہے۔

④ جونہی میرے سامنے دنیا و آخرت کے معاملے پیش ہوئے تو میں نے اخروی معاملہ کو دنیوی معاملہ پر ترجیح دی۔

⑤ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا حق ادا کیا اور دل میں عہد کر لیا کہ آپ کی رفاقت سے ایک پل بھی محروم نہ رہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ واقعی انہوں نے حضور علیہ السلام کی صحبت کا حق ادا کیا کہ پل بھر بھی ان سے جدائی گوارا نہ کی۔ یہاں تک کہ اگر آپ غار میں تشریف لے گئے تو صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے ساتھ تھے اور پھر اس غار میں بہت بڑے دکھ درد جھیلے لیکن اس کے باوجود آپ کی صحبت و رفاقت میں ذرہ برابر کمی نہ ہوئی اور نہ ہی اُن سے کبھی مخالفت نبوی سرزد ہوئی۔ جیسا کہ بعض اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کبھی کبھی (اگرچہ سہواً یا خطاً) مخالفت واقع ہو گئی۔ جیسے غزوہ اُحد میں بعض حضرات شکست کے وقت بھاگ نکلے۔

کیست دانی صرفی صافی زرنگ تفرقہ،
آنکہ دارد در دیک رنگی دریں کاخ دو رنگ

نگسلد سررشتہ سرش زجاناں گرباشرض
رُوبرو گیرد زیک سو شیر و دیگر سو پلنگ

ترجمہ ۱: تمہیں معلوم ہے کہ صوفی صافی کون ہے وہ ہے جو اس دورنگی دنیا میں صرف ایک کی طرف اپنی توجہ رکھتا ہے۔
ترجمہ ۲: محبوب سے تعلق ہرگز نہیں توڑتا اگرچہ آپ ایک طرف سے شیر پھاڑنے کو کھڑا ہو دوسری طرف چیتا۔

وحیِ جلیل بسوئے حضرت خلیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے ابراہیم تو میرا خلیل اور میں تیرا خلیل ہوں۔ دیکھنا کبھی ایسا نہ ہو کہ تیرا راز کسی دوسرے سے ہو۔ یاد رکھنا اگر کبھی میں نے تیرا راز میرے غیر میں پایا تو میری اور تیری خلت قائم نہیں رہے گی۔ میرا ضابطہ ہے کہ میرا خلیل وہ ہے کہ اگر میں اسے آگ سے جلا دوں تب بھی اس کا راز میرے غیر سے نہ ہو۔ میری عزت و عظمت کی بزرگی اس کے قلب پر غالب ہو۔ اس لیے کہ ہر وہ راز جو پل برابر منقطع ہو جائے تو پھر وہ میرے ساتھ ہم کلامی اور دیدار کا اہل نہیں رہتا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَسْلِمْ - تسلیم و رضا کے لیے سر جھکا دے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں نے رب العالمین کے لیے سر جھکا دیا۔ اس کے بعد انہیں فلاخن کے ذریعے آگ میں ڈالا گیا لیکن ایسا صبر دکھایا کہ اتنی بہت بڑی مصیبت کے باوجود اُف تک نہ کی بلکہ اپنا معاملہ اس کی طرف سپرد کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلّت سے نوازا اور آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا۔

رُوحانی نسخے وہ خوشنودی جو رب تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو نصیب ہو وہی اس کو بلند مقامات اور بہترین حالات تک پہنچا دیتی ہے اس میں سب سے اعلیٰ درجہ توحید کا ہے اس سے ہی بندے کو قوتِ یقین اور مقام ولایت تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔

ولی اللہ کے علامات: حضرت یحییٰ بن معاذ سے سوال ہوا کہ ولی اللہ کی علامات کیا ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔

(۱) صبر اُس کا اوڑھنا۔
(۲) شکر اس کا بچھونا۔
(۳) فقر اس کی آرزو۔
(۴) تقویٰ اس کی سواری۔
(۵) حکمت اس کی علم۔
(۶) توکل اس کا صابن۔
(۷) غربت پر اس کی ملازمت۔

(۸) حزن اس کا رفیق۔
(۹) ذکر الٰہی اس کا دوست۔
(۱۰) اللہ تعالیٰ اُس کا انیس ہو۔ (۱۱) قرآن مجید اس کا ساتھی۔

قوتِ رُوحِ اولیا ذکرِ حق است   پیشۂ ایشاں تو ذکرِ مطلق است
گر خبر داری اسرارِ خدا   در براہِ ذکر و طاعت حقیا

ترجمہ: (۱) اولیا کی روح کی غذا ذکرِ حق ہے ان کا پیشہ مطلقاً ذکر ہے۔
(۲) اے حقی اگر اسرارِ الٰہی سے باخبر ہے تو ذکر و طاعت کی راہ پہ آجا۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ اُس کا عطف فاثابکم پر ہے اور انزل اعطی و دھب سے مجاز ہے یعنی اے مومنو! پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں مِنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ غم مذکور کے بعد اَمَنَةً امن عطا فرمایا۔ اس کی نصب بنا بر مفعولیت ہے نُعَاسًا۔ یہ امنۃ سے بدل ہے یعنی اونگھ۔

حکایت: حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے غزوہ اُحد میں اپنا سر اٹھایا۔ اپنے تمام ساتھیوں کو دیکھا تو سب کے سر اونگھ سے ڈھالوں کے نیچے پڑے ہیں اور اس اونگھ سے میرے ہاتھ سے تلوار بار بار گر جاتی اُسے اٹھاتا تو ہاتھ کی لکڑی گر پڑتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ان میں وہ بھی تھے کہ جن پر اونگھ نہیں ڈالی گئی۔ چنانچہ فرمایا یَغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ تمہارے بعض گروہ کو اونگھ ڈھانپتی تھی۔ جن پر اونگھ طاری ہوئی وہی مہاجرین اور عام انصار تھے عموم الانزال علی الکل کہہ دینے سے کوئی حرج نہیں (کیونکہ الاکثر حکم الکل) قاعدہ مشہور ہے۔ یہ جملہ علی محل النصب ہے بایں طور کہ یہ نعاسا کی صفت ہے۔ وَطَآئِفَةٌ یہ مبتدا ہے۔ اس سے منافقین مراد ہیں۔

قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ انہیں نفسوں نے برانگیختہ کیا۔ یعنی اُن کے نفسوں نے اُن کے دلوں میں غم و حزن ڈال دیا تھا۔ یا یہ معنی ہے کہ انہیں صرف اپنے نفسوں کا غم تھا کہ یہاں سے جلد جان چھوٹ جائے۔ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ یہ اہتمہم کی ضمیر سے حال ہے۔ غَیْرَ الْحَقِّ یعنی حق ظن کے سوا جو اللہ تعالیٰ پر غلط گمان کیا جائے۔

ظَنَّ الْجَاهِلِیَّةِ یہ غیر الحق سے بدل ہے اور وہ مخصوص ظن جو ملتِ جاہلیۃ اور اس کے اہل میں تھا۔ یَقُوْلُوْنَ یہ یظنون سے بدل ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفساراً پوچھتے هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ ہمارے لیے بھی کوئی اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کے وعدے اور فتح و نصرت سے کچھ ہے یا نہ۔

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ فرمائیے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تمام امور اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ بالآخر غلبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کو ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہمیشہ غالب رہتا ہے یُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ یقولون کی ضمیر سے حال ہے چھپاتے ہیں وہ جو اُن کے دلوں میں ہے زبات

جو تمہیں بتاتے یعنی ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ یہ ہمارا سوال استرشاداً ہے حالانکہ دل میں انکار و تکذیب رکھتے ہیں ۔ یقولون یہ سوال مقدر کا جواب ہے ۔ سوال یہ ہے گویا کہا گیا کہ وہ کیا چھپاتے ہیں تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں یا یہ کہ ایک دوسرے سے چپکے چپکے کہتے لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ۔ اگر ہمارے لیے کسی امر میں کوئی شئے ہوتی جیسے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا ہے کہ غلبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کو ہوگا ۔ مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا تو یہاں قتل نہ کئے جاتے یعنی ہم مغلوب نہ ہوتے یا یہ کہ ہمارے میں جو مقتول ہوئے ہیں وہ یہاں اس جنگ میں مارے نہ جاتے اس لیے کہ یہ نفی نفس قتل کی طرف راجع ہے نہ فقط اس مقام پر قتل کے وقوع کی طرف یا یہ معنیٰ ہے کہ اگر ہمارے لیے یہاں سے نکل جانے کا اختیار یا تدبیر ہوتی تو ہم یہاں نہ ٹھہرے رہتے ۔ قُلْ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تکذیب اور ان کے معاملہ کا ابطال کر کے فرمائیے ۔ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اگر تم اپنے گھروں میں ٹھہرے رہتے اور غزوۂ اُحد کے لیے نہ نکلتے اور مدینہ طیبہ میں بیٹھے رہتے جیسے تم کہہ رہے ہو لَبَرَزَ تو البتہ نکلتے الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ وہ لوگ کہ جن کے متعلق لوح محفوظ میں لکھا جا چکا تھا کہ یہ غزوۂ احد میں مریں گے ۔ تو کوئی نہ کوئی سبب انہیں غزوہ احد کے لیے حاضری پر مجبور کر دیتا مَضَاجِعِهِمْ اُن کے بستروں میں ہی یعنی معرکہ جنگ میں جہاں مرے ہیں یہیں پر ہی اللہ تعالیٰ ان کی موت مقدر کر دیتا اور وہیں پر ہی لازمًا مقتول ہوتے ۔ انہیں مدینہ شریف میں اقامت پر عزیمت بالکل کوئی فائدہ نہ دیتی اس لیے کہ اُس کی تقدیر ہرگز نہیں ٹلتی اور نہ ہی اُس کے حکم میں کوئی خلاف ہوتا وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اور یہ جملہ فعل مقدر کی علت ہے جو اس سے پہلے محذوف ہے اور اس کا تمام دوسری علتوں پر عطف ہے اور بار بار بتایا گیا ہے اور سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امور کے ذریعے تمہاری بکثرت آزمائش ہو رہی ہے گویا کہا گیا ہے کہ جو کچھ ہوا ان سب میں تمہاری اصلاح و بہبودی اور فلاح و کامیابی ہے ۔ اب لیبتلی کا معنیٰ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو آزمائش والوں سے کیا جاتا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ تمہارے قلوب میں اخلاص ہے یا نفاق ۔ پھر دلوں کے اسرار اور مخفی بھید واضح ہو کر باہر آجائیں وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ اور تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں چھپے ہوئے امور ہیں انہیں خالص کرے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور سینے کے اندر والے اسرار کو جانتا ہے یعنی وہ اسرار اور بھید جو کہ سینوں کو چمٹے ہوئے ہیں کہ کسی وقت اُن سے جدا نہیں ہوتے بلکہ ہر وقت اُن کے ساتھ ملازمت رکھتے ہیں ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا بیشک جنہوں نے اعراض کیا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ جب کہ دو جماعتیں (یعنی مسلمان اور کافر) غزوۂ احد میں لڑنے کے لیے آمنے سامنے ہوئیں تو تم میں سے بعض ۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو غزوہ احد میں شکست کھا کر بھاگ نکلے ۔

اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بیشک انہیں شیطان نے ہی ڈگمگایا ۔ یعنی اُن کی شکست کا سبب

شیطان بنا کہ اُس نے ہی اُن سے ڈگمگانا طلب کیا اور انہیں بھاگنے کی طرف بلایا بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا بسبب اُن گناہوں کے کہ جو اُن سے سرزد ہوئے لیعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت (کہ مرکز کو چھوڑ کر مال غنیمت کو جمع کرنے لگے) اس وجہ سے تائیدِ ربانی اور قوتِ قلبی سے محروم ہو گئے وَلَقَدْ عَفَا اللهُ عَنْهُمْ اور بیشک اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمایا جب کہ انہوں نے توبہ کی اور صدقِ دل سے معذرت چاہی۔
اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ اُن کے گناہ بخشنے والا حلیم ہے گنہگار کے گناہ کے سبب سے اُس کے عذاب میں عجلت نہیں کرتا بلکہ اسے توبہ کرنے کا موقعہ عنایت فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے شیطان اور اس کے وسوسہ کی نار سے معدن انسان سے وہ لوہا نکالتا ہے جو اس کے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے (یعنی وہ اعمال جو جنگ سے بھاگنے سے سرزد ہوئے) تاکہ اُس حضرت انسان کو اپنے صفات عفو و مغفرت وحلم کے ظہور کا آئینہ بنائے۔ یہی مطلب ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث قدسی کا کہ فرمایا "اگر تم گناہ نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اور ایسے لوگ پیدا کرے گا جو گناہ کر کے اس سے بخشش مانگیں گے پھر وہ انہیں بخش دے گا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ہر شئے میں بیشمار اسرار ہیں۔ خیر میں بھی شر میں بھی۔ وہ اسرار کہ اُن کی کُنہ کو صرف وہی جانتا ہے اور اس کے علم کو کوئی شخص احاطہ نہیں کر سکتا۔ ہاں جس کے لیے وہ چاہتا ہے (جیسے انبیاء اولیاء)

مسئلہ: شیطان اہل یقین مخلصین نورانی حضرات کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جس کے قلب میں تاریکی نہ ہو اور کسی گناہ کے ارتکاب سے جس کے دل میں خواہش نفسانی کا شائبہ تک نہ ہو اسے بھی شیطان وسوسہ ڈال کر گمراہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ سالکین جو ظلماتِ نفس سے نجات پا چکے ہیں شیطان اُن کے قریب نہیں بھٹکتا چہ جائیکہ ان میں وسوسہ ڈال سکے۔

حکایت: منقول ہے کہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں شیطان کو ننگا پھرتا دیکھ کر فرمایا کہ اے شیطان تجھے ننگا پھرتے ہوئے لوگوں سے شرم بھی محسوس نہیں ہوتی۔ شیطان نے عرض کی یہ کیا لوگ ہیں۔ لوگ تو وہ ہیں جو شونیزیہ کی مسجد میں عبادت میں مصروف ہیں کہ انہوں نے مجھے مار ہی ڈالا۔ بلکہ میرے جگر کو آگ لگا دی حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب میں نیند سے بیدار ہوا تو اُن لوگوں کی زیارت کے لیے مسجد شونیزیہ کی طرف چل پڑا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک جماعت مسجد میں مقیم ہے کہ جن کے سر گھٹنوں پر ہیں اور وہ تفکر میں محو ہیں۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا اے جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خبردار کبھی نفس کے دھوکہ میں نہ آنا۔ تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ جب کسی کا دل معرفت الٰہی سے منور ہو جاتا ہے تو شیطان ناری وہاں پہنچ کر وسوسہ نہیں ڈال سکتا۔

حکایت: حضرت ابو سعید خزار رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے شیطان کو خواب میں دیکھا تو میں نے اپنا عصا اٹھایا تاکہ اُسے ماروں۔ مجھے کہا گیا کہ شیطان ڈنڈے سے نہیں ڈرتا بلکہ یہ اُس نور سے ڈرتا ہے جو انسان کے دل میں ہے۔
امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ شیطان نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے اپنے لشکر

کو پھیلا دیا تاکہ انہیں گمراہ کریں لیکن شیطان کا لشکر خائب و خاسر ہو کر واپس لوٹا۔ اور ابلیس کو کہا کہ ہم نے عجیب ماجرا دیکھا ہے وہ یہ کہ ہم صبح سے شام تک ان حضرات سے گناہ کرانے پر لگے رہے لیکن اُن سے گناہ کا قصد ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ انہوں نے ہمیں تھکا مارا۔ شیطان نے کہا کہ تم اُن پر کسی طرح بھی قابو نہیں پا سکتے اس لیے کہ وہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ ہیں اور نزولِ وحی کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کر چکے ہیں ہاں اُن کے بعد اور لوگ پیدا ہوں گے۔ ان میں سے تمہارا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ جب تابعین پیدا ہوئے تو پھر شیطان نے اپنا لشکر انہیں گمراہ کرنے کیلئے بھیجا تو بھی ان کا کام پورا نہ ہوا شام کو شیطان کے پاس ملول و حزیں ہو کر حاضر ہوئے۔ شیطان نے پوچھا یہ کیوں انہوں نے کہ ان حضرات کا معاملہ صحابہ کرام سے بھی عجیب تر ہے۔ اس لیے کہ ہم ان سے بار بار گناہ کراتے رہے لیکن جب شام کا وقت ہوا تو استغفار کرنے لگ جاتے پھر اُن کی وہی برائیاں نیکیوں سے تبدیل ہو جاتی ہیں۔ شیطان نے کہا اُن سے بھی تمہاری مُراد پوری نہیں ہو سکتی کہ یہ توحید پر پختہ کار ہیں اور اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے پابند ہیں اُن کے بعد اور لوگ پیدا ہوں گے اُن سے من مانی غلطیاں کرانا اس سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ ان سے جس طرح چاہو گے غلطیاں کرا لو گے بلکہ وہ خواہشات نفسانیہ کے ایسے خوگر ہوں گے کہ اُن سے جیسے کراؤ گے وہ کرنے کے لیے تیار رہیں گے۔ انہیں استغفار کا موقعہ تک بھی نصیب نہیں ہوگا۔ کہ جس سے اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے اور نہ ہی وہ توبہ کر سکیں گے کہ جس سے اُن کی برائیاں نیکیوں سے تبدیل ہو جائیں چنانچہ جب قرنِ اولیٰ کے بعد تبع تابعین پیدا ہوئے تو شیطان نے ان میں خواہشات نفسانیہ کا جال پھیلایا۔ اور اُن کے سامنے بدعات کو خوب سنگارا۔ چنانچہ ان لوگوں نے خواہشات نفسانیہ کو خوب پورا کیا۔ اور بدعات (سیئہ) ہی اُن کا دین بن گیا۔ نہ غلطیوں کی بخشش مانگنے اور نہ ہی توبہ کرتے۔ اُن پر ابلیس نے اُن کے اعداء کو مسلط کر دیا۔ پھر انہوں نے جیسے چاہا اُن کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسایا۔

نہ ابلیس در حق ما طعنہ زد   کز نیاں نیاید بجز کار بد۔

فغاں از بدیہا کہ در نفس ماست   کز ترسم شود ظنِ ابلیس راست

چوں ملعون پسند آمدش قہر ما   خدا ایش برانداخت از بہر ما

ترجمہ: ۱۔ کیا ابلیس نے ہمارے حق میں طعنہ نہیں مارا تھا کہ ان سے سوائے برائی کے اور کوئی کام نہ ہوگا۔

۲۔ نفس کی برائیوں سے فریاد ہے خدا نہ کرے ابلیس کا گمان صحیح ہو جائے۔

۳۔ جب اس ملعون کو ہمارا مقہور ہونا مرغوب ہوا تو ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے نظر انداز فرما دیا۔

کجا سر آریم ازیں عار و ننگ
کہ با او بصلیم و باحق بجنگ،

(گذا فی بوستان سعدی قدس سرہ)

ترجمہ: ہم اس عار و ننگ سے کیسے باہر آ سکتے ہیں جب کہ ہم اس کے ساتھ صلح اور حق کے ساتھ جنگ رکھتے ہیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى
الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ
حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ وَلَئِنْ
قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○
وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ○ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ
وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ
وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○
اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ
مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ وَمَا كَانَ لِنَبِىٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ
يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ ○ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ لَقَدْ
مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○
اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ
عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ
فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ○ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
قَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ
يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ○ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ
قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ○ فَرِحِيْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ
مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ

اے ایمان والو ان کافروں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے اپنے بھائیوں کی نسبت کہا جب وہ سفر کو یا جہاد کو گئے کہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے یا نہ مارے جاتے اس لیے کہ اللہ ان کے دلوں میں اس کا افسوس رکھے اور اللہ جلاتا اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے اور بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت ان کے تمام مال اور دولت سے بہتر ہے اور اگر تم مر یا مارے جاؤ تو اللہ ہی کی طرف اٹھنا ہے تو کیسی کچھ اللہ کی رحمت ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ کرو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو بے شک توکل والے اللہ کو محبوب ہیں اگر تمہاری اللہ مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو ایسا کون ہے جو پھر تمہاری مدد کرے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے اور کسی نبی پر یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ کچھ چھپا رکھے اور جو چھپا رکھے وہ قیامت کے دن اپنی چھپائی چیز لے کر آئے گا پھر ہر جان کو ان کی کمائی بھرپور دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا تو کیا جو اللہ کی مرضی پر چلا وہ اس جیسا ہوگا جس نے اللہ کا غضب اوڑھا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا بری جگہ پلٹنے کی وہ اللہ کے یہاں درجہ بدرجہ ہیں اور اللہ ان کا عمل دیکھتا ہے بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی میں تھے کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے کہ اس سے دونی تم پہنچا چکے ہو تو کہنے لگو کہ یہ کہاں سے آئی تم فرما دو کہ وہ تمہاری ہی طرف سے آئی بیشک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور وہ مصیبت جو تم پر آئی جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لیے کہ پہچان کرادے ایمان والوں کی اور اس لیے پہچان کرا دے ان کی جو منافق ہوئے اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو ہٹاؤ بولے اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے وہ اس دن ظاہری ایمان کی بہ نسبت کھلے کفر سے زیادہ قریب ہیں اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں ہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں وہ جنہوں نے اپنے بھائیوں

کے بارے میں کیا اور آپ بیٹھ رہے کہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے تم فرمادو تو اپنی ہی موت ٹال دو اگر سچے ہو اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں مناتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل کی اور یہ کہ اللہ ضائع نہیں کرتا اجر مسلمانوں کا۔

تفسیر عالمانہ

(یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا)

اے ایمان والو کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ۔ یہاں پر الذین کفروا سے وہ منافقین مراد ہیں جو غزوۂ احد میں کہتے لو کان لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا ھٰھُنَا وقالوا لاخوانھم۔ اور کہا اپنے بھائیوں کو یعنی اپنے بھائیوں کیلئے یا اللہ کے حق میں کہا خواہ ان کے حقیقی نسبی بھائی تھے یا ہم عقیدہ اور ہم مذہب ہونے کی وجہ سے انہیں ان کا بھائی کہا گیا۔ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ جب وہ تجارت کے لیے زمین میں گئے یا اپنے دوسرے اہم مقاصد کے لیے اپنے گھروں سے دور چلے گئے تو وہ سفروں میں مر گئے اَوْ کَانُوْا یا اُن کے وہ بھائی غُزًّی۔ جو جنگ کے لیے باہر چلے گئے غُزّیٰ غازی کی جمع ہے۔ جیسے عُفّیٰ عافی۔ اور سُجّد ساجد کی جمع ہے یعنی وہ لوگ جو جنگ کے لیے گھروں سے نکلے اور مارے گئے۔ لَوْ کَانُوْا عِنْدَنَا اگر وہ ہمارے ہاں مدینہ طیبہ میں ٹھہرے رہتے مَا مَاتُوْا تو وہ نہ مرتے اپنے سفروں میں وَمَا قُتِلُوْا اور نہ ہی جنگ میں مارے جاتے۔ اس نہی سے یہ مقصود نہیں کہ ان کافروں کی طرح صرف زبان سے نہ کہو بلکہ اس مضمون کے عقائد اس حکم کے موجب اُن کی طرح نہ ہو جاؤ۔ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِھِمْ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارا یہ معاملہ حسرت بنائے۔ یہ جملہ قالوا سے متعلق ہے اور لیجعل کی لام عاقبت کے لیے ہے جیسے رَبَّتُہٗ لِیُؤْذِیَنِیْ رئیس نے اسے اس لیے پالا تاکہ وہ مجھے ایذا دیتا رہے) یہ لام عاقبت کی ہے نہ کہ علت و غرض کی۔ اس لیے کہ اُن کا مقولہ مذکورہ یعنی لوکانوا عندنا الخ اس غرض کے لیے نہیں تھا۔ بلکہ وہ بطور حسرت کہہ رہے تھے۔ جب کہ دیکھا کہ اہل اسلام جہاد پر مضبوط ہو گئے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات ظاہری طور یونہی کہی لیکن اس سے اُن کی اندرونی غرض کچھ اور تھی۔ جس پر اُن کے قول کا انجام کار رہی کہ وہ حسرت اور افسوس کے ہاتھ ملیں۔ اور حسرت کا ندامت سے پلہ بھاری ہے کہ اس سے دشمن کی قوت ٹوٹ جاتی ہے اور اس علت کے

اظہار سے مقصد یہ ہے کہ انہیں ان باتوں سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا۔ پھر اُن کا مقولہ الٹا اُن کے لیے اس لیے حسرت بنا دیا گیا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ ان کا جنگ کے لیے جانا یا سفر کرنا اُن کے رد کئے پر عمل نہ کرنے سے کوتاہی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ تقدیر ربانی یونہی تھی۔ ہاں جو بھی عقیدہ رکھے گا تو اس کی حسرت میں اضافہ ہوگا۔ اور مومن کا عقیدہ ہوتا ہے کہ حیات و موت کا وقوع اللہ تعالیٰ کی قضاء پر ہے فلہٰذا اسے کسی قسم کی حسرت یا افسوس نہیں ہوتا۔

وَاللّٰهُ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ اور اللہ تعالیٰ زندہ کرتا اور مارتا ہے یہ اُن کے باطل قول کا رد ہے۔ یعنی موت و حیات کا حقیقی موثر اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ان میں اقامت و سفر کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ بسا اوقات مسافر و غازی کو زندہ رکھتا ہے باوجود یہ کہ موت کے اسباب کے بادل اُن کے سروں پر منڈلا رہے ہیں۔ اور مقیم اور جنگ پر نہ جانے والے کو موت دے دیتا ہے باوجود یہ کہ اُن کے پاس عافیت سلامتی کے اسباب موجود ہوتے ہیں ؎

لے بسا اسپ تیز رو کہ بماند — کہ خر سنگ جان بمنزل برد
بس کہ در خاک تندرست را — دفن کردند و زخم خوردہ نمرد

ترجمہ: ۱۔ بہت سے تیز رفتار گھوڑے تھک کر رہ جاتے ہیں اور لنگڑا گدھا منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔

۲۔ بہت سے تندرست فوراً مر کر زیر زمین مدفون ہو جاتے ہیں لیکن زخم خوردہ نہیں مرتا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھتا ہے۔ فلہٰذا تم ان منافقین کی طرح نہ ہو جاؤ۔ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے راستہ پر شہید کئے جاؤ یا مر جاؤ حالانکہ تم مومن ہو اور لئن قتلتم کی لام قسم مرزوں کے لیے توطیۃ واقع ہوئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت نصیب ہوگی۔

سوال: شرط کا جواب کیوں محذوف کیا گیا ہے۔

جواب: جواب قسم اُس کے قائم مقام واقع ہوا ہے اس لیے کہ یہی جواب قسم اس پر دلالت کرتا ہے معنیٰ یہ ہے کہ سفر اور جنگ موت کو کھینچ کر نہیں لاتیں اور نہ ہی وقت سے پہلے موت آسکتی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے موت واقع ہو تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت جو بندے کو نصیب ہوتی ہیں تو خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ وہ اس سے کئی گنا بہتر ہیں جو وہ مال و دولت اور دیگر اسباب دنیوی جمع کرتے ہیں۔ یعنی کفار جو مدۃ العمر دُنیا کے منافع اور اس کے بہترین اسباب جمع کیا کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت کے مقابلہ میں کوئی شئے نہیں۔

سوال: آیت میں مغفرت و رحمت کو ہی خیر کہا گیا ہے۔ کیا مال و اسباب میں کسی قسم کی بھلائی نہیں۔

جواب: یہ کفارہ کے لیے کہا گیا ہے کہ اگر وہ دنیا کا مال کتنا ہی بہت زیادہ جمع کریں۔ اگرچہ حلال مال سے سہی پھر بھی

اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے مقابلہ میں ان کا کیا اعتبار۔ اگرچہ وہ اپنے اعتقاد کے مطابق انہیں خیرات و صدقات پر بھی خرچ کریں۔ تب بھی اُن کے اعتقاد فاسد کی وجہ سے یہ تمام ضائع اور بیکار ہوگا۔ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ۔ اور البتہ اگر تم مرجاؤ یا قتل کیے جاؤ جس طرح سے تمہاری موت واقع ہو۔ ارادہ الٰہیہ کے بغیر موت واقع ہو نہیں سکتی لَاِلَی اللّٰہِ۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی معبود بالحق جو کہ وہ عظیم الشان اور واسع الرحمۃ و جزیل الاحسان ہے کی طرف تُحْشَرُوْنَ جمع کیے جاؤ گے نہ کہ غیر کی طرف۔ پھر وہ اجر و ثواب پورے طور عطا فرمائے گا۔ اور بہت بڑے عطیات سے نوازے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیات مذکورہ میں بہترین ترتیب رکھی گئی ہے۔ مثلاً جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے عبادت کرتا ہے تو اُسے لَمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ فرماکر اس کے گناہوں سے نجات کرنے کی خوشخبری سنائی گئی اور جو شخص ثواب کی طلب میں عبادت کرتا ہے تو اسے رحمۃ فرماکر اشارہ فرمایا گیا کہ اسے ثواب کے بہترین صلے نصیب ہوں گے۔ اور جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور محض عبادت سمجھ کر عبادت کرتا ہے تو اُسے لَاِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ سے مژدہ سنایا۔ اور یہی سب سے بلند و بالا اور افضل و اعلیٰ مقام ہے۔ حضرت جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا ؎

جاناں ز در تو دور نتوانم بود ۔۔۔ قانع بہ بہشت و حور نتوانم بود

سر بر در تو بحکم عشقم نہ بنزد ۔۔۔ زیں درچہ کنم صبور نتوانم بود

ترجمہ: (۱) اے محبوب تیرے دروازہ سے دور رہنا مجھ سے نہیں ہوسکتا اور نہ ہی مجھ سے بہشت و حور پر قناعت ہو سکتی ہے۔

(۲) ہم نے تیرے در دانے پر کسی طمع و لالچ سے سر نہیں رکھا بلکہ عشق سے ہی ہم تیرے در پر سر بسجود ہیں کیونکہ ہمیں اس در کے سوا چارہ ہی نہیں۔

حکایت: حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کا ایک قوم پر گزر ہوا کہ جن کے اجسام ضعیف و نحیف اور چہرے زرد پڑ چکے تھے اور ان پر عبادت کے آثار نمایاں تھے۔ آپ نے اُن سے پوچھا۔ یہ کیا ہے عرض کی کہ ہم اس لیے عبادت کر رہے ہیں تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔ آپ نے فرمایا وہ بہت بڑا کریم ہے اس کی شان بھی یہی ہے کہ تمہیں عذاب میں مُبتلا نہ کرے۔ پھر آپ کا ایک دوسری قوم پر گزر ہوا۔ اُن کی بھی یہی کیفیت تھی آپ نے اُن سے پوچھا تو انہوں نے عرض کی کہ ہم اس لیے عبادت کر رہے ہیں تاکہ اُس کی بہشت و مغفرت و رحمت نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا وہ بہت بڑا کریم ہے وہ ضرور تمہیں اپنی رحمت سے نوازے گا۔ پھر آپ ایک قوم پر گزرے اُن کا بھی یہی حال تھا۔ آپ نے اُن سے پوچھا تو انہوں نے کہا ہم تو صرف اپنا معبود سمجھ کر عبادت کرتے ہیں چونکہ ہم اُس کے

بندے ہیں۔ نللہذا ہمارے اوپر فرض ہے کہ اس کی عبادت کریں نہ کوئی لالچ ہے نہ کوئی طمع اور نہ ہی کوئی خوف و خطر۔ آپ نے اس تیسرے گروہ کو فرمایا کہ تم اچھے اور مخلص عبادت گزار ہو اور صحیح معنیٰ پر عبادت کر رہے ہو بلکہ عبادت کا حق ادا کر رہے ہو۔

گر کند جا نے بدل عشق جمالت ازلت ۔۔۔ چشم امید بحوران بہشتی نہی
کے مسلم شود ت عشق جمال ازلی ۔۔۔ تا بر آفاق ہمہ تہمت زشتی نہی

ترجمہ: ۱۔ اگر جمال ازلی تیرے دل میں جگہ کرے تو تجھے حوران بہشت کا کبھی خیال بھی نہ آئے۔
۲۔ تجھے جمال ازلی کا عشق کیسے نصیب ہو جب تمام جہان کو تو بدصورتی کی تہمت لگائی ہے۔

حکایت: ایک عورت نے کسی سے پوچھا تم سخاوت کسے کہتے ہو۔ کہا مال خرچ کرنے کو فرمایا یہ تو اہلِ دُنیا و عوام کی سخاوت ہے میں تو خواص کی سخاوت کا پوچھتی ہوں۔ اُنہوں نے کہا اپنی تمام طاقت طاعتِ الٰہی میں صرف کر دینا۔ مائی صاحبہ نے کہا۔ تو پھر اس سے تم ثواب کی امید بھی رکھتے ہوگے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ بی بی نے کہا کہ ایک دے کر دس لینے ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جو ایک بجالائے اُسے دس نیکیاں ملیں گی۔ بی بی نے کہا پھر یہ خاک سخاوت ہوئی۔ انہوں نے کہا پھر تمہارے نزدیک سخاوت کس چیز کا نام ہے اُس نے کہا عمل صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو نہ کہ جنت کی طمع پر اور نہ ہی دوزخ کے خوف سے اور نہ ہی ثواب کی خاطر اور نہ ہی عذاب کے ڈر سے۔ اور یہ صرف تجرید و تفرید اور وصول الی حقیقۃ الوجود سے نصیب ہوتا ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ دُنیا و آخرت کے تصورات سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ یہاں تک کہ تجلیاتِ ربانی کے آگے کے تمام پردے اُٹھ جائیں اور وہ رب الارباب کے حضور میں پہنچ جائے۔

اسباق حضرت امام اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب بندہ جہاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اُس کا دِل دُنیا سے ہٹ کر آخرت کی طرف لگ جاتا ہے۔ جب وہ مرتا ہے تو گویا وہ شخص دشمن سے جان رہائی پاکر محبوب کے وصال سے سرشار ہو جاتا ہے اگر کوئی موت کے خوف سے گھر میں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے تو وہ دُنیا کے جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ جب وہ مرتا ہے تو محبوب حقیقی کے دیدار سے محروم ہو جاتا ہے کہ محبوب کے آگے پردے لٹکا دیئے جاتے ہیں اور اسے دار الغربت میں پھینکا جاتا ہے۔

ف: اس سے پہلے کی سعادت اور دوسرے کی شقاوت کا اندازہ خود ہی لگائیے۔

نکتہ صوفیانہ غافلین کا حشر حجاب از دیدارِ حق اور واصلین کا حشر بارگاہِ حق کے ظہور سے ہوگا۔ جو شخص اس دُنیا میں مال و منال کے حصول میں انحصار رہا تو وہ مشاہدۂ جمال حق سے بھی محجوب رہے گا۔

تفسیر عالمانہ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۔ اس میں مَا زائدہ محض تاکید کے لیے ہے ۔ یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہیں مؤمنین کے لیے آپ نرمی کرتے ہیں ۔ آپ انہیں اپنے سینے سے لگاتے ہیں اور اپنے مکارم اخلاق سے مخصوص رکھتے ہیں اور آپ کی ہر نرمی کا پہلو انہی کی طرف ہوتا ہے باوجودیکہ کبھی کبھی اُن سے آپ کی حکم عدولی ہو جاتی ہے اور آپ کے دشمنوں سے ساز باز کر لیتے ہیں ۔ لیکن آپ اُن سے لطف وکرم کے ساتھ پیش آتے ہیں ۔ وَلَوْ اور اسی طرح نہ ہو كُنْتَ فَظًّا بلکہ آپ اُن کے معاملات میں قولاً و فعلاً یہ پہلو بھی فرمائیں ۔ غَلِيْظَ الْقَلْبِ سنگدلی کا اظہار فرمائیں نرمی سے کلام نہ کریں ۔

حل لغات : الفظ بمعنی سوء الخلق سے پیش آنے والا ۔ (غلیظ القلب) ہر اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے قلب پر کوئی شئے اثر انداز نہ ہو ۔ بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو سُوءُ الخُلق سے موصوف تو ہوتے ہیں لیکن وہ کسی کو ایذا نہیں دیتے ۔ لیکن کسی سے نرمی قلب کے ساتھ بھی پیش نہیں آتے اور نہ ہی اُن پر کسی قسم کا رحم کرتے ہیں ۔ اس تقریر سے فظاً اور غلیظ القلب کا فرق واضح ہو گیا ۔ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ تو یہ لوگ آپ سے منتشر ہو جاتے اور آپ کے ہاں کبھی نہ ٹھہرتے ۔ اگرچہ اس طرح سے وہ تباہی دبربادی کے گڑھوں میں ہلاک ہوتے فَاعْفُ عَنْهُمْ پس انہیں وہ اپنے حقوق معاف فرمائیے ۔ جن میں انہوں نے کوتاہی کی جیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمایا ۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ آپ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کے ان حقوق کے لیے بخشش مانگئے ۔ جن سے انہوں نے کوتاہی کی تاکہ آپ کی ان پر شفقت کی تکمیل ہو اور اُن احسانات کی بھی تکمیل ہو جائے جو اُن پر فرماتے ہیں ۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ اور اُن سے مشورہ لیجئے یعنی اُن کے آراء کا پتہ لگا لیے اور معلوم کیجئے کہ جنگ کے متعلق اُن کا کیا ارادہ ہے ۔ جنگ کے متعلق اس لیے کہ اس سے گفتگو ہو رہی ہے ۔ یا الامر سے مُراد ہی جنگ ہے یا ان جیسے اور اہم اُمور کہ جن میں مشورہ لینے کی عادۃً ضرورت پڑتی ہے ۔ تاکہ اُن کے آراء بھی معلوم ہو جائیں گے ۔ اور اس طرح سے اُن کے دل بھی خوش ہو جائیں گے اور اس سے اُن کے مراتب کی بلندی بھی سب کو معلوم ہو جائے گی ۔ علاوہ ازیں امت کے لیے سُنّت کا اجراء بھی ہو جائے گا فَاِذَا عَزَمْتَ پس جب تم کسی بات پر مشورہ کر کے کسی کام پر پختہ ارادہ کر لو اور تمہارا دل مطمئن ہو جائے فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ تو مشورہ کے بعد اس بات کے اجراء پر اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے اور اس کے کہ وہی تمہارے لیے زیادہ مناسب اور زیادہ اچھا ہے ۔ کیونکہ تمہارا ہر وہ معاملہ جو تمہارے لیے زیادہ موزوں اور زیادہ بہتر ہے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے نہ کہ تم اور وہ کہ جن سے تم مشورہ لے رہے ہو ۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے پھر وہی تمہاری مدد کرے گا ۔ اور اس امر کی طرف رہبری کرے گا جس میں تمہاری بھلائی اور مناسبت ہو گی ۔ توکل کہتے ہیں معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر کے اور اُس کی کفایت پر اعتماد کرنے کو ۔

ازالہ تو ہم، حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان توکل کر کے اپنے نفس کو بالکل نہ چھوڑ دے جیسے بعض جہال کہتے ہیں۔ ورنہ مشورہ لینا امر بالتوکل کے بالکل منافی ہوگا۔ بلکہ توکل کا یہی مطلب ہے کہ معاملہ طے کرنے میں اسباب ظاہرہ کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دے لیکن صرف انہی اسباب پر دل نہ لگائے رکھے بلکہ حکمت الٰہی کی عصمت پر بھروسہ کرے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے آیت میں واضح طور بیان فرمایا کہ صحابہ کرام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منتشر ہو جاتے اگر وہ اُن سے خوش خلقی اور نرمی سے پیش نہ آتے۔ حالانکہ صحابہ کرام پر حضور علیہ السلام کی تابعداری ضروری اور اُن سے جدائی کفر ہے۔ پھر اس شخص کا کیا حال ہے جو لوگوں سے معاملات طے کرتے ہوئے اُن سے بدخُلقی اور ترش روئی سے پیش آئے پھر کس طرح وہ لوگ اس کے تابع ہو کر اُس کی بات مانیں گے۔ ویسے گفتگو کی نرمی قلوب پر مؤثر طریق سے اثر انداز ہوتی اور ان سے بات منوانے پر بہتر کردار ادا کرتی اور اعلیٰ طریق سے فرمانبرداری کراتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جاتے ہوئے نرم گفتگو کا حکم فرمایا کما قال تعالیٰ وَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا اور اس کے ساتھ بڑی نرمی سے بولنا۔

بنرمی ز دشمن تواں کند پوست ۔۔۔ چو با دوست سختی کنی دشمن اوست

چوں سنداں کسے سخت روئی نبرد ۔۔۔ کہ خائسک تادیب بر سر نخورد

ترجمہ: ۱۔ نرمی سے ہی دشمن کا چمڑہ اُدھیڑا جا سکتا ہے دوست سے سختی کرو گے تو وہ بھی دشمن ہو جائے گا۔

۲۔ نہ منہ آئرن کی طرح کسی کو سختی نہ ہوگی کہ وہ بھی تادیبًا ہتھوڑے کی ضرب کھاتا ہے۔

مسئلہ: حضرت امام اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رفق اور نرمی اس وقت جائز ہے جب تک حقوق اللہ تعالیٰ میں سے کسی حق کو نقصان نہ پہنچے۔ جہاں دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے کسی حق کو نقصان پہنچ رہا ہے تو اس وقت نرمی جائز نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَاۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ۔

اور مومنین کو زنا کی حد کے وقت فرمایا وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ۔

میانہ روی کے فضائل

تحقیق یہ ہے کہ افراط و تفریط ہر دونوں اطراف میں مذموم ہے۔ فضیلت میانہ روی میں ہے۔ کبھی سختی کا حکم ہوتا ہے تو پھر کبھی سختی سے روکا جاتا ہے صرف اس لیے کہ کہیں انسان افراط و تفریط کے حدود سے متجاوز نہ ہو جائے۔ جب افراط و تفریط سے متجاوز نہ ہوگا تو میانہ روی پر ہی رہے گا۔ وہی صراط مستقیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میانہ روی کی تعریف فرمائی ہے چنانچہ فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نہ تو ایسے کڑوے بن جاؤ کہ دور پھینکے جاؤ نہ اتنا نرم کہ نگلے جاؤ (یعنی ہر ایک سے لوٹے جاؤ)

چو نرمی کنی خصم گردد دلیر   دگر خشم گیری شوند از تو سیر ،
درشتی و نرمی بہم در بہست   چو رگ زن کہ جراح مرہم نہست

ترجمہ : ۱ ۔ جب تم نرمی کروگے تو دشمن زبر ہو جائے گا اگر سختی کروگے تو اپنے بھی تجھ سے دور ہو جائیں گے ۔

۲ ۔ اسی لیے سختی و نرمی ہر دونوں ضروری ہیں جیسے رگ چیرنے والے کو دیکھو کہ وہ پہلے رگ چیرتا ہے تو پھر وہی مرہم لگاتا ہے ۔

نکتہ تفسیریہ حضرت انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے اصلی مقصد یہی ہے کہ وہ مخلوق کی طرف پیغاماتِ الٰہیہ پہنچائیں اور اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ خلقِ خدا اُن کی طرف بدل و جان مائل نہ ہو اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب رسول علیہ السلام رحیم و کریم ہوں اور اُن کی غلطیوں سے درگزر اور ان کی خطاؤں سے چشم پوشی فرمائیں اور اُن کے ساتھ کرم نوازی اور احسان و شفقت سے پیش آئیں ۔ انہی وجوہ پر نبی علیہ السلام کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ سوء الخلق سے بری ہوں ۔ جب وہ سوء الخلق سے بری ہوں گے تو لازماً سنگ دلی بھی اُن میں نہیں ہوگی ۔ بلکہ کمزوروں اور ضعیفوں اور فقیروں اور ناتوانوں کی اعانت اُن کی فطرت میں داخل ہو گی اسی لیے ان غلطیوں سے درگزر کرنا اور اُن کی خطاؤں کو معاف کرنا اُن کے کردار کا اہم حصہ ہوگا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ جب وہ آپ سے دور ہو جائیں گے تو بعثت و رسالت کا اصلی مقصود مفقود ہو جائے گا ۔ اسی طرح علماءِ آلاخرۃ اور وارثوا الانبیاء اور مشائخ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس خوش خلقی کو اپنا دستور العمل بنائیں اس لیے کہ عوام الناس ہمیشہ ظاہراً و باطناً اپنے متبوع کے طریقے پر چلتے ہیں ۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دے ہمارے دور کے علماء و مشائخ کو کہ انہوں نے قسم کھائی ہے کہ خوش خلقی سے دور رہیں گے ۔ ہاں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عصمت میں رکھا ہے تو انہیں یہ دولت (خلقِ حسن) بخشی ہے وہ اس محبوب عمل پر کاربند ہیں ۔

حکایت : احنف نامی ایک بزرگ گزرے ہیں جن کے حلم و حوصلہ کی مثال دی جاتی ہے اُن کا واقعہ یوں ہوا کہ ایک شخص نے انہیں گندی اور سخت گالی دی تو احنف وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے گھر کو چل دیئے لیکن وہ شخص گالی دیتا ہوا احنف کے پیچھے پیچھے چل پڑا ۔ جب احنف اپنے گھر کے قریب پہنچے تو ٹھہر گئے اور کہا ۔ اے بھائی کچھ گالی باقی رہ گئی ہوں تو دے لے ورنہ اگر میری برادری نے سن پایا تو وہ تمہیں ماریں گے ۔

سبق : دیکھئے احنف کی خوش خلقی کہ گالی دینے والے کی گالی سن کر کتنا حوصلہ بلند دکھایا اور اس کے ساتھ کس طرح بہترین معاملہ فرمایا ۔

بقایا حکایت: وہ شخص احنف کے اس رویہ سے شرمسار ہو کر کہنے لگا مجھے مروت کا سبق دیجئے۔ احنف نے اسے نصیحت کے انداز میں فرمایا۔ خُلقِ حسن میں وسعت پیدا کر اور برائیوں سے دُور رہ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تاویلات میں لکھتے ہیں کہ ہر وہ نرمی کہ مومنین کے قلوب سے ظاہر ہو تو یقین کر لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کا نتیجہ ہے نہ کہ اُن کے نفوس سے کیونکہ نفس امارہ بالسوء ہے اگرچہ (لفظاً) انبیاء علیہم السلام کے نفوس۔

ف: اس کلام میں تنبیہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نفس مطمئنہ سے ترقی کرتے ہوئے نفس راضیہ و مرضیہ اور صافیہ سے موصوف ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ منصب نبوت و رسالت کو پا لیتے ہیں[1] لیکن نفس امارہ تو انہیں ابتداءً ملا ہی تھا پھر اللہ تعالیٰ کی عصمت نے انہیں اس کے حملوں سے محفوظ رکھا۔ اسے پورے طور سمجھ لے کہ یہی مقام عبرت اور سوچ بچار کا موقعہ ہے۔

تفسیر عالمانہ (اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ) اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے۔

ف: نُصرت دو قسم کی ہوتی ہے۔

① کسی کام پر مدد کرنا۔

② کسی معاملہ سے روکنا۔

اب آیت کا مطلب یوں ہوا کہ اگر وہ تمہاری مدد کرے یا تمہارے دشمنوں کو تمہارے سے منع کرے جیسا کہ غزوہ بدر میں ہوا۔ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ تو کوئی تمہارے اُوپر غالب نہیں ہو سکتا وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ (الخذلان) بمعنی اپنی مدد سے دُور رکھنا بلکہ الٹا ہلاکت کی طرف سپرد کرنا یعنی اگر وہ تمہیں چھوڑ دے اور تمہاری مدد نہ کرے جیسے کہ غزوہ احد میں ہوا فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ یہ استفہام انکاری ہے (بطریق مبالغہ کے ذاتاً وصفۃً) مددگار کے انتفاء کے لیے ہے یعنی پس وہ کون ہے جو تمہاری مدد کرے مِنْۢ بَعْدِہٖ رسوائی کے بعد اس میں تنبیہ ہے کہ تمام اُمور اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ صرف اُسی پر توکل کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ مومنوں کو چاہیے کہ صرف اس پر توکل کریں۔ یعنی صرف اُسی کو توکل کے لیے

---

[1] اس کا مطلب یہ نہیں کہ منصب نبوت کسب سے حاصل ہوتا ہے۔ نہیں نہیں منصب رسالت تو وہبی چیز ہے جو انبیاء علیہم السلام کو ازل سے ہی ملی ہے حضرت کبریٰ رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبوت، ورسالت کے کمالات کی انتہا تک پہنچ کر اپنا تبلیغی کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اُویسی غفرلہ ۱۲۔

خاص کریں کیونکہ جب انہیں یقین ہے کہ اسی کے سوا اور ان کا مددگار نہیں اور وہ ایمان اسی پہ رکھتے ہیں۔
مسئلہ: توکل کے شعبوں میں سے ہے کہ انسان (ذاتی طور) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو مددگار نہ سمجھے اور نہ ہی اس کے سوا کسی دوسرے کو روزی رسان اپنے اعمال کا شاہد مانے۔
حدیث شریف: حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ستر ہزار اُمتی حساب وکتاب کے بغیر بہشت میں داخل ہوں گے۔ عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ کھوٹ نہیں کرتے اور نہ ہی چوری کرتے ہیں اور نہ ہی فال سے کام چلاتے ہیں بلکہ صرف اپنے رب تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی دُعا فرمائیے تاکہ میرا رب تعالیٰ مجھے انہی سے بنائے۔ آپ نے فرمایا تو انہی سے ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرا شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے بھی دُعا فرمائیے تاکہ میں بھی اُنہیں سے ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا تیرے سے عکاشہ سبقت لے گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالےٰ پر پورے طور توکل کرو یعنی توکل کا حق ادا کرو تو اللہ تعالےٰ تمہیں ایسے رزق دے گا جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے ہو کر نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔
حکایت: ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں ایک جنگل میں تھا کہ ایک قافلہ گزرا۔ میں نے ایک کو دیکھا جو میرے سامنے گزر رہا تھا۔ خیال گزرا کہ اس سے پوچھوں آگے چل کر اس سے ملا تو وہ ایک بڑھیا تھی اس کے ہاتھ میں لوٹا اور ڈنڈا تھا۔ ہانپتی کانپتی چل رہی تھی میں نے سمجھا شاید تھکان سے ایسے چل رہی ہے۔ میں نے بیس درہم اپنی جیب سے نکال کر پیش کئے اور عرض کی کہ بی بی یہ لے انہیں اپنے خرچ کے لیے رکھ لے اور چند گھڑیاں میرے ہاں ٹھہر جا۔ قافلہ چلا جائے گا۔ تو اس سے کرایہ کی سواری پر تمہیں قافلہ سے ملا دیا جائے گا۔ جونہی بڑھیا نے میری بات سُنی تو ہاتھ کا اشارہ کیا۔ جس سے ہوا سے اُڑتے ہوئے اُس کے ہاتھ میں بکثرت دینار پائے گئے پھر مجھے فرمایا کہ تو نے اپنی جیب سے دراہم لیے۔ میں نے تو غیب سے دنا نیر لے لیے ہیں حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

بر در خانہ گردوں بدر و نان مطلب
کاین سیہ کاسہ در آخر بکشد مہمان را ،

ترجمہ: (۱) اسی آسمان کے گھر سے باہر نکل اور رزق نہ مانگ اس لیے کہ یہ سیاہ کاسہ بالآخر مہمان کو مار کے چھوڑتا ہے

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حقیقی مدد تو یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن یہی ہے اور وہ یوں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بہانے اس کے تمام گندے ارادے ملیامیٹ کئے جائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے اُس کے شہوات کے تمام لشکر

سمٹ کر رہ جائیں ۔ اس کے بعد صرف اللہ تعالیٰ کی ولایت رہ جائے اور شہوات کی تمام رعونتیں (کہ دراصل یہی بشریت کے اوصاف اور شہوات نفوس ہیں) وصل جائیں وَ اِنْ یَّخْذُلْکُمْ ط صوفیا کرام تخلیۃ بین العبد وبین المعاصی کو خذلان کہتے ہیں ۔ پس اللہ تعالیٰ جس کی مدد کرنا چاہتا ہے تو تکالیف و مصائب میں مبتلا کر کے اُسے اپنے قبضے میں لے لیتا ہے اور جسے رسوا کرنا چاہتا ہے تو مطلق العنان بنا دیتا ہے کہ جہاں چاہے جائے اور وہ اپنے سوء اختیار سے مُنہ کے بل جا گرتا ہے ۔ یعنی قربِ حق سے محروم ہو کر اتنا دُور جا پڑتا ہے کہ پھر اُسے کوئی ٹھکانہ ملتا ہی نہیں ۔ مشرق میں جائے تو بھی ذلیل و خوار ہوتا ہے اور اگر مغرب میں جاتا ہے تو بھی جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے پھر کون ہے جو اس کی مدد کو پہنچے یا اُس کی تلافی مافات کرے ۔ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور اہل ایمان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں ۔ صدق دل سے عاجزی کر کے انہی تکالیف و مصائب میں امان کی طلب کریں ۔ اور صحیح طریق سے عجز و زاری کر کے جرموں پر پردہ داری کی معافی میں اپنی تمام طاقتوں اور قوتوں کو بے سہارا سمجھ کر اسی کی قوت و طاقت کی طرف رجوع کرے کیونکہ ہر قوت اور ہر طاقت اسی کی ہے ؎

جہاں آفریں گر نہ یاری کند
کجا بندہ پرہیز گاری کند

ترجمہ : جہاں کا خالق اگر مدد نہ کرے تو کس کو مجال کہ وہ پرہیزگار ہو سکے ۔

تفسیر عالمانہ (وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ) کسی نبی (علیہ السلام) کے لائق نہیں اور نہ ہی ان کے مقام کے مناسب ہے اَنْ یَّغُلَّ ط یہ کہ غنیمت میں خیانت کرے خیانت کر کے غنیمت سے کوئی چیز لینے کو الغول کہتے ہیں ۔ اور ایسی خیانت دنیا میں عار اور آخرت میں نار کا سبب بنتی ہے اور یہ منصب نبوت کے بالکل منافی ہے اور منصب نبوت مراتب انسانی کا بہت بڑا اور اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ ہے ۔

شانِ رسالت اور علم غیب اس سے حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شانِ اقدس کو ہر طرح کی بد گمانی سے منزہ رکھنا مطلوب ہے جب کہ غزوہ احد میں تیر اندازوں کے اذہان میں ایک بدگمانی ہوئی جب کہ وہ مرکز کو چھوڑ کر بھاگے اور مال غنیمت پہ ٹوٹ پڑے ۔ اس بدگمانی پر کہ کہیں حضور سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بغیر اعلان فرما دیں کہ مَنْ اَخَذَ شَیْئًا فَهُوَ لَہٗ جو بھی تم میں سے کوئی شئے غنیمت سے لیگا وہ اسی کا ہوگا ۔ یہ بدگمانی اس لیے ہوئی کہ یہ مال غنیمت بھی تقسیم نہ ہو (جیسے غزوہ بدر میں تقسیم نہیں ہوئی تھی) جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں یہ حضرات حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ مرکز کو مت چھوڑنا ۔ جب تک کہ میرا حکم ثانی نہ پہنچے ۔ انہوں نے عرض کی حضور! ہم نے اپنے بھائیوں

کو وہاں نگرانی کے لیے مقرر کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں تم اس بدگمانی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ہم خیانت کر کے مال غنیمت سے تمہیں محروم رکھیں گے۔ (واقعی یہ بدگمانی انہوں نے کی تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنا دی یہی نبوی علم غیب ہے۔ یا بطور مبالغہ کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خیانت جیسے قبیح عمل سے رد کیا گیا ہے چنانچہ مروی ہے کہ آپ نے ایک چھوٹے سے لشکر کو جنگ کے لیے بھیجا تو ان کے پیچھے مال غنیمت میسر ہوا۔ آپ نے اُن کا حصہ نہ نکالا بلکہ حاضرین پر تقسیم فرما دیا اُن کی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ نبی علیہ السلام کے شان کے لائق نہیں کہ جنگی لشکر میں سے بعض کو مال غنیمت عنایت فرمائیں اور بعض کو محروم فرما دیں بلکہ آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ سب کو برابر تقسیم فرمائیں۔

ف: اس میں بعض غازیوں کو مال غنیمت سے محروم رکھنے کا نام غلول رکھا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ یہ غلول کی طرح قبیح و غلیظ ہے (تاکہ امت نبوی کے لوگ بادشاہت کی سند پر بیٹھنے والے پورے طور سبق حاصل کر لیں۔ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور جو جتنا خیانت کرے گا وہ قیامت میں اسی قدر سر پر اٹھا کر لائے گا تاکہ کھلے میدان قیامت میں تمام مخلوق کے سامنے شرمسار ہو۔

حدیث شریف نمبر(۱): حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص بالشت برابر بھی کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کر لیتا ہے تو اسی قدر قیامت میں سات طبقات زمین کے اس کے گلے میں ڈالے جائیں گے۔

حدیث شریف نمبر(۲): حضور علیہ السلام نے فرمایا ہم جب کسی کو کسی کام کے لئے بھیجیں اور وہ اس میں کسی قسم کی خیانت کرے گا تو قیامت میں اس خیانت کو سر پر اٹھا کر لائے گا۔

حدیث شریف نمبر(۳): حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حاکموں کو تحائف دینا یہ بھی غلول میں داخل ہے یعنی حاکموں کا تحائف قبول کر لینا غلول ہے اس لیے کہ یہ بھی رشوت کے حکم میں ہیں۔

حدیث شریف نمبر(۴): حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے وہ لوگ معلوم ہیں کہ جب قیامت میں خیانت کے اونٹ لائیں گے تو وہ ریںگتے ہوں گے۔ اسی طرح خیانت کے بیل جو لائے گا تو وہ بھی اسی طرح خیانت کی بکری کا حال ہوگا پھر وہ اُس وقت مجھے مدد کے لیے پکارے گا تو میں کہوں گا میں تیرے لیے کچھ نہیں کر دوں گا میں نے تجھے پیغام الٰہی پہنچا دیا تھا۔

حدیث شریف نمبر(۵): سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ خیانتی خیانت کے مال کو کس طرح لائے گا جب کہ وہ بکثرت ہوگا یہ بہت بعید ہے کہ وہ مال کو اٹھا کر لائے آپ نے فرمایا یہ کیسے ناممکن ہے جب کہ اُس وقت اس کی ایک ڈاڑھ احد پہاڑ اور اُس کی ران ورقان پہاڑ کے برابر ہو گی اور اس کی پنڈلی عام پہاڑوں کے برابر ہو گی۔ اور اس کی نشستگاہ کا فاصلہ مابین المدینہ اور ربذان کے ہوگا۔ پھر وہ اتنا بہت بڑا بوجھ کیوں نہ اٹھا کر لائے۔

مسئلہ : یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خیانت کا گناہ اور اس کا وبال مراد ہو ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ پھر نفس کو اس کی کمائی کی جزاء و سزا پورے طور دی جائے گی ۔ یعنی بھلائی یا برائی زیادہ یا تھوڑی جزاء و سزا مکمل طور دی جائے گی ۔

سوال : ماقبل کا تقاضا ہے کہ عبادت یوں ہو کہ يُوَفّٰى مَا كَسَبَ ۔

جواب : حکم کو عام رکھنے کی بنا پر ہے تاکہ مبالغہ سے مقصود کے اظہار میں مکمل برہان ہو ۔ اس لیے کہ ہر صاحب عمل کو پوری جزاء و سزا ہوگی تو خیانتی تو بطریق اولیٰ سزا کا مستحق ہو وَهُمْ یہاں تمام لوگ مراد ہیں ۔ چنانچہ كُلُّ نَفْسٍ کا عموم اس پر دلالت کرتا ہے لَا يُظْلَمُوْنَ وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے کسی کی سزا بڑھا کر یا کسی کے ثواب میں کمی کر کے اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ ۔ یہ ہمزہ انکار کا اور فاء عطف کے لیے ہے جس کا معطوف محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی امن اتقی فاتبع الخ یعنی کیا وہ شخص جو خوفِ خدا سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا اتباع کرتا ہے یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں کوشش کر کے اس کی طرف چلے وہ طاعات الٰہیہ بجا لانا اور برائیوں سے اجتناب کرتا ہے (جیسے نبی علیہ السلام اور ہر وہ شخص جو اُن کے نقش قدم پر چلتا ہے) كَمَنْ بَآءَ اس شخص کی طرح جو رجوع کرتا ہے بِسَخَطٍ بہت بڑے غضب کی طرف (جس کا اندازہ ناممکن ہے) جو کہ ہونے والا ہے مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے اُس کی نافرمانیوں کی وجہ سے (جیسے خیانتی اور اُس جیسا اور مجرم) یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے وَمَاْوٰىهُ اور اس شخص کا (جو اللہ تعالیٰ کے غضب کی طرف رجوع کرتا ہے) ٹھکانا جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ۔ مَرجِع اور مَصیر میں فرق یہ ہے کہ مصیر اپنی حالت سے بدل سکتا ہے بخلاف مرجع کے کہ وہ ہر حال میں برابر رہتا ہے هُمْ یہ ضمیر باعتبار معنے کے اسماء موصولہ کی طرف راجع ہے دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مختلف اور متفاوت طبقات ہوں گے جنہیں صرف وہی جانتا ہے حکم فرمائے گا ۔

سوال : ان طبقات کے مختلف اور متبائن ہونے کو درجات سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ۔

جواب : بطور مبالغہ کے یا اس لیے کہ معلوم ہو کہ ان میں اختلاف باعتبار ذات کے ہوگا کہ جس طرح ان کے اعمال صالحہ یا اعمال قبیحہ میں فرق ہوگا اسی طرح اُن کے درجات میں تاکہ درجات ثواب و عقاب کا معاملہ واضح ہو جائے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ذو درجات ہوں گے ۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ (اور اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال دیکھ رہا ہے) یعنی اُن کے اعمال و درجات کو

---

[1] جو ذرہ برابر بھلائی کرے گا تو دیکھے گا جو ذرہ برابر برائی کرے گا تو دیکھے گا ۔

جاتا ہے تاکہ قیامت میں اُن کو انہی کے مطابق جزاء وسزا دے ۔

نکتہ : غلول گناہ کبیرہ ہے اور غالی وہ خیانتی ہوتا ہے کہ جس پر نفس اور اس کے خواہشات غالب ہوں اور حضرات انبیاء علیہم السلام صفات بشریہ سے منزہ اور صفات ربوبیت سے موصوف اور رذائل وصفاتِ نفس اور دواعی الشیطان سے معصوم ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ بارگاہِ حق میں ہر دفت حاضر باش ہوتے ہیں پھر اُن سے ایسے نتائج کا صدور ناممکن ہوتا ہے ۔

نکتہ ۲: نبی علیہ السلام جنۃ الصفات دمقام الرضوان پر فائز ہوتا ہے اور خیانتی جحیم النفس اور خواہشات کے گڑھے میں غرق ہوتا ہے پھر ایسے خیانتی بدبخت کا حال انبیاء علیہم السلام کے احوال کے برابر کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑے درجات والے ہیں ۔

سبق : دانا کو چاہیے کہ تکمیل درجات کے حصول اور وصول اَحْسَنُ الْحَالَۃِ کے لیے بہت زیادہ جدوجہد کرے ۔

ف : اہل بہشت چار قسم ہیں ۔

(۱) انبیاء ورسل علیہ السلام ۔

(۲) اولیاء اللہ جو کہ علی وجہ البصیرۃ والبنیۃ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تابعداری کرتے ہیں ۔

(۳) وہ مؤمنین جو حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی جان ودل سے تصدیق کرتے ہیں ۔

(۴) وعلماء جو توحید (لا الہ الا اللہ) کی دلائل عقلیہ سے تصدیق کرتے ہیں ۔

آیت شَھِدَ اللّٰهُ الخ اولو العلم بھی یہی لوگ مراد ہیں ۔ انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اولو العلم درجات" مذکورہ بالا حضرات ہی جناتِ عدن کے کثیب احمر پر دیدار حق سے سرشار ہوں گے ۔ ان حضرات کے لیے چار مقامات مقرر ہوں گے ۔

(۱) بعض وہ ہوں گے جن کے لیے نورانی منبر بچھائے جائیں گے اور یہی تمام مقامات سے بلند تر ہوں گے اور یہ حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام ہی ہوں گے ۔

(۲) وہ حضرات اولیاء ۔ جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے قولاً و فعلاً و حالاً وارث ہیں ۔ اُن کے لیے بہترین تخت بچھائے جائیں گے ۔

(۳) وہ علماء جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو دلائل و براہان عقلی سے جانا اُن کے لیے بہترین کرسیاں بچھائی جائیں گی ۔

(۴) وہ مؤمنین جو ان حضرات کی تقلید میں توحید کے قائل ہوئے اُن لوگوں کے لیے بھی بہت مراتب ہوں گے اور یہاں پر اُن لوگوں سے یہ لوگ مقدم ہوں گے ۔ جنہوں نے دلائل عقلی میں توحید کو مانا ۔ مگر کثیب احمر کے موقعہ

پر یہ لوگ مقلدین پر مقدم ہوں گے ؎

قیامت کہ نیکاں باعلیٰ رسند ز قعرِ ثرا تا ثریا رسند
ترا خود بماند سر از ننگ پیش کہ گردت برآید عملہائے خویش
قیامت کہ بازار مینو نہند منازل باعمال نیکو نہند

ترجمہ: (۱) ۔ قیامت میں کہ نیک لوگ اعلیٰ مدارج پر پہنچیں گے تحت الثریٰ سے ثریا تک رسائی حاصل کریں گے۔

(۲) تیرا سر شرمساری سے اونچا نہ ہوسکے گا اس لیے کہ تیرے عمل تیرے ارد گرد تجھے گھیر لیں گے۔

(۳) قیامت میں ایک بہتر اور اعلیٰ بازار لگائیں گے تو ہر ایک کو اعمال کے طفیل بلند مدارج نصیب ہوں گے۔

مراتب و درجات

کل قیامت میں مخلوق مختلف مراتب پر بٹ جائے گی لیکن یہ فرق اعمال وغیرہ کی وجہ سے ہوگا۔

(۱) بعض حضرات کو سن کی وجہ سے اعلیٰ مراتب نصیب ہوں گے۔ مثلاً کبیر السن طاعات الٰہی اور خدمت اسلام میں زندگی بسر کی ہوگی جب کہ صغیر السن و کبیر السن کا عملی لحاظ سے ایک مرتبہ ہوگا۔

(۲) بعض کو زمانہ کی وجہ سے مراتب کی فوقیت نصیب ہوگی۔ مثلاً ماہ رمضان اور یوم الجمعہ اور لیلۃ القدر اور عشرہ ذوالحجہ اور عاشوراء کی عبادات کو دوسرے اوقات کی عبادات پر فضیلت ہوگی ایسے ہی مسجد حرام کی نماز کو مسجد نبوی کی نماز پر فضیلت ہے اسی طرح مسجد نبوی کی نماز کو مسجد اقصیٰ کی نماز سے فضیلت ہے اسی طرح مسجد اقصیٰ کی نماز کو باقی تمام مساجد سے فضیلت ہے۔

(۳) بعض کو احوال کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوگی ۔ مثلاً نماز باجماعت کا ثواب تنہا نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

(۴) بعض کو نفس اعمال کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوگی ۔ مثلاً نماز پڑھنے کو راستہ سے تکلیف دہ اشیاء سے فضیلت حاصل ہے۔

(۵) ایک ہی عمل میں بعض وجوہ سے فضیلت ہوگی مثلاً صدقہ دینا ۔ صلہ رحمی کے طور پر بہ نسبت دوسرے کے افضل ہے ایسے ہی ساداتِ کرام کو ہدیہ پیش کرنے کو عوام کے ہدیہ دینے سے افضل و احسن ہے۔

(۶) بعض کو ایک ہی وقت میں اعمال کثیرہ کا ثواب میسر ہوتا ہے ۔ مثلاً صوم و صدقہ میں کان ۔ آنکھ اور ہاتھوں کو کام میں لانا ۔ ایسے ہی نماز کی ادائیگی یا ذکرِ الٰہی میں یا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں نیت وغیرہ کہ ایک ہی وقت میں وجود کثیرہ کی وجہ سے بےشمار ثواب ملتا ہے بخلاف اس کے جوان وجود سے محروم ہو ؎

بضاعت بچند انکہ آری بری
اگر مفلسی شرمساری بری

ترجمہ: جتنا سامان لائے گا اتنا نرخ پائے گا اگر تم اعمال سے مفلس ہو تو پھر شرمسار ہوگے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نیا دن آکر اعلان کرتا ہے کہ اے ابن آدم میں تیرے پاس نیا آیا ہوں اس میں تو جو عمل کرے گا میں تیرے لیے قیامت میں گواہی دوں گا۔ میرے میں تو نیکی کرلے تاکہ میں تیرے لیے کل قیامت میں نیکی کی گواہی دے سکوں۔ جس وقت میں تیرے سے چلا جاؤں گا۔ تو پھر تو مجھے نہیں دیکھے گا۔ اسی طرح ہر آنے والی رات اعلان کرتی ہے۔

سبق: اے بھائی اس شخص کی طرح عمل کرے جو جانتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے ہاں لوٹ کر حاضر ہونا ہے اور اسے یقین ہے کہ مجھے ہر چھوٹے بڑے عمل پر جزا و سزا ملے گی اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ انسان کو چاہیے کہ گھڑی بھر بھی غفلت نہ کرے۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ قسم محذوف کا جواب ہے وَاللّٰهِ لَقَدْ الخ یعنی قسم ہے اللہ تعالیٰ کی بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر انعام فرمایا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

سوال: صرف اہل ایمان کی تخصیص کیوں حالانکہ آپ کی رسالت میں تو عام تمام عرب و عجم کو شامل ہے۔

جواب: اس لیے کہ آپ کی ذات سے صرف انہی حضرات نے نفع پایا اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ اس لیے کہ ان کی نسب سے پایہ کہ ان کی جنس اور ان کی زبان میں مبعوث فرمایا تاکہ آپ کو آسانی سے سمجھ سکیں اور چونکہ وہ آپ کے صدق و امانت کے حالات سے پورے طور واقف تھے اسی لیے فرمایا[۱] انه لذكر لك ولقومك

ف: ایک قراءۃ میں مِنْ انفسهم بصیغۂ افعل التفضیل پڑھا گیا ہے بمعنیٰ نفیس ترین یعنی ان کے سبب سے زیادہ برگزیدہ مبعوث ہوئے اس لیے کہ آپ عرب کے تمام قبائل اور ان کی تمام شاخوں میں آپ بزرگ ترین شخصیت تھے يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ آپ ان پر اللہ تعالیٰ کے آیات پڑھتے ہیں حالانکہ اس سے قبل وہ جاہل مطلق تھے انہوں نے وحی کا نام تک نہ سنا تھا وَيُزَكِّيْهِمْ اور انہیں فطری خرابیوں اور برے عقائد و گندے اعمال اور قبیح گناہوں سے طاہر و مطہر کرتے ہیں وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور بے شک وہ آپ کی بعثت یا صفائی و ستھرائی اور تعلیم نبوی سے پہلے تھے لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ کھلی گمراہی میں کہ اس میں کسی قسم

---

[۱] بیشک وہ آپکے اور آپ کی قوم کے لیے ذکر ہے یعنی قرآن ۱۲۔

کا شک بھی نہیں تھا۔

ف : اِن مخففہ و ثقیلہ کے مابین فرق لام مفتوحہ سے ہوتا ہے۔

ذکرِ ولادتِ مقدسہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سرکش اور بے خوف قوم میں مبعوث ہوئے لیکن آپ نے اپنی قوت نبوی سے ہر سرکش کی سرکشی کو توڑا۔ بلکہ آپ کی ولادت مبارکہ کے وقت ہی تمام کے تمام بُت مُنہ کے بل گر گئے اور کسریٰ کا محل ٹوٹا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔ اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ کسریٰ کے بعد اس علاقہ پر اسلام کے قبضہ کرنے تک صرف چودہ بادشاہ بادشاہی کریں گے۔ آپ کی ولادت کی برکت سے فارس کی آگ بُجھ گئی اور بحیرہ ساوہ خشک پڑ گیا۔ حالانکہ اُن کے بجھنے اور خشک ہونے کی اور کوئی وجہ نہ تھی۔ آپ کو آپ کے مالک و مولیٰ نے اپنی ذات کے لیے اختیار فرمایا بلکہ اپنی تمام مخلوق پر آپ کو برتر اور اعلیٰ بنایا۔ آپ تمام مخلوق میں ایسے ہی اعلیٰ و بالا ہیں جیسے سر میں آنکھ۔ آپ کے قیمتی دور کی مثال ایسے ہے جیسے مہینہ کے ایام تشریق اور آپ کی زندگی کی راتیں شادی کی راتوں جیسی تھیں۔ خود قریش تعجب میں تھے کہ آپ کو فقر و فاقہ اور افلاس کے باوجود اتنی بڑی ترقی کیسے ہوئی۔ قرآن پاک نے آپ کے مخالفین کو مقابلہ کے لیے قدم قدم پہ چیلنج کیا آپ کی فتحیابی تیروں اور تلواروں سے نہیں بلکہ انہی قرآنی دلائل وغیرہ سے ہے قرآن پاک نے اُن کے تعجب پر فرمایا۔

اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ[1] خلاصہ یہ کہ آپ تمام لوگوں کے لیے رحمت عامہ اور خواص و عوام کی نظروں میں بلند و بالا ہیں۔ جب آپ کے نکاح پہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے ابُو طالب نے دعوت دی اور بنو ہاشم اور مضر قبیلوں کے بہت بڑے سردار شریکِ نکاح ہوئے تو ابو طالب نے خطبہ ذیل بڑے شان و فخر سے پڑھا کہ تمام تعریف اس مالک کے لیے جس نے ہمیں حضرات ابراہیم کی اولاد اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام) کی نسل اور سعد کے خاندان اور مضر کی شاخ سے پیدا فرمایا اور اپنے گھر کا نگران اور اپنے حرم کا محافظ بنایا۔ ہمارے لیے بیت اللہ مقرر فرمایا کہ وہاں حج ادا کیا جائے اور اسے ہی امن والا گھر بنایا ہمیں لوگوں کا حاکم مقرر فرمایا۔ اور میرا یہ بھتیجا محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی شخصیت ہیں کہ ان کا مثل ہمارے خاندان میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی قسم چند روز کے بعد اُن کی شان و شوکت قابلِ دید ہوگی۔

آفاقہا گردیدہ ام بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ

یا محمد قلبت الارض مشارقها و مغاربها فلم اجد رجلا افضل من

[1] کیا لوگوں کو تعجب ہے کہ ہم نے ان کے ایک مرد کو وحی بھیجی کہ وہ لوگوں کو ڈر سنائیں۔

محمد ولم اجد بنی رب ا فضل من بنی ھاشم آدم و من دونہ تحت اللوا ء۔

ترجمہ: اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے زمین کے مشارق و مغارب کی سیر کی ہے ۔ مجھے کوئی آپ جیسا نہیں ملا اور نہ ہی کوئی قبیلہ آپ کے خاندان سے افضل ملا ۔ اور قیامت میں آدم علیہ السلام اور اُن کے ماسوا تمام کے تمام آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے ۔ ع

زانکہ بہر اوست خلق ماسوا،

ترجمہ: ماسوا اللہ تمام آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

نبی علیہ السلام کی نورانیت کا بیان

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ بیشک قریش ایک نور تھا جو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں تسبیح پڑھتا تھا اس کی تسبیح کے مطابق ملائکہ کرام بھی تسبیح پڑھتے تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالےٰ نے وہی نور آدم علیہ السلام کی پشت میں ڈال دیا ۔ ع

نور بہار عالم نور بہار عالم

ترجمہ: یہ نور بہار عالم ہے۔

حضرت عبد المطلب کا بہترین خواب

حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے جدِ امجد سیدنا عبد المطلب ایک رات خواب سے گھبرا کر اٹھے اور چل پڑے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اُن کے پیچھے ہو لیا تاکہ معلوم کروں کہ کیا کرتے ہیں اور میں اس دقت باتوں کو سمجھ سکتا تھا۔ حضرت عبد المطلب قریش کے کاہنوں کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک لٹکتی ہوئی زنجیر دیکھی جو کہ میری پیٹھ سے نکلی اور چار کنارے تھے اس کا ایک کنارہ مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا آسمان پر چوتھا تحت الثریٰ تک پہنچ چکا تھا میں دیکھ رہا تھا کہ پھر وہ سبز درخت ہو گیا جس سے نور چمکنے لگا ۔ میں اس حالت میں تھا کہ میرے ہاں دو بزرگ تشریف لائے ۔ میں نے ان میں ایک حضرت سے پوچھا کہ آپ کون ہیں ۔ انہوں نے فرمایا میں نوح نبی علیہ السلام ہوں ۔ پھر اُن دوسرے بزرگ سے پوچھا کہ آپ کون ہیں ۔ انہوں نے فرمایا میں ابراہیم خلیل علیہ السلام ہوں ۔ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا ۔ کاہنوں نے کہا اگر تم نے یہی خواب دیکھا ہے تو تم کو مبارک ہو کہ تمہاری پشت سے ایک نبی علیہ السلام پیدا ہوں گے جن کی نبوت پر تمام آسمان و زمین والے ایمان لائیں گے اور زنجیر کے پھیلنے میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کے تابعدار اور غلام ان گنت ہوں گے اور آپس میں اتنا متحد و متفق ہوں گے کہ جس طرح زنجیر کا ٹوٹنا مشکل ہے ایسے ہی ان کا مختلف ہونا ۔ پھر اس زنجیر کے درخت بن جانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کا دین تا قیامت رہے گا ۔ اور آپ کا ذکر مبارک بلند و بالا رہے گا ۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوئی تو

پھر ان کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا ظہور ہوا۔ اسی طرح خود حضور علیہ السلام نے غزوہ حنین میں اشارہ فرمایا[1] انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبد المطلب گویا آپ ان الفاظ میں یوں فرما رہے ہیں کہ میں وہی صاحبزادہ ہوں جس نے یہ بہترین اعلیٰ خواب دیکھی تھی۔ اس لیے کہ اس خواب میں آپ کی نبوت کی بہترین علامات اور آپ کے شان اقدس کی طرف بہترین اشارات تھے۔

عاشق صادق کی علامات

نہ تو آپ کے اوصافِ کریمہ کی حد ہے اور نہ ہی آپ کے اخلاقِ حمیدہ کا انتہا ہے مقصد تو یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ عشقِ مصطفیٰ سے سرشار رہے اور آپ کی سنتوں کو پابندی سے ادا کرے تاکہ اسے حقیقی اور سچا امتی کہا جا سکے اور آپ کے دروازہ کا صحیح فقیر سمجھا جائے اور شریعت و طریقت میں وصول الی اللہ کے سب سے بہترین اور اعلیٰ یہی طریقہ ہے۔

حکایت: ایک جھوٹا مرید کہنے لگا کہ میرے شیخ بہترین مراتب و مقامات پر فائز ہیں اور انہیں معلوم ہے کہ ان کی خلافت کا میں مستحق ہوں اور ایسے بلند مراتب کی اہلیت و صلاحیت بھی رکھتا ہوں لیکن پھر وہ مجھے خلافت سے مجاز کیوں نہیں فرماتے۔ شیخ نے سنا تو اسے اپنی خدمت میں بلا لیا اور چند روز کے لیے اپنی خدمت میں رکھا۔ لیکن اس نے شیخ کی خدمت میں بہت سستی دکھائی اور ان کی خدمت میں شوق اور جد و جہد نہ کی۔ شیخ نے اسے کہا کہ جب تو مخلوق میں اتنا ڈھیلا ڈھالا ہے تو پھر خالق کی خدمت کیسے کر سکے گا۔

سبق: شیخ نے خدمتِ خلق کو خدمتِ خالق پر قیاس فرمایا۔ اسی طرح جسے اللہ تعالیٰ کا وصال چاہیے تو اسے چاہیے کہ وہ شریعت نبوی علی صاحبہا السلام کی پوری پابندی کرے پہلے نبی علیہ السلام کی سنتوں کا کاربند ہو یہاں تک کہ اس کارروائی پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محبت کریں ان کی محبت کی برکت سے وہ بندہ اللہ تعالےٰ کا محبوب ہو جائے گا۔

محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ترجمہ: اے سعدی (رحمہ اللہ تعالیٰ) راہِ صفا پر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کے بغیر چلنا محال ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں اور آپ کی آل اطہار اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقشِ قدم پر چلنے کا شرف بخشے وہی ہر آن منان اور جزیل الاحسان و وسیع الغفران ہے۔

---

[1] میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

ترجمہ (۱): مکڑی کسریٰ میں آنا تانتی گھر بناتی ہے اور اُلو جنگلوں ویرانوں میں بسیرہ کرتا ہے۔
(۲) احسان کا بیج چھپا کر رکھنے کا کیا فائدہ اسے بے خبر سے خرچ کر دے۔ جب تجھے یقین ہے کہ تیری زندگانی کا دانہ چھنی
اللہ تعالیٰ کے ہم سب کو یقین کی بلندی تک پہنچنے والا اور بیدار مغز بنائے اس سے قبل کہ موت کی گھڑی آپہنچے۔

تفسیر عالمانہ

(وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا) (ان لوگوں کو مردہ مت خیال کرو جو اللہ تعالیٰ کے راہ میں شہید ہوئے) اُن سے شہدائے اُحد مراد ہیں جو کل ستر تھے چار اُن میں مہاجرین :-

(۱) حضرت حمزہ بن عبد المطلب۔
(۲) حضرت مصعب بن عمیر۔
(۳) حضرت عثمان بن شہاب۔
(۴) حضرت عبداللہ بن جحش۔ باقی ان میں انصار تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔

نکتہ: حضرت کاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زیادہ فصیح و بلیغ یہ ہے کہ لَا تَحْسَبَنَّ کا مخاطب ہر اُمتی ہوتا کہ اس مبارک خطاب سے ہر ایک کو حصہ نصیب اور جہاد کی رغبت اور یقین ہو کہ جہاد کی جزاء بہتر و اعلیٰ نصیب ہوتی ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے اس لیے کہ آپ کی اُمت کو گمان سے روکنا مطلوب ہے تاکہ انہیں اُن کے حال پر تنبیہ ہو جائے ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان و بالا ہے کہ آپ کسی قسم کے گمان و شک میں ہوں۔ بَلْ اَحْيَآءٌ بلکہ وہ زندہ ہیں عِنْدَ رَبِّهِمْ یہ مُبتدا مقدر کی دوسری خبر ہے لیکن چونکہ عندیہ مکانیہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے اس لیے یہاں تکریم و تعظیم کا قُرب مُراد لیا جائے گا یعنی وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مکرم و معظم ہیں يُرْزَقُوْنَ وہ بہشت کے پھلوں سے رزق دیئے جائیں گے اس میں اُن کے زندہ ہونے پر تاکید و تحقق و ثبوت ہے فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ خوش ہیں اُس پر جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا یعنی شرف شہادت اور حیاۃ ابدیہ پر کامیابی اور قرب الٰہی اور شہید ہوتے ہی دائمی نعمتوں سے نوازے جانے کی وجہ سے وَيَسْتَبْشِرُوْنَ اس کا عطف فرحین پر ہے اور عطف الفعل علی الاسم جائز ہوتا ہے (جب فعل کو مؤولاً اسم بنایا جائے) یہاں پر يَسْتَبْشِرُوْنَ بمعنی مستبشرین ہے ای فَرِحِيْنَ وَمُبَشِّرِيْنَ۔

ف: یہاں استبشار کا سین طلب کے لیے نہیں بلکہ مجرد عن الطلب ہو کر مُستعمل ہوا ہے جیسے استغنی بمعنی غنی ہے۔ نیز یہ بھی اہل لغت سے سنا گیا کہ پڑھتے ہیں بشر الرجل (بکسر العین) بمعنیٰ استبشر یعنی اہل لغت کہتے ہیں کہ استبشر بشر کا مطاوع ہو کر آتا ہے۔ جیسے اراح واستراح" اسی طرح چونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت نصیب ہوتی۔ اسی لیے البشر کا مطاوع سمجھا جائے گا۔ ایسے ہی کشاف میں زمخشری نے کہا کہ دراصل یہ عبارت

اور قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ یَسْتَبْشِرُوْنَ ہے یوں بھی کہ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ (خوش ہوتے ہیں ان لوگوں پر جو انہیں ابھی نہیں ملے) یعنی ان کے وہ اہل اسلام بھائی جو ابھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید نہیں ہوئے اور وہ عنقریب اُن سے ملنے والے ہیں مِنْ خَلْفِھِمْ جو اُن کے پیچھے ہیں۔ یہ یَلْحَقُوْا کے متعلق ہے معنیٰ یہ ہے کہ وہ لوگ جو اُن کے بعد باقی رہ گئے ہیں اور وہ اُن سے پہلے چلے گئے اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ ان کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ الذین بدل الاشتمال ہے۔ یہ بیان کرنا ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کے احوال کی وجہ سے خوش ہوں گے اور یہ اَن مخففہ من المثقلہ ہے یعنی وہ اس لیے خوش ہوں گے کہ اُن کے متعلق انہیں خوشخبری سنائی جائے گی کہ تم جن بھائیوں کو چھوڑ آئے ہو اُن کا حال یہ ہے کہ جب رہ مریں گے یا شہید ہوں گے تو وہ بھی حیاتِ ابدیہ سے فائز ہو کر ہر خوف سے بری ہوں گے کہ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ ہی انہیں کسی شئے کے نہ ملنے پر کسی قسم کا غم و حزن ہوگا

ف: ہر وہ دُکھ اور تکلیف جو مستقبل میں کسی پر وقوع کا احتمال ہو اس سے خطرہ کا نام خوف ہے اور ہر وہ منافع جو ماضی میں موجود تھے لیکن اُن کے حصول سے محرومی ہوئی ایسے غم کو حزن سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں قیامت کے آنے والے خطرات سے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی انہیں دُنیا کی لذات و نعمتوں کے فوت ہونے کے لیے کسی قسم کا غم اور حزن ہوگا۔

یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ خوش ہوں گے ان نعمتوں سے جو ہونے والی ہیں مِّنَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ سے استبشار کو مکرر لایا گیا تاکہ کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ اُن کا خوش ہونا صرف خوف و حزن کی نفی سے ہوگا۔ بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت بڑی نعمتوں سے خوشی ہوگی کہ جن نعمتوں کو صرف وہی قادرِ مطلق جانتا ہے اور یہ ثواب اور عوض ہوگا اُن کے اعمال کا وَفَضْلٍ (اور اس سے مزید اور) جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا۔ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ۔ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اور بیشک اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرتا (اس سے تمام اہل ایمان مُراد ہیں خواہ شہداء ہوں یا غیر شہداء۔

ف: یہاں پر اَنَّ کے ہمزہ کو مفتوح پڑھا جائے گا اس لیے کہ اس کا عطف فضل پر ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ جملہ بھی اُن کی خوشی کے انعام میں شامل ہے۔

مسئلہ: حضرت امام رازی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ بھائیوں کی سعادت پر خوش ہونا بھی سعادتمندی ہے اس لیے کہ استبشار اول کا ذکر بھی بھائیوں کے احوال کے لیے تھا۔

مسئلہ: آیت میں تنبیہ ہے کہ بندے کو اپنے بھائی اور متعلقین کی سعادتمندی پر مکمل طور خوشی ہونی چاہیے بلکہ اسے اپنی خواہش اور اپنے احوال نفسی کی اصلاح کی بہ نسبت عزیز و اقارب کی خوشی و اصلاح کا زیادہ خیال و اہتمام

بیٹھ گئے لَوْ اَطَاعُوْنَا اگر وہ ہمارا کہا مان لیتے اور ہماری موافقت کرتے تو وہ مارے نہ جاتے ۔ جیسے ہم موت سے بچ گئے ہیں وہ بھی بچ جاتے اس کو معلوم ہوا کہ غزوۂ اُحد میں شہداء کو ان منافقین نے جنگ سے علیحدگی اختیار کرنے کو کہا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ جیسے ہم جنگ میں نہیں گئے اور بغاوت کا اظہار کیا وہ بھی باغی بن جائیں قُلْ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اُن کے کذب کو ظاہر کر کے فرمائیے کہ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ یہ جواب اور شرط محذوف ہے جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے یعنی تم اپنے قول میں سچے ہو جیسے کہ تمہارا دعویٰ ہے (کہ تم اپنے اوپر لکھی ہوئی جنگ کو دفع کرنے پر قادر ہو) تو اپنے سے اس موت کو دفع کرو جو تمہارے اوپر کسی خاص سبب سے متعلق ہو چکی ہے اور وہ ایک خاص معین وقت میں آکر رہے گی اس لیے کہ اس کے لیے اسباب بنانا یا اسے روکنا برابر ہے ۔ پھر تمہیں اپنے نفوس تمہارے بھائیوں سے عزیز ترین ہیں بلکہ تمہارا اپنا معاملہ اُن کے معاملات سے اہم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارا جنگ میں نہ جانا تمہارے بچ جانے کا سبب نہیں بلکہ اس وقت تمہارے لیے موت کا وقت لکھا ہوا نہیں تھا ورنہ موت سے کون بچ سکتا ہے ۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنگ پہ جانا موت سے بچنے کا سبب بن جاتا ہے اور الٹا جنگ سے گریز موت کے گھاٹ اُتر جانا ہوتا ہے ؎

زپیش خطر تا توانی گریز　　　ولیکن مکن با قضا پنجہ تیز
گرت زندگانی نبشت دیر　　　نہ مارت گزاید نہ شمشیر و تیر

ترجمہ: (۱) جہاں تک تجھ سے ہو سکتا ہے خطرے سے پرہیز کر کیونکہ قضا کے ساتھ پنجہ اڑانا اچھا نہیں۔
(۲) اگر تیری زندگی تا دیر لکھی گئی ہے تو پھر تجھے نہ سانپ ڈس سکتا ہے نہ شیر کھا سکتا ہے نہ تیر موت دے سکتا ہے ۔

مسئلہ: موت نہ سن پر موقوف ہے اور نہ ہی اس کی کوئی مدت مقرر ہے اور نہ ہی کسی مرض سے متعلق ہے تاکہ انسان ہر وقت موت کا سامان تیار رکھے۔

حکایت: ایک بزرگ کی عادت تھی کہ رات کو شہر کے کنارے اعلان کرتے ۔ الرحیل الرحیل (کوچ کا وقت آگیا۔ کوچ کا وقت آگیا) جب اُن کا وقت آگیا تو شہر کے حاکم نے پوچھا کہ وہ بزرگ کہاں گئے جو روزانہ الرحیل الرحیل" پکارتے تھے ۔ کہا گیا کہ اُن کا وصال ہو گیا تو حاکم وقت نے یہ اشعار پڑھے ؎

مَا زَالَ یلهج بالرحیل و ذکره　　　حتی اناخ ببابه الجمال
فَاصَابه مستیقظا متشمرا　　　ذا اهبة لم تلهه الآمال

ترجمہ: وہ کوچ کرنے کو ہر وقت یاد فرماتے رہتے تھے ۔ یہاں تک کہ اُن کے دروازے پر شتربان آہی گیا تو

دیکھا کر جانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں ۔ سامان بندھا ہوا ہے ۔ انہیں کسی قسم کی ضروریات زندگی نے مشغول نہ کیا ۔

حکایت : حضرت دانیال علیہ السلام ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ آواز آئی اے دانیال (علیہ السلام) ٹھہر جائیے ۔ تمہیں ایک نظارہ دکھایا جائے گا ۔ آپ نے ادھر اُدھر دیکھا تو کوئی بھی نظر نہ آیا ۔ پھر وہی آواز آئی ۔ فرماتے ہیں کہ میں وہ آواز سن کر ٹھہر گیا اچانک دیکھا کہ قریب ایک گھر ہے ۔ اس میں مجھے داخل ہونے کا کہا جا رہا ہے ۔ چنانچہ میں اس کے اندر گیا ۔ دیکھا تو اس پر ایک بہترین تخت ہے جو موتیوں اور یاقوت سے جڑا ہوا ہے اس کے بعد اس تخت سے آواز آئی کہ دانیال اس تخت پر تشریف لائیے اس میں آپ کو نظارہ دکھائی دے گا ۔ فرمایا میں اس تخت پر چڑھا تو سبحان اللہ اس تخت پر سونے کا بستر بچھا ہوا ہے اور اس پر عطر و کستوری کی خوشبو ہے ۔ اس پر ہی ایک نوجوان مردہ دکھائی دیا ۔ معلوم ایسے ہوتا تھا کہ اُس کے بائیں ہاتھ میں سونے کی انگشتری اور سر پر سونے کا تاج اور کمر میں نہایت ہی سبز رنگ کی تلوار لٹک رہی ہے پھر اس تخت سے آواز آئی کہ اس کی تلوار کو اٹھا کر دیکھئے اس پر کیا لکھا ہوا ہے میں نے وہ تلوار اٹھائی تو اس پر لکھا ہوا ہے کہ یہ تلوار صمصام بن عوج بن عنق بن عاد بن ارم کی ہے اور میں نے ایک ہزار اور سات سو سال عمر بسر کی ہے اور میں نے بارہ ہزار لونڈیوں سے ہمبستری کی اور چالیس ہزار شہر بنائے اور ستر ہزار لشکر کو شکست دی ۔ جس کے ہر لشکر کا علیحدہ سردار ہوتا اور ہر سردار کے ساتھ بارہ ہزار جنگی ہوتے تھے میں داناؤں سے دُور رہتا لیکن ہر بیوقوف میرا ساتھی ہوتا تھا ۔ ظلم و تشدد میرا وطیرہ تھا ۔ انصاف کی سرحد سے میرا کبھی گزر نہیں ہوا ۔ میرے خزانوں کی چابیاں اٹھانے والے چار خچر تھے ۔ دُنیائے عالم کے تمام بادشاہ میرے باجگزار تھے ۔ اہل دُنیا میں میرے مقابلہ کی کسی کو طاقت و ہمت نہ تھی ۔ اس پر میں نے ربُوبیت کا دعویٰ کیا ۔ لیکن مجھے یہاں پر بھوک نے ستایا تو میں نے صرف روٹی کے ایک ٹکڑے کے عوض موتیوں کی ہزار بوری دینی کی لیکن مجھے مٹھی بھر اناج نہ مل سکا تو موت آگئی ۔ اَب دُنیا والو ! سُن لو موت کو بکثرت یاد کرو میری کیفیت کو دیکھ کر عبرت پکڑو ۔ خبردار کہیں تمہیں دُنیا دھوکہ نہ دیدے جیسے اُس نے مجھے دھوکہ دیا ۔ میرے کسی ایک عزیز نے میرا بوجھ نہ اٹھایا ۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ دُنیا کی طرف نہ جھکے بلکہ سوچے کہ میرا انجام کیا ہو گا ۔ منافقت اور ظلم تشدد سے دور رہے بلکہ اخلاص اور عدل و انصاف کے اوصاف سے موصوف ہونے کی کوشش کرے اس لیے کہ اسے یہی عمل زیادہ مفید ہے حضرت ابن الکمال نے فرمایا ہے

پردہ داری میکند در طاق کسریٰ عنکبوت	بوم نوبت می زند بر قلعہ افراسیاب
تخم احسان را چہ داری بر فشاں اے بے خبر	چونکہ دانی دانہ عمرت خورد ایں آسیاب

تفسیر عالمانہ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ط

یہ واؤ عاطفہ ہے اس سے قبل اس کا معطوف محذوف ہے اور لَمَّا ظرفیہ اور اپنے مابعد کی طرف مضاف ہے اور قَدْ اَصَبْتُمْ محلاً مرفوع مصیبہ کی صفت ہے۔ اس مصیبت سے اُحد کی شکست مراد ہے کہ اس میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے اور قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا سے بدر کا غزوہ مراد ہے کہ اس میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قیدی ہوئے اَنّٰى هٰذَا قُلْتُمْ کا مقولہ ہے۔ اب معنی یوں ہوا کہ جب تمہیں کفار کی طرف سے یوم احد میں تکلیف پہنچی یہ نصف ہے اس کا جو تم نے انہیں غزوہ بدر میں تکلیف پہنچائی پھر بھی تم جزع فزع کرتے ہوئے کہتے ہو کہ ہمیں یہ مصیبت کہاں سے آئی۔ یہ ہمزہ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ الخ کا ہمزہ و تصریح کے لیے ہے یعنی اگر یہ رسول خدا ہوتے تو ان کے لشکر کو یوم اُحد میں کفار سے شکست نہ ہوتی۔ یہاں تک کہ اہل ایمان کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ہمیں کفار مشرکین سے مغلوبیت کیوں ہوئی اور وہ مشرکین ہم پر فتحیاب کیوں ہوئے جب وہ شرک کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور دین اسلام کو سینہ سے لگائے پھرتے ہیں۔ یہ استفہام علی سبیل الانکار ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو فرمایا کہ انہیں اس سوال فاسد کا جواب دیں کہ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں فرما دیجئے کہ یہ شکست تمہارے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہے کہ تم نے مرکز کو چھوڑ کر مال غنیمت کے پیچھے پڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بے فرمانی کی۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شئے پہ قادر ہے منجملہ اس کے طاعت پر مدد کرنا ہے اور نافرمانی پر رسوائی و شرمساری دیتا ہے۔ پھر جب تم نے بے فرمانی کی تو تمہیں غزوہ اُحد میں انہی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اور وہ جو تمہیں دو جماعتوں کے آمنے سامنے ہونے کے وقت پہنچا ہے جماعت اہل اسلام و جماعت اہل کفر کے مقابلہ کے وقت اس میں غزوہ احد کی لڑائی مراد ہے فَبِاِذْنِ اللّٰهِ تو یہ اللہ تعالیٰ کے اذن و حکم اور اس کی قضاء و قدر سے ہوا کہ کفار کو فتح دے دی۔ اسے اذن سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اس طرح ہونا قضاء و قدر کے لوازمات سے ہے وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ تاکہ مؤمنین اور منافقین میں امتیاز ہو جائے۔ یعنی ظاہر کرے کہ تم میں مؤمن مخلص کون ہے اور منافق کون وَقِيْلَ لَهُمْ اس کا عطف نافقوا پر ہے۔ یہ بھی اس کے صلہ بننے میں شامل ہے اور اس سے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی مراد ہیں جب وہ غزوہ احد سے منہ پھیر کر جا رہے تھے تو انہیں عبداللہ بن حرام نے کہا کیا تم اپنے نبی علیہ السلام اور اپنی قوم کو رسوا کرنا چاہتے ہو حالانکہ اس وقت وہ تمہیں جنگ کیلئے بلا رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۔ آؤ اللہ تعالیٰ کے راہ میں لڑو یا کفار کی مدافعت کرو۔ کہ تمہارا

یہاں ٹھہرنا بھی کافی ہے کہ دشمن کو ہماری کثرت محسوس ہوگی۔ اس طرح سے وہ گھبرائیں گے اور ان کے دلوں میں رُعب پڑے گا۔

قَالُوْا۔ جب انہیں اِن باتوں میں اختیار دیا گیا کہ یا لڑو یا مدافعت کرو تو انہوں نے کہا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ۔ اگر ہم جنگ کو اچھا سمجھتے تو تمہارے ساتھ ہوتے یعنی ہمارے خیال میں اسے جنگ نام دینا بھی مناسب ہوتا تو تمہارے ساتھ ہوتے لیکن ہم تو اسے ہلاکتِ جان سمجھتے ہیں یا یہ کہ ہم اگر اس جنگ کو اچھا سمجھتے تو ہم تمہارا ساتھ دیتے یہ انہوں نے مزاحًا و استہزاءً کہا تھا هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ وہ آج کے دن بہ نسبت ایمان کے کفر کے قریب تر ہیں۔ معنیٰ یہ ہے کہ اُن کا آج کے دِن ایمان کی بجائے کفر میں اضافہ ہوا کہ اس سے قبل وہ منافقت سے کفر کو مخفی رکھتے تھے اس لیے بظاہر کفر سے دُور تر تھے۔ جب انہوں نے کفر کو ظاہر کر دیا تو کفر کے قریب ہو گئے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جب انہوں نے جنگ سے فرار کیا اور مسلمانوں کی معاونت سے گریز کر کے اُلٹی سیدھی باتیں کیں تو واضح ہو گیا کہ وہ مسلمان نہیں تھے يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ منہ سے وہ باتیں کیں جو اُن کے دلوں میں نہیں تھیں یعنی وہ باتیں ظاہر کرتے تھے جو دل کی باتوں کے خلاف تھیں۔ ایمان کے اعتبار سے ان کی زبانیں اُن کے قلوب کے غیر موافق تھیں۔ قول کی اضافت اُن کے منہ کی طرف تاکید و تصویر کے لیے ہے اگرچہ قول کا اطلاق کلام لفظی و نفسی ہر دونوں پر ہوتا ہے لیکن عموماً اس کا اطلاق زبانی لسانی باتوں پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ قول کے بعد افواہ کا ذکر محض تاکید کے لیے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں ہے[1] وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ طاہر ویسے بھی پروں سے اُڑنے والے کو کہا جاتا ہے لیکن تاکید کے طور يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ فرمایا۔ پھر قول کی تاکید یوں بھی ہو گئی کہ یہ لفظ صرف ایک فرد سے ہوتا ہے وہ فردِ واحد زبان ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے اُن امور کو جو وہ چھپاتے تھے (یعنی اُن کی منافقت) اور اُن کے آپس کے خلوت میں مشورہ وغیرہ کو وہ تفصیلاً جانتا ہے اور اس کا علم ضروری ہے اور تم اجمالی طور جانتے ہو اور وہ بھی قرائن سے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا یہ مرفوع اور بدل ہے قَالُوْا کی ضمیر هُمْ سے (یعنی وہ جو کہتے ہیں) لِاِخْوَانِهِمْ اپنے بھائیوں کو جو اُن کے منافقت میں بھائی ہیں (یعنی ان بھائیوں کے لیے جو اُن کے ہم جنس اور غزوہ احد میں جنگ میں مارے گئے یا اُن کے نسبی بھائی مراد ہیں جو اُن کے ساتھ مدینہ طیبہ میں اکٹھے تھے اس میں شہدائے احد بھی داخل ہوں گے وَقَعَدُوْا یہ قالوا کی هُمْ ضمیر سے حال ہے۔ یعنی انہوں نے کہا در انحالیکہ وہ مدینہ میں جنگ سے علیحدگی اختیار کر کے

---

[1] اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے۔ ۱۲۔

رکھنا چاہیے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ شہداء کے اگرچہ بظاہر اجسام سے ارواح خارج ہو جاتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ زندہ ہوتے ہیں۔

حیات شہداء

اس میں اختلاف ہے کہ شہید مرنے کے بعد جب زندہ ہوتا ہے تو اُس کی حیات صرف روحانی ہے یا بدن کو بھی حیات حاصل ہوتی ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ایک مقدمہ تمہیدا لکھا جاتا ہے تاکہ حیاتُ الشہداء کا مسئلہ واضح ہو جائے وہ یہ کہ انسان مخصوص اس مجموعہ ڈھانچے کا نام نہیں۔ بلکہ انسان کسی اور شئے کا نام ہے جو اس مجموعی ڈھانچے کے مغائر ہے وہ اس لیے کہ یہ ڈھانچہ وہ ہے کہ جس میں چربی ہے پھر انحلال اور تبدل و تغیر کو قبول کرتا ہے کبھی موٹا اور کبھی دُبلا پتلا اور کبھی زرد کبھی اس کے برعکس۔ حالانکہ وہ مخصوص انسان الآن کما کان ہے یعنی اول سے لیکر آخر عمر تک ایک ہی حالت پہ رہتا ہے اور ڈھانچہ تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان مخصوص اس مجموعہ ڈھانچے کے مغائر ہے۔

علاوہ ازیں

یہ بھی احتمال ہے کہ وہی انسان مخصوص اس ڈھانچہ میں اسی طرح سرایت کئے ہوئے ہے جیسے آگ کوئلہ میں اور تیل تلوں میں اور گلاب کا پانی پھول میں۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ انسان جوہر قائم بنفسہٖ ہے۔ نہ تو وہ جسم ہے اور نہ ہی جسم میں حلول کرنے والا ہے۔ بہر حال ہر دونوں مذہبوں پر وہی انسان مخصوص بدن پر موت کے طاری ہونے کے وقت بھی زندہ موجود رہتا ہے۔ جس پر اس کے اعمال کے مطابق جزاء سزا مرتب ہوتی ہے۔

بعداز موت انسان کی بقاء پر دلائل نقلیہ

بعداز موت[۱] انسانی بقاء پر دلائل عقلیہ بکثرت ہیں کہ اُن سے تمام وہ شبہات دور ہو سکتے ہیں جو ثواب و عذاب قبر پر وارد ہوتے ہیں۔

---

[۱] اس موت سے مراد اربعہ عناصر کا انتشار ہے وہ بھی عوام کی نظروں میں ورنہ درحقیقت وہ بھی نہیں کیونکہ سے آتش آب و زمین ہر شئے آیا حکم ربانہ بدن مبارک نبی صاحب دار دانہ آیا کھانا۔ اور انہیں کے زمرہ میں ولی غوث قطب۔ شہید وغیرہم حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین آجاتے ہیں۔

آیت اُغرِقُوا فَاُدخِلُوا نَارًا قبر کے عذاب پر دلالت کرتی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بعد از موت نفوس پر موت نہیں ہوتی۔

استدلال بطریقِ دیگر اللہ تعالیٰ شہداء کے نفوس کو موت دیکر پھر انہیں زندہ کرتا ہے چنانچہ حدیث شریف ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شہداء کے بارے میں فرمایا کہ اُن کی ارواح سبز پرندوں کے اجواف میں ہوتی ہیں ان کے ذریعے وہ بہشت کی نہروں پر وارد ہوتی ہیں۔ اس سے وہ ان کے ثمرات کھاتی ہیں اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔ اور عرش کے نیچے نُورانی قندیل میں ہیں پھر وہ انہیں کی طرف آتی ہیں جب وہ اس قسم کے بہترین کھانے اور پینے کی اشیاء دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کاش ہماری قوم کو معلوم ہوتا کہ ہم کن مراتب و مقامات اور کیسی نعمتوں سے بھرپور ہیں اور ہمارے ساتھ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ سلوک کیا ہے انہیں خبر ہو جائے تاکہ جہاد میں انہیں شوق پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم انہیں خبر دیتے ہیں اور تمہارے بھائیوں کو تمہارے تمام حالات سنا دیں گے یہ سُن کر وہ بڑے مسرور ہوتے ہیں۔ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہی آیت اُتاری۔

دیگر مذاہب جو لوگ اس حیات اجساد کے لیے بھی ثابت کرتے ہیں پھر اُن کا آپس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شہداء کے اجساد کو آسمان کی طرف اُن قنادیل میں اٹھا لیتا ہے جو تحت العرش ہیں پھر انہیں قسم و قسم کی سعادات و کرامات سے نوازتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہی اجسام اس زمین میں رہتے ہیں لیکن وہی کرامات و سعادات اس مقام پہ پہنچاتا ہے (تفسیر الامام) الرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ)

ابو علی سینا ابُو علی سینا نے اس موضوع پر رسالہ "علم النفس" لکھا ہے۔ بخدا تحقیق میں کمال کر دیا ہے جسے اس مسئلہ میں تحقیق مطلوب ہو وہ اس کا مطالعہ کرے۔

شہداء کے فضائل شُہداء کے فضائل غیر منتہٰی ہیں (۱) رسُول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا شہید قتل کے درد کو صرف کانٹے کا درد محسوس کرتا ہے اس کے لیے سات خصلتیں ہیں۔

① اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اسے بخش دیا جاتا ہے۔
② جنت میں اپنی جگہ لیتا ہے۔
③ قبر کے عذاب سے نجات پاتا ہے۔

لے آگ میں ڈبوے گئے یعنی فرعون اور اس کا لشکر ۱۲۔

زیاں کاریں لگے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور ہرگز کافر اس گمان میں نہ رہیں کہ وہ جو ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں کچھ ان کے لیے بھلا ہے ہم تو اسی لیے ڈھیل دیتے ہیں کہ اور گناہ میں بڑھیں اور ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کر دے گندے خبیث کو پاک سے اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور اگر ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لیے بڑا ثواب ہے اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہرگز اسے اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا اور اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین کا اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے

تفسیر عالمانہ

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ ۔ (جنہوں نے قبول کیا) یعنی انہیں جن امور کا حکم دیا گیا انہیں مانا۔ اور جن باتوں سے روکا گیا ان سے رک گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ ؕ بعد اس کے کہ انہیں غزوہ احد میں زخم پہنچے لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡہُمۡ ۔ ان لوگوں کے لیے کہ جنہوں نے ان میں سے نیکی کی اُن میں وہ لوگ داخل ہیں جو جمیع منہی عنہ سے رک گئے۔ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ بہت بڑا اجر ہے للذین خبر مقدم ہے اس کا مبتدا اجرٌ عظیم موخر ہے یہ جملہ محلاً مرفوع خبر ہے اس کا مبتدا الَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا الخ خبر اور منہم میں مِن تبعیضیہ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو سب نے مانا نہ کہ بعض نے بلکہ یہ مِن جنس کے بیان کے لیے ہے۔ اب اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بدل وجان مانا تو اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے اور انہیں دو اوصاف یعنی احسان و تقویٰ سے موصوف کیا گیا یہ اُن کی مدح کی وجہ سے ہے نہ کہ وہ صرف انہی اوصاف میں محصور ہیں۔

شان نزول

مروی ہے کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی اُحد سے لوٹے اور مقام روحاء (جو مکہ و مدینہ کے مابین واقع ہے) پر پہنچے تو نادم ہوئے اور واپس لوٹنے کا ارادہ کیا کہ لوٹ کر احد میں بقایا مسلمانوں کا قلع قمع کریں) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کے عزم کی خبر پہنچی تو آپ نے ابوسفیان کی گرفت کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تیار فرمایا۔ لیکن ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ آج بھی ہمارے ساتھ وہی چلے جو کل کی جنگ میں ہمارے ساتھ تھے (عرب جنگ کے وقائع کو ایام سے تعبیر کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کے ایام کی یاد دہانی کرائی۔ اس کے بعد آپ نے مع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بڑی ہیبت و قوت دیا مردی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح حمراء الاسد (ایک مقام

ہے جو مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پو ہے) تک پہنچ گئے حالانکہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم زخم خوردہ بھی تھے ۔ لیکن جنگ کے میدان میں کود پڑے (اس نیت سے کہیں اُن سے یہ احسن موقعہ ہاتھ سے نکل نہ جائے) اللہ تعالےٰ نے مشرکین کے دل میں اُن کا رُعب ڈال دیا ۔ جس سے وہ جنگ سے گریز کر کے چلے گئے تو یہی آیت اُتری ۔

ف : اسے غزوہ حمراء الاسد سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ غزوۂ احد کے بالکل متصل واقع ہوا ۔ ایک سال بعد غزوۂ بدر صغریٰ ہوا ۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ وہ جن کو لوگوں نے کہا ایعنی عبد قیس یا نعیم بن مسعود اشجعی کے سوار جوان کو ملے اور کہا ۔

سوال : النّاس کا اطلاق کیوں حالانکہ وہ تو فردِ واحد تھا ۔

جواب : اس لیے کہ وہ اُن کا ہم جنس تھا ۔ اور اس کا کلام اُن جیسا تھا ۔ مثلاً کہا جاتا ہے فَلَا يَرْكَبُ الْخَيْلَ ۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے يَلْبَسُ الثِّيَابَ وہ کپڑوں کو پہنتا ہے یہ اس کے لیے کہتے ہیں کہ جس کا ایک گھوڑا یا صرف ایک کپڑا ہو ۔ یا اس کی توجیہ یوں ہو کہ اس کو دوسرے اہل مدینہ ملے اور جا کر انہیں اس کی اشاعت کی اِنَّ النَّاسَ بیشک لوگ (یعنی ابوسفیان اور اُس کے ساتھی) قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ بیشک وہ تمہارے لیے جمع ہوئے ۔ فَاخْشَوْهُمْ تو اُن سے ڈرو ۔

واقعہ : مروی ہے کہ جب ابوسفیان جنگ کے لیے تیار ہوا تو پھر اُس کا ارادہ ہوا کہ وہ واپس چلا جائے اُس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی کہ ہم آئندہ سال بدر صغریٰ میں جنگ کریں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا (انشاء اللہ تعالیٰ) جب سال تمام ہوا تو ابوسفیان اہل مکہ کو لے کر "مرالظہران" (جگہ کا نام ہے) میں اترا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رُعب ڈال دیا ۔ اور خیال ہوا کہ واپس چلا جائے ۔ اُس کا ارادہ میں تھا کہ وہاں سے بنی عبد قیس کا گزر ہوا ۔ جو مدینہ طیبہ سے سامان خریدنے کے لیے جا رہے تھے ۔ اُن سے کہا کہ اگر وہاں جا کر مسلمانوں کو بزدل بنا دو تو ہم تمہیں ایک اونٹ کشمش سے لدا ہوا دیں گے ۔

ف : یا ابوسُفیان کو ملنے والا نعیم بن مسعود تھا جو عمرہ کے لیے جا رہا تھا ۔ اُسے ابوسفیان نے کہا کہ مَیں نے (حضور) محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس سال جنگ کرنے کا وعدہ کیا تھا ۔ لیکن اب قحط سالی ہے اور ہم ایسے حالات میں لڑنا چاہتے نہیں جب درخت سرسبز ہوں گے اور ہم اونٹوں کو مزے سے چرائیں گے اور خوب موٹا تازہ کریں گے اور سیر ہو کر دودھ پی کر جنگ کو جائیں گے ۔ اب میرا خیال ہوتا ہے کہ واپس چلا جاؤں لیکن اس سے (حضرت) محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کی جرأت بڑھ جائے گی اور وہ ہماری واپسی کو بزدلی پر محمول کریں گے ۔ فلہٰذا تم مدینہ طیبہ جا کر مسلمانوں کو بزدل بناؤ ۔ میں تمہیں اُس کے عوض دس اُونٹ دوں گا ۔ اس کی ضمانت سہیل بن عمرو نے لی ۔ اور

پھران میں علی حسب المعارف والعلوم اور بوجہ کردار و اعمال کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔ معنوی درجات یہ ہیں۔

(۱) جنۃ الذات۔

(۲) جنۃ الصفات۔

پھر اُن کے درجات کی ترقی معارف کے درجات کے مطابق ہوتی ہے اس طرح سے شہید کو ملکوت و جبروت میں ترقی نصیب ہوتی ہے جنۃ صوریہ جنت الافعال کو کہتے ہیں اُن کے درجات کی ترقی اعمال کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی طرح اُسے عالم ملک یعنی سمٰوٰتِ عُلیٰ اور ایسے باغات میں ترقی نصیب ہوتی ہے جن میں ہر قسم کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

نکتہ: حدیث شریف شہدائے احد کے متعلق مروی ہے کہ وہ سبز پرندوں میں ہیں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اجرامِ سماویہ و قنادیل میں ہوتے ہیں اور قنادیل سے کواکب مراد ہیں اور نیرات (جو اجرام سماویہ میں سے ہیں متعلق ہوتے ہیں) کی نزہت کی وجہ سے انہیں قنادیل سے تعبیر کیا گیا ہے اور انہار الجنۃ سے علوم کے چشمے اور ان کی مختلف راہیں اور اثمار الجنۃ سے احوال و کشفیات و معارف مراد ہیں۔ اور جنت صوریہ کے اثمار مراتب جنۃ معنویہ یا صوریہ کے مطابق نصیب ہوں گے۔

یاد: رہنا چاہیے کہ دنیوی مطاعم و مشارب اور مناکح و ملابس یعنی کھانے پینے اور شادیوں اور لباس اور تمام لذتیں اور خواہشیں تمام کی تمام آخرت میں عالم مثال میں موجود ہوں گی بلکہ دنیوی اشیاء میں سے طبقات السماء کی اشیاء زیادہ لذیذ اور نفیس ترین ہوں گی اور وہ شہداء اس عقاب (جو کہ نقص و تقصیر سے لازم ہوتا ہے) سے بے خوف ہوں گے اور نعمتِ دُنیا کے فوت ہو جانے کے حزن سے بھی بے خطر ہوں گے اور جنات الافعال میں سے نعمتیں لذیذ ترین اور نہایت ہی ذیشان اور نفیس ترین اور باقی رہنے والی نصیب ہوں گی اور مزید برآں یہ کہ انہیں جنات الصفات سے سرفراز کیا جائے گا جنہیں اللہ تعالیٰ نے رضوان سے تعبیر فرمایا ہے یا نعمت سے جنۃ الصفات اور فضل سے جنۃ الذوات مراد ہے اور انہیں ایمان کے اجر و ثواب سے پر جو جنۃ الافعال نصیب ہو گی اُسے اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرمائے گا۔

سبق: سالک کو چاہیے کہ راہِ حق میں مال اور جسم و جان سب کچھ لٹا دے تاکہ اسے فتوح کے جمیع انواع نصیب ہوں ؎

دلا طمع مبر از لطف بے نہایت دوست

چو لاف عشق زدی سر بباز چابک و چست

ترجمہ: اے دل محبوب کے بے انتہا لطف سے لالچ نہ کر جب تو عشق کا دعویٰ کرتا ہے تو سر دھڑ کی بازی لگا اس میں دیر نہ کیجئے

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ
اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ
فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ
اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ۝
اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَلَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْــًٔا ؕ
یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ
اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْــًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَلَا یَحْسَبَنَّ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰى
یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ
مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ
عَظِیْمٌ ۝ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ
بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ ع

ترجمہ: وہ جو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکا تھا ان کے نیکوں اور پرہیزگاروں کے لیے بڑا ثواب ہے وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لیے جتھا جوڑا تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زائد ہوا اور بولے اللہ ہم کو کافی ہے اور کیا اچھا کارساز ہے تو پلٹے اللہ کے احسان اور فضل سے کہ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی اور اللہ کی خوشی پر چلے اور اللہ بڑے فضل والا ہے وہ تو شیطان ہی ہے کہ اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو اور اے محبوب ان کا کچھ غم نہ کرو جو کفر پر دوڑتے ہیں وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کو کوئی حصہ نہ دے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے وہ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا اللہ کا کچھ

④ قیامت کی بہت بڑی گھبراہٹ سے بچ جائے گا۔
⑤ اس کے سر پر وقار کا یاقوتی تاج رکھا جاتا ہے جو دُنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا۔
⑥ اُس کی ۷۲ بہتر حوروں سے شادی کی جاتی ہے۔
⑦ اُس کی شفاعت سے اُس کے ستر عزیز واقارب بخشے جائیں گے۔

⑩ مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پیاروں کو میرے ہاں بُلاؤ۔ عرض کی جائے گی تیرے پیارے کون ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پیارے وہ شہدا ہیں جنہوں نے میری راہ میں خون اور اموال اور نفوس قربان کیے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے تو حکم ہوگا بہشت میں جاؤ وہ گردنوں پر تلواریں لٹکانے ہوئے بہشت میں داخل ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت قیامت میں صدق کا جھنڈا کھڑا کیا جائے گا اور وہ صرف حضرت ابُوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہوگا۔ اس جھنڈے کے نیچے تمام صدق گو لوگ جمع کئے جائیں گے۔ دوسرا جھنڈا عدل کا کھڑا کیا جائے گا وہ صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہوگا اور اس جھنڈے کے نیچے اہل انصاف جمع کیے جائیں گے۔ تیسرا جھنڈا سخاوت کا کھڑا کیا جائے گا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مخصوص ہوگا۔ اس کے تحت تمام سخیوں کو جمع کیا جائے گا۔ چوتھا جھنڈا شہدا کا ہوگا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مخصوص ہوگا۔ اس کے نیچے تمام شُہداء کو جمع کیا جائے گا۔ اسی طرح ہر فقیہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے اور ہر زاہد کو حضرت ابُوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے تلے جمع کیا جائے گا اور ہر ایک فقیر کو حضرت ابُو درداء رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے اٹھایا جائے گا۔ اور مہمان نواز لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے جھنڈے تلے اٹھایا جائے گا اور تمام مؤذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے کے نیچے جمع کئے جائیں گے اور وہ جو مظلوم ہو کر مقتول ہوگا وہ حضرت امام حسین بن علی شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ۔

مسئلہ: اگرچہ شہداء کی اَرواح اعلیٰ علیّین میں ہوتی ہیں لیکن وہ ہمیشہ ہر جمعہ اپنی قبور کو دیکھنے آتی ہیں۔

مسئلہ: ہر جمعہ کی رات اور دن میں زیارۃ القبُور مُستحب ہے۔

حدیث شریف: حضُور نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہر وہ شخص جو کہ کسی قبر پر گزرتا ہے تو صاحبِ قبر اگر اسے دُنیا میں جانتا ہے تو قبر میں اسے جانتا ہے اور اُس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ: حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ جو شخص صرف نفس پروری میں جیتا رہا تو اس کی رُوح کی پرواز سے اس کی موت واقع ہوگئی لیکن جو شخص اپنے رَب کے ساتھ زندہ رہا تو بوقت موت حیات طبع سے حیاۃ الاصل کی طرف منتقل

ہوگا جو کہ دراصل یہی حقیقی حیات[1] ہے
نکتہ: جو سیفِ شریعت سے مارا جائے تو اُسے زندہ[2] کہا جاتا ہے اور اُسے رزق بھی ملتا ہے تو پھر اس کا کیا حال ہوگا۔
جو سیفُ الصدق والحقیقہ سے شہید ہوے

ہرگز نمیرد[3] آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ترجمہ: جس کا دل عشق سے زندہ ہو تو وہ ہرگز نہیں مرتا۔ جریدہ عالم پر ہمارے لیے دوام لکھا جا چکا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت امام قاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مقتول فی سبیل اللہ دو قسم ہوتے ہیں۔
(۱) مقتول بالجہاد الاصغر جو رضاء الٰہی کی خاطر اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ عموماً یہی مشہور ہے۔
(۲) مقتول بالجہاد الاکبر اور نفس کی سرکشی کو توڑنا اور اسے محبت کے چھرے سے قتل کرنا۔ بلکہ اس کی تمام خواہشات کو مٹا دینا۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنگ سے فراغت کے بعد فرمایا۔ رَجَعْنَا من الجہاد الاصغر الی جہاد الاکبر۔ ہم جہاد اصغر سے فارغ ہو کر اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں بہرحال جہاد کے ہر دونوں مقتول مردہ نہیں بلکہ اپنے رب کے ہاں حقیقی حیات کے ساتھ زندہ اور طبائع کی میل کچیل سے پاک صاف ہیں اور حضرت قدس کا قُرب رکھتے ہیں انہیں جنت معنویہ میں ارزاق معنویہ سے نوازا جاتا ہے۔ یعنی معارف وحقائق سے سرفراز کیا جاتا ہے اور انہیں انوار و تجلیات سے منور و متجلّی کیا جاتا اور انہیں زندوں کی طرح جنت صوری سے ارزاق صوریہ سے بھی رزق دیا جاتا ہے یا ہر دونوں یعنی جنۃ معنویہ وصوریہ سے انہیں رزق پہنچتا ہے۔

جنّات کے مراتب

جنات میں مختلف مراتب ہوتے ہیں۔
(۱) معنوی۔ (۲) صوری۔

---

[1] کسی بزرگ سے خوب فرمایا ہے ؎ نقلی گھر کو گھر کہیں اور اصلی گھر کو گور۔ اصلی گھر کو جب چلا تو سب نے ڈالا شور۔ گویا اصلی گھر اور اصلی زندگی آگے ہی ہے۔

[2] زندہ وہی ہے جسے شریعت کا رنگ چڑھ گیا ورنہ مُردوں سے بدتر۔ نیز فرمایا جناب ابُو سعید ابوالخیر رح نے ؎
کُشتگان خنجر تسلیم را۔ ہر زمان از غیب جان دیگر است۔

[3] مولانا عالم پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎ عشق بہار قدیم ایجہی گلوں نہ رنگت ڈولے۔
نے عشقاندے وچہ گلزاراں وگن خزاں دے جھولے۔ گل سے مُراد عاشق صادق ہی ہے جو کہ مرتا ہی نہیں۔ اویسی غفرلہٗ

نعیم بن مسعود نے مدینہ طیبہ پہنچ کر دیکھا کہ مسلمان جنگ کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ نعیم بن مسعود نے کہا یہ کیا کر رہے ہو میں ابو سفیان کے لشکر کو دیکھ کے آیا ہوں۔ وہ انتہائی زبردست تیار ہیں کہ جب تم اُن کے مقابلے میں جاؤ گے تو تمہیں سوائے بھاگنے کے چارہ نہ ہوگا۔ یا مارے جاؤ گے۔ اُس کا یہ قول بعض کمزور دلوں پر اثر انداز ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محسوس ہُوا تو آپ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں تو جنگ کے لیے ضرور جاؤں گا اگرچہ میرے ساتھ کوئی بھی نہ ہو۔ یہ فرما کر روانہ ہوئے تو ستّر سوار تیار ہو کر ساتھ ہو لیے اور سب کے سب کہتے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی جملہ امور کا کارساز ہے) فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا (بڑھایا اُن کے اس قول نے اُن کے ایمان کو) مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نعیم بن مسعود ثقفی کی کوئی پرواہ نہ کی۔ بلکہ وہ اپنے عزم پر مضبوط رہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر اُن کا یقین کامل تھا۔ الٹا اس کے کہنے پر مزید مطمئن ہو کر حمیتِ اسلام کے لیے چل نکلے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے عزائم میں مخلص تھے وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ (اور کہا کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔)

حل لغات: اَحْسَبَہٗ سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ شئے اُسے کفایت کرے وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (اور وہ اچھا کارساز ہے) یعنی تمام اُمور اسے سپرد ہیں فَانْقَلَبُوْا (وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے لوٹے) یہ فاء فصیحیہ ہے۔ یعنی وہ مؤمن کفار کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور اپنا وعدہ پورا کیا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر لوٹے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت نصیب ہوئی جس کا اندازہ صرف اسے معلوم ہے۔ منجملہ اُس کے عافیت کے ساتھ واپس لوٹنا اور ایمان پر ثابت قدمی اور اضافہ اور دُشمنوں پر غلبہ پا کر اُن کے دلوں میں رُعب کر دیا وَفَضْلٍ اور تجارت میں بہت بڑا نفع نصیب ہوا لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ (انہیں کوئی برائی نہ پہنچی) یعنی ہر برائی سے صحیح و سالم ہو کر لوٹے نہ انہیں کوئی تکلیف پہنچی اور نہ ہی کوئی دکھ اور درد محسوس ہوا۔

واقعہ بدر صُغریٰ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ وعدہ لشکر کو لیکر بدر صغریٰ میں پہنچے (بدر صغریٰ ایک جگہ کا نام ہے۔ جہاں بنی کنانہ ایک بازار لگاتے اور سال میں ایک دفعہ جمع ہوتے) اور وہاں ان کا آٹھ دِن قیام رہتا تو آپ کے مقابلہ کے لیے مشرکین نہ آئے صحابہ کرام بازار مذکور میں تشریف لے گئے۔ اُن کے ہاں جو خرچ اور دیگر تجارتی مال تھا اسے بیچ کر شہد اور زبیب[1] خرید لیے۔ اس سے انہیں خوب نفع ہوا۔ ایک درہم کی بجائے انہیں دو درہم ملے گویا دُہرا نفع کمایا۔ اس طرح سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صحیح سالم اور بہت سا نفع لے کر واپس لوٹے۔ اور ابو سفیان راستہ سے ہی واپس مکہ شریف کو لوٹا تو اہل مکہ نے اُسے لشکر کا جیش السویق (ستو والا لشکر)

---

[1] زبیب: منقّیٰ۔

نام رکھااور کہاکہ تم صرف ستو پینے گئے تھے۔ وَّاتَّبَعُوْا ۔اس کا عطف اِنْقَلَبُوْا پر ہے اور وہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے ہر قول و فعل میں تابع ہوئے ۔

رِضْوَانَ اللّٰہِ ۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے (کہ خیر دارین کا اسی پر دار و مدار ہے) یعنی جرأت کر کے جنگ کی خاطر نکل پڑے تو رضائے الٰہی نصیب ہوئی وَاللّٰہُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے کہ ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ثابت قدم رکھا اور ان کے ایمان میں اضافہ فرمایا اور دشمن پر جرأت کرنے کا موقعہ بخشا اور انہیں ہر پریشان کن بات سے محفوظ فرما کر اُلٹا بہت بڑا نفع (تجارتی) عطا فرمایا ۔اس میں ان لوگوں کو حسرت اور ارمان میں ڈالنا ہے جو اس موقعہ (بدر صغریٰ) کو ہاتھ سے دے بیٹھے ۔اور اُن کی رائے کو غلط قرار دینا ہے کہ جنھوں نے بدر صغریٰ میں سے کترا کر اپنے آپ کو اُن کامیابیوں سے محروم کر دیا جو بدر صغریٰ میں جانے والوں کو نصیب ہوئیں۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ ہمیں بدر صغریٰ میں جانے سے جنگ اور جہاد کا ثواب بھی نصیب ہوا یا نہ ۔اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں جنگ اور جہاد کا بھی ثواب عطا فرمایا اور اُن سے اپنی رضامندی کا اظہار بھی فرمایا اِنَّمَا ذٰلِکُمُ (بے شک وہی بزدلی) یہ مبتدا ہے اَلشَّیْطٰنُ خبر ہے یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَ ہٗ شیطان ڈراتا ہے منافقین کو مشرکین کے غلبہ اور قہر سے تاکہ وہ منافقین کفار کے ساتھ لڑنے اور جنگ کرنے سے بیٹھے رہیں اس سے وہی منافقین مراد ہیں کہ جن کے دلوں میں مرض تھا اور وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جنگ کے لیے نہ چلیں اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں۔

خلاصہ تفسیر آیت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کا کفار سے ڈرانے کا تعلق منافقین سے ہے اور یہی شیطان کے دوست اور باقی رہے ۔تم اے مومنو! تم تو اللہ تعالیٰ کے دوست اور اُس کے گروہ سے ہو اور تم ہی غالب ہو اور شیطان کے ڈرانے کو تمہارے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں فَلَا تَخَافُوْھُمْ (تو اُن سے نہ ڈرو) یعنی شیطان اور اُس کے ساتھی جیسے ابو سفیان رجب کہ وہ حالت کفر میں تھے) وغیرہ وَخَافُوْنِ ہاں مجھ سے ڈرو کہ کہیں تم سے میرے احکام کی خلاف ورزی نہ ہو جائے اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اگر تم مومن ہو) اس لیے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف غیر کے خوف سے غالب ہو اور دل کو تسلی ہو کہ شیطان اور اس کے ساتھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ۔

ف: خوف تین قسم کا ہے ۔

① خوف العام اللہ تعالیٰ کی عقوبت سے ڈرنا ۔

② خوف الخاص اللہ تعالیٰ کے بعد سے ڈرنا ۔

③ خوف الاخص اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ۔

انہی تینوں قسموں کی طرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دُعا میں اشارہ فرمایا ہے۔

اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ

تیری عفو کے ساتھ تیرے عقاب سے اور تیری رضا کے ساتھ تیرے غضب سے اور تیری ذات سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس اور اس کے صفات سے فانی ہو جائے سوائے ذاتِ حق کے باقی کو معدوم سمجھے اور اس کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ وہی اپنے بندوں پر غالب اور وہی اُمور میں کفایت فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت نجم الدین کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خُلّت کا آخری مقام یہ ہے کہ سالک اپنے نفس پر تکبیر کی چھری پھیرے۔ اور عالم دُنیا کو کل چار تکبیروں سے ذبح کر ڈالے پھر اس پر اِنَّ اللّٰهَ حَسْبُهٗ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ بیشک وہی اللہ ہر شئے کے لیے کافی ہے اور هُوَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ عَنْ نَفْسِهٖ وَمَا سِوَاهُ (وہی اللہ تعالیٰ اس کے نفس اور اس کے سوا کا کارساز ہے) کا راز کھلے گا۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

من ہماں دم کہ وضو ساختم از چشمہ عشق،

چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

ترجمہ: میں نے جب عشق کے چشمہ سے وضو کیا اسی وقت سے چار تکبیر کہہ کر ماسوی اللہ سے ہاتھ دھو لیے۔

ف: اس میں حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ اس طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ عشق صحیح معنیٰ میں اس وقت نصیب ہوتا ہے جب ماسوی اللہ کو کالمیت بلکہ کالجماد سمجھے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ اور سب کو معلوم ہے کہ نمازِ جنازہ کی چار تکبیریں ہیں اس میں یہی اشارہ ہے کہ انہی تکبیروں سے اپنے نفس بلکہ تمام کائنات کو فنا کر دے (ہمیں اللہ تعالیٰ حقیقت توحید سے آگاہی بخشے) (آمین)

حکایت: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں کہ میں بارہ سال اپنے نفس کو لوہار بن کر سیدھا کرتا رہا اور پچاس سال دِل کی زنگ کو دھویا۔ پھر ایک سال اس کی صفائی کو غور سے دیکھا تو ابھی اس کے ظاہر پر زنّار (غیریت کا دھاگہ) لٹک رہا تھا۔ پھر اس کے کاٹنے پر بارہ سال اور لگا دیئے۔ پھر دیکھا تو اس کے باطن پر بھی زنّار موجود تھا پھر اس کے کاٹنے پر پانچ سال لگائے۔ جب میرے ساتھ یہ کیفیت گزری تو پھر میں نے مخلوق کی طرف دیکھا تو تمام مخلوق مجھے مردہ نظر آئی پھر میں نے ان پر چار تکبیریں (نماز جنازہ) پڑھ ڈالیں۔

حکایت: سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہ کے وصال کے بعد انہیں عرض کیا گیا کہ آپ نے منکر نکیر کو کیا جواب دیا آپ نے فرمایا جب وہ میرے پاس تشریف لائے تو مجھ سے حسب دستور مَنْ رَبُّکَ[ع] کا سوال کیا تو میں نے کہا اُسی سے پوچھو۔ اگر وہ فرمائے کہ واقعی بایزید میرا بندہ ہے تو بیڑا پار ہے۔ ورنہ اگر میں ہزار بار کہوں کہ میں اس کا بندہ ہوں اور وہ قبول نہ کرے تو پھر کیا فائدہ۔

مسئلہ تصوف: حقیقی بندگی یہ ہے کہ بندہ ماسوی اللہ سے آزاد ہو جائے۔ روزہ رکھے یا نماز پڑھے۔ اسی طرح ہر عبادت میں ایسے ہونا چاہیئے

حکایت: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ اپنی آخری عمر میں اپنے عبادت خانے میں داخل ہوئے اور دُعا کی کہ اے اللہ للعٰلمین نہ مجھے روزوں پر ناز ہے اور نمازوں پر اور نہ ہی دوسری عبادات بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی گناہوں میں برباد کی۔ اب غیرت کا زنار توڑ کر تیرے دروازے پر تیرے ساتھ صلح کرنے آیا ہوں۔

ف: دراصل بایزید بسطامی قدس سرہ نے اپنے نفس کی حیثیت سے یہی انصاف کی بات فرمائی ہے۔

حکایت منظوم: حضرت شیخ سعدی قدس سرہ اپنے شیخ حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

شبے دائم از ہول دوزخ نخفت — بگوش آمدم صبح گاہے کہ گفت

چہ بودے کہ دوزخ زمن پر شدے — مگر دیگر اندر رہائی بدے

ترجمہ: (۱) ایک رات سرہ دوزخ کی ہولناکیوں سے نہ سوئے۔ بوقت صبح میں نے سُنا کہ فرمارہے تھے۔

(۲) کیا اچھا ہوتا کہ دوزخ کو صرف مجھ سے ہی پُر کر دیا جاتا۔ صرف میری وجہ سے ہی تمام لوگوں کو نجات نصیب ہوتی۔

سبق عاقل کو چاہیئے کہ خود ستائی نہ کرے اور نہ ہی آپ کو صاحبِ کرامت سمجھے بلکہ جتنا ہو سکے متواضع و منکسر المزاج رہے یہاں تک کہ اپنے اندر نیکیوں کی بہ نسبت برائیوں کو زیادہ تصور کرے۔ بلکہ اپنے آپ کو معدوم محض سمجھے۔

مسئلہ صوفیانہ اہل اسلام کا شعار اور اہل ایمان کی یہ عادت ہونی چاہیئے کہ وہ مجاہدہ فی سبیل اللہ میں سر کی بازی لگائیں۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ گھبرائیں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی کیسی تعریف فرمائی ہے۔ کَمَا قَالَ "یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

ع: تیرا رب کون ہے۔

مسئلہ صوفیانہ جو شخص اللہ تعالےٰ کا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور اُسے دشمنوں پر فتح و نصرت دیتا ہے۔ خصوصاً نفسِ امارہ پر اُسے غلبہ عطا فرماتا ہے

کسے راکہ دانم اہلِ استقامت — کہ باشد بر سر کوئے ملامت

ز اوصاف طبیعت پاک مُردہ — با طلاق ہویت جان سپردہ،

برفتہ سایہ ز خورشید ماندہ — تمام از گرد خود دامن نشاندہ،

ترجمہ: ① میں اہلِ استقامت کو خوب جانتا ہوں کہ وہ ہمیشہ لوگوں سے ملامت کا نشانہ بنے رہتے ہیں۔
② وہ طبیعت اوصاف سے تو بالکل مر چکے ہوتے ہیں۔ انہوں نے تو اطلاق ہویت کو جان سپرد کی ہوئی ہے۔
③ سایہ چلا جاتا ہے جب سورج آتا ہے اپنے سے گرد و غبار صاف کر لیتا ہے۔

(اللہ تعالیٰ ہم سب کو خلوص و یقین اور تمکین کے مراتب تک پہنچائے۔ (آمین)

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ (اور آپ کو غم میں نہ ڈالیں وہ لوگ جو کفر میں عجلت کرتے ہیں) یعنی کفر میں انتہائی حریص بہت زیادہ راغب ہو کر تیزی سے واقع ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں سے وہ منافقین مُراد ہیں جو اپنے پوشیدہ کفر میں تیزی سے بڑھ رہے ہیں تاکہ کفار کو غلبہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا نور بجھ جائے۔ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ط (بیشک وہ اللہ تعالےٰ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے) یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور اُس کے دین کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ (اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ اُن کو آخرت میں کسی قسم کا ثواب نہ دے) اسی لیے انہیں گمراہی میں چھوڑ دیا تاکہ وہ حیران پھرتے رہیں یہاں تک کہ کفر پر مرتے ہیں۔

نکتہ: آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ کفر کی سرحد تک پہنچ گئے کہ ارحم الراحمین کا اُن کے لیے رحمت کرنے کا اب ارادہ بھی نہیں ہے بلکہ اُن کے کفر میں تیزی سے جانے میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ انہیں آخرت میں کسی قسم کا ثواب نہ دے۔ وَلَهُمْ اور اُن کے لیے ثواب کے عوض کلی طور محرومی کی وجہ سے عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ بہت بڑا عذاب ہوگا اور اس عذاب کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ بیشک وہ لوگ کہ جنہوں نے ایمان کے عوض کُفر خریدا یعنی ایمان کے عوض کفر کو پسند کیا کہ اس کفر میں پسندیدگی کا اظہار کیا اور ایمان کو ترک کر کے اس سے روگردانی کا ثبوت دیا۔ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ط وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا نقصان نہیں دے سکتے اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

نکتہ: عام عادت ہے کہ خرید شدہ چیز میں مُشتری کو راحت ہوتی ہے جب اس میں منافع کثیرہ ہو لیکن جب اس

میں نقصان ہو تو پھر درد پہنچتا ہے اور چونکہ یہ سودا اُن کا گھاٹے کا تھا اس لیے اُن کے اس عذاب کو الیم (دردناک) سے موکد فرمایا۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اور وہ لوگ گمان میں نہ رہیں۔ یہ اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر وَلَا يَحْسَبَنَّ کا فاعل ہے اَنَّمَا یہ اپنے مدخول علیہ سے مل کر دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ اس لیے کہ فعل قلبی کا تعلق بمتداء و خبر سے ہے اسی لیے مقصود مکمل ہو جاتا ہے یہ لفظ مَا مصدریہ ہے اگر موصولہ ہے تو اس کا عائد محذوف ہے۔

سوال: علم الخط کے قاعدہ کے مطابق تو اس مَا کو لفظ اَنَّ سے علیحدہ لکھنا ضروری تھا۔

جواب: چونکہ مصحف عثمانی میں یونہی متصل لکھا گیا ہے اسی لیے اُس کی مخالفت نہیں کی جا سکتی اور کتابت مصحف میں سنت امام یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ضروری ہے نُمْلِيْ لَهُمْ یہ املاء سے مشتق ہے بمعنے مہلت دینا اور مدت کو لمبا کرنا اور الملا بالقصر بمعنے الدھر اور رات دن کو اسی الملوان کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے ہو کر آتے ہیں یعنی ہمارا انہیں مہلت دینا (جب کہ مَا مصدریہ ہو) یا یہ کہ بیشک وہ جو ہم انہیں مہلت دیتے ہیں خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اُن کے لیے بہتری ہے اور صیغہ تفصیل یعنی خَيْرٌ اس لیے لایا گیا کہ اُن کے گمان پر یہی بات بہتر ہے اَنَّمَا یہ مَا کافہ ہے اس کے لیے قوانین خط میں یہی قاعدہ ہے کہ وہ متصل ہو کر آئے اسی لیے اسے متصل کر کے لایا گیا ہے نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا (ہم انہیں مہلت اس ارادہ پر دیتے ہیں تاکہ وہ گناہوں میں بڑھیں) اہلسنت کے نزدیک یہ لام ارادہ کی ہے جیسا کہ اُن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خیر و شر کا فاعل اور وہی فعال لما یرید ہے۔ اس لیے کہ مہلت دینا یعنی ان کی عمروں کو لمبا کرنا اسی کے اختیار میں ہے اور یہ تو اُن کے لیے بہتری نہیں لیکن چونکہ وہ اُسی تطویل عمر کو وسیلہ بنا کر مآثم و طغیان میں بڑھ رہے ہیں اس لیے اُن کے گمان فاسد میں یہ بھلائی ہے۔ یاد رہے کہ اعمال کا خالق بھی وہی ہے اس کے ارادہ کے بغیر کوئی شئے پیدا نہیں ہوتی اور وہی اپنے ارادوں کا آپ مالک ہے جن افعال کا وہ لوگ ارتکاب کرتے ہیں اُن کے اسباب بھی اُس کے ارادے میں ہیں اور یہ لام علت کی نہیں کیونکہ اُس کے افعال معللہ بالاغراض نہیں ہیں۔ اور معتزلہ کے نزدیک یہ لام عاقبت کی ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ اور اُن کے لیے رُسوا کن عذاب ہے کہ قیامت میں اس عذاب کی وجہ سے انہیں سخت رُسوائی ہو گی۔

حدیث شریف: حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ سب سے بہتر وہ ہے جس کی عمر لمبی اور نیک اعمال میں بسر ہو اور بدترین انسان وہ ہے جس کی عمر لمبی اور گناہوں میں بسر ہوئی۔

مسئلہ: دُنیا میں کفار و فساق کا طویل العمر ہونا اور مقاصد کو حاصل کرنا اُن کے لیے بھلائی نہیں۔ بلکہ یہ بظاہر نعمت اور درحقیقت اُن کے لیے عذاب ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی کو حلوہ میں زہر ملا کر کھلائے تو اس کے لیے یہ نعمت میں شمار نہ ہو گا۔ بلکہ یہی حلوہ اسے ہلاکت کے گھاٹ اتارے گا۔

سبق ۱۵: انسان کو چاہیے کہ اپنی طویل عمر سے دھوکہ نہ کھائے اور نہ ہی کثرتِ مال اور اولاد پر مغرور ہوئے

غرہ مشو بآنکہ جہانت عزیز کرد — اے بس عزیز را کہ جہاں کرد زود خوار

مار است ایں جہاں و جہانجوئی مارگیر — وز مار گیر مار بر آرد گہے دمار

ترجمہ: ① جب تجھے اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہے تو مغرور مت ہو کیونکہ وہ بہت سے عزت والوں کو ذلیل و خوار کر چکا ہے۔

② یہ جہان سانپ کی طرح ہے اور اس میں دنیا جمع کرنے والا بمنزلہ سانپ پکڑنے والے کی طرح ہے کبھی سانپ پکڑنے والے کو سانپ مار ڈالتا ہے۔

حدیث قدسی نمبر ۱: اللہ تعالےٰ نے شبِ معراج اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ کی اُمت پر میری نعمتوں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اُن کی عمریں چھوٹی ہوں تاکہ اُن کے گناہ زیادہ نہ ہوں اور انہیں مال تھوڑا دوں تاکہ قیامت میں اُن پر حساب زیادہ سخت نہ ہو اور اُن کا زمانہ سب سے بعد کو بنایا تاکہ قبر میں زیادہ دیر نہ رہیں۔

حدیث قدسی نمبر ۲: اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی فرمایا کہ اے پیارے احمد صلی اللہ علیہ وسلم بہترین لباس اور لذیذ طعام اور اعلیٰ بستر کی عادت نہ ڈالیئے (امت سے کہنا) اس لیے کہ نفس ہر شر کا منبع اور ہر برائی کا رفیق ہے۔ اس کی عادت ہے کہ اُسے جونہی نیکی کی طرف بلاؤ یہ برائی کی طرف جائے گا۔ نیکی کا کہو تو ہرگز نہیں مانے گا۔ برائی کرا دُ تو شیر ہے۔ اسے جونہی پیٹ بھر کر کھلاؤ گے سرکشی کرے گا اور جونہی دولت دکھاؤ تکبر کرے گا یا دالہی سے دُور بھاگتا ہے اور بے فکری میں ہر شئے کو بھول جاتا ہے اور شیطان کا بہترین ساتھی ہے۔

ف: نفس کو شتر مرغ سے تشبیہ دی گئی ہے جو کھائے سیر نہیں ہوتا۔ اس پر بوجھ لاد دو تو کہتا ہے میں پرندہ ہوں اگر اُسے اڑنے کا کہو تو کہتا ہے میں اونٹ ہوں۔

ف: کثرت مال اور کمال بے فکری سے نفس سخت سے سخت دھوکہ دیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔[۱] كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى۔

سر طاعت نفس شہوت پرست

کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر است

ترجمہ: نفس شہوت پرست کی بات مت مان جب کہ ہر آن اس کا دوسرا قبلہ ہے۔

---

۱ بیشک، انسان سرکش ہے۔

حکایت منظوم : حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

شنیدہ ام کہ بقصاب گوسفندے گفت — دراں زمانکہ بنجخر سرش زنن ہمی برید

جزائے برن خارئے کہ خوردہ ام دیدم — کسے کہ پہلوئے چرم خورچہ خواہد دید

ترجمہ : ایک بکری کو قصاب ذبح کر رہا تھا۔ جب اس کے گلے پر چھرا رکھا تو بکری کہنے لگی کہ میں نے درختوں کے پتے کھا کر تو اپنی سزا پالی ہے۔ نامعلوم اُس کا کیا حشر ہوگا جو میرا گوشت کھائے گا۔

فقر و فاقہ اور اختیار مصطفٰے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے خداوند کریم سے دعا مانگیں تاکہ آپ کو پیٹ بھر کر طعام کھلائے۔ فرماتی ہیں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حالت کو دیکھ کر رو پڑی جب دیکھا کہ آپ بھوکے ہیں اور آپ نے پیٹ مبارک پر پتھر باندھ رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اس کریم کو کہوں کہ عالم دنیا کے تمام پہاڑ سونا ہو کر میرے سامنے حاضر رہیں اور پھریں جیسے چاہوں وہ کریم ویسے ہی کرے گا۔ لیکن میں نے اپنے اختیار سے دنیا کی بھوک کو اس سیرابی پر اور اس کے فقر کو اس کے غناء پر اور اس کے دکھ کو اس کی خوشی پر ترجیح دی ہے۔ اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) دنیا محمد (مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کی آل کے شان کے لائق ہی نہیں۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا و آخرت دونوں آپس میں سوکنیں ہیں جو اُن کو آپس میں جمع کرنا چاہتا ہے وہ فریب خوردہ ہے اور جو ان دونوں کو جمع کرنے کا مدعی ہے۔ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہے۔

سبق : جو شخص خواہشاتِ نفسانیہ میں مبتلا ہو کر بلند مراتب کا خواہشمند ہے وہ غفلت کا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے حرص دنیا میں مبتلا کر کے طغیانِ نفس میں مہلت دے رہا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کی طلب میں زائد از حد محتاج ہو جاتا ہے پھر اُس پر مقاصدِ دنیاوی کے دروازے کھول دیتا ہے۔ تاکہ بظاہر وہ مستغنی ہو لیکن وہ اس استغناء کے مطابق گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے۔

بناز و نعمتِ دنیا منہ دل
کہ دل بر دنیا داشتن کاریست مشکل

ترجمہ : دنیا کی ناز و نعمت کو دل نہ دے اس لیے کہ دنیا سے دل لگانا بڑا مشکل کام ہے۔

تفسیر صوفیانہ جو لوگ ہمارے سے پہلے گزر گئے ہیں انہوں نے دنیا میں بڑی عمریں گزاریں اور بہت بڑے مال جمع کیے۔ اب وہ کہاں ہیں اُن کی موت کو یاد کرو اور غور کرو کہ وہ اب مٹی کے اندر دبائے جا چکے ہیں۔ پھر تامل کیجئے انہیں کس قسم کی جزا ملے گی وہ اپنی عورتوں کو چھوڑ گئے اور اپنے مال دوسروں کو دے گئے۔ پھر اُن کے

جانشینوں نے اُن کے مال برباد کردیئے اَب تو اُن کے نشانات ملنے بھی مشکل ہیں۔ انہوں نے تو بڑی بڑی بلند عمارتیں بنوائی تھیں۔ وہ بھی مٹی میں مل گئیں ان میں سے جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ٹھکرایا اُسے سوائے خسران و نقصان کے اور کیا نصیب ہوا۔ بلکہ وہ جہنم کے گڑھوں میں جا پڑے۔ تم میں جو بھی اُن کے نقش قدم پر ہوگا اس کا بھی حشر ہوگا جو اُن کا ہوا۔ اگرچہ گنناہی لمبی عمر گزار کے مرے اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے اُسے کوئی مجبور کرنے والا نہیں چنانچہ فرمایا[1] نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ سب کو یقین ہے کہ حیاتِ دُنیا اور اس سے نفع اندوزی بہت قلیل ہے اور دُنیا تو چند روزہ ہے چاہیے کہ ان ساعات کو طاعاتِ الٰہی میں گزارا جائے تاکہ ان حضرات کی معیت در رفاقت نصیب ہو جو اہل وصال اور اہل کمال ہیں۔

مسئلہ: تمام طاعات فلاح وکامیابی کے اسباب ہیں خصوصاً نماز تو افضل العبادات اور بہت بلند اور اشرف الطاعات اور مکمل ترین عبادت ہے اور روزہ بھی ملکوت السمٰوات میں داخل ہونے اور جسمانیات کی تنگیوں اور تاریکیوں سے نکالتا ہے۔ روزے کو نشاۃِ ثانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اس ارشادِ گرامی میں اشارہ ہے۔ فرمایا وہ شخص ملکوت سمٰوات میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا جو دوبارہ نہیں جنا جاتا۔ بلکہ روزے کا مجاہدہ مشاہدہ ولقاء کا بہترین رابطہ ہے اسی طرف حدیث قدسی کا اشارہ ہے۔ فرمایا "روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اُس کی جزا دوں گا۔ یعنی میں خود اُس کی جزا ہوں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی سعادت زیارت کو بھوک سے مشروط فرمایا ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے فرمایا کہ "بھوکے رہو تب مجھے دیکھو گے" ؎

ہمی آید از حق ندا متصل
تجوع ترانی تجرد تصل

ترجمہ: حق تعالیٰ سے مسلسل ندا آرہی ہے کہ بھوکا رہ مجھے دیکھے گا تنہا رہ وصال پائے گا۔

(ہم سب کو اللہ تعالیٰ یہی سعادت نصیب فرمائے گا۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ " مَا كَانَ اللَّهُ " اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں ہے لِيَذَرَ تاکہ چھوڑ دے الْمُؤْمِنِينَ ان مومنین کو جو مخلص ہیں" عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ " (اُوپر اس کے کہ جس پر تم ہو) یہ خطاب اس زمانۂ نبوی کے مخلص مؤمنین اور منافقین کو ہے حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ" یہاں تک کہ جدا کرے خبیث کو طیب سے۔

حل لغات: یمیز مَازَ الشَّيْءَ يَمِيزُ مَيْزًا سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شئے کو کسی شئے سے علیحدہ کیا جائے۔

[1] ہم ان کو تھوڑا متاع دیگر سخت عذاب کی طرف مجبور کرتے ہیں۔

آیت کا معنی یُوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے شان کے لائق نہیں کہ تم مخلصین کو اسی حال میں چھوڑ دے کہ جس پر اب تم ہو کہ بعض تمہارے بعض سے ملے جلے ہوئے ہیں کہ تم میں سے مخلص وغیر مخلص کی پہچان نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ بظاہر تصدیقِ اسلام میں تم سب متفق ہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں وحی بھیج کر انہیں تمہارے حالات کی خبر دے یا جہاد یا ہجرت کا حکم کر کے منافق کو مخلص سے علیحدہ کرے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ۔ اور اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں کہ غیب کا علم دے تاکہ وہ اُن کے قلوب کو دیکھ کر اُن کے کفر وایمان پر مطلع ہو جائے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ لیکن اللہ تعالیٰ چن لیتا اور برگزیدہ بناتا ہے مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اپنے رسُولوں (علیہم السلام) میں سے جسے چاہتا ہے۔ یعنی اُن کی طرف وحی بھیج کر اُن پر بعض غیوب کی خبر دیتا ہے یا اُن کے سامنے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو اُن کے خلوص ومنافقت پر دلالت کرتے ہیں فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسل کرام علیہم السلام پر ایمان لاؤ یا یُوں ایمان لاؤ کہ وہ واحد لا شریک لہ اور مطلع علی الغیب ہے اور یہ بھی تمہارے ایمان میں شامل ہو کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام صرف وُہی جانتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ انہیں علم عطا فرماتا ہے وَاِنْ تُؤْمِنُوْا اور اگر تم پُورے طور ایمان لاؤ وَتَتَّقُوْا اور منافقت سے بچ جاؤ فَلَكُمْ پس تمہارے لیے اس ایمان اور تقویٰ کے عوض اَجْرٌ عَظِيْمٌ بہت بڑا اجر ہے نہ اس کی کنہ تک پہنچا نہیں جا سکتا اور اس اجر کی عظمت تقویٰ کی عظمت کی وجہ سے ہے اس لیے کہ مقصد اعلیٰ کو اور برگزیدگی کی منازل تقویٰ کی طہارت کے قدموں سے طے کیا جا سکتا ہے ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم،
کہ اصلے ندارد دم بے قدم

ترجمہ: طریقت میں عمل چاہیئے صرف زبانی کلامی باتوں سے کام نہیں بن سکتا کیونکہ دم بے قدم بیکار ہے۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے صخرۂ بیت المقدس کے تحت شب باشی کی جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو دو فرشتے آسمان سے اُترے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہاں کون ہے۔ دُوسرے نے کہا یہاں ابراہیم بن اَدہم رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ پھر پہلے نے کہا کہ ابراہیم کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک درجہ کم ہو گیا ہے دوسرے نے کہا اس کی کیا وجہ ہے پہلے نے کہا کہ انہوں نے بصرہ سے کھجور خریدی تو اچانک دوکاندار کی ایک کھجور اُس کی کھجوروں میں مل گئی۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صبح کو اُٹھ کر میں سیدھا بصرہ پہنچ کر اس دکاندار کو ملا۔ اور اُن کی کھجوروں میں ایک کھجور ڈال کر واپس بیت المقدس چلا گیا۔ اسی طرح صخرۂ بیت المقدس میں شب باشی کی۔ جب رات کا ایک حصہ گزرا تو پھر وہی فرشتے زمین پر اُترے تو پہلے کی طرح ایک نے کہا یہاں پر ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ

ہیں۔ پہلے نے کہا دی ابراہیم بن اُدہم جو ہرگا ئی کھوبہ واپس کرکے آئے ہیں۔ اس وجہ سے ان کا گرا ہوا درجہ پھر بلند ہو گیا ہے۔

علم غیب کا ثبوت اسے کہتے ہیں حقیقی تقویٰ اور حقوق العباد کی پاسداری اور یہ سوائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ کے حاصل نہیں ہو سکتا حقائق واحوال کے محبوب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتے۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ الخ ویسے اپنے راستے دنیا سے حقیقت تقویٰ اور عالم اطلاق کا حصول ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو وَ ابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ اس سے ثابت ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری نہایت ضروری ہے ۔

حقا کہ بے متابعت سید رسل ہرگز کسے بمنزل مقصود نیافت

از ہیچ رو بہیچ درے رہ نمی دہند آنراکہ از آستانہ رد ئے دل نیافت

ترجمہ[1]: بخدا کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کے بغیر کوئی شخص مقصود تک نہیں پا سکتا۔

(۲) کسی شخص سے راہ پائیگا نہ کسی در سے جس نے محبوب کے آستانہ سے منہ پھیرا۔

ف: صرف ایمان تصدیق قلبی اور ارادہ و تمسک بالشریعۃ پر نجات کا دارومدار ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ جب مومن حکم وَ اِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا الخ دوزخ میں داخل ہوگا تو توحید کشتی بن جائے گی اور قرآن پاک رسی اور نماز کشتی کا بادبان اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ملاح ہوں گے تمام مومن اس کشتی میں سوار ہوکر نعرۂ تکبیر لگائیں گے تو کشتی اس جہنم کے دریا میں نہایت پاکیزہ ہوا سے چل پڑے گی۔ اسی طرح سے اہل ایمان جہنم کے دریا کو صحیح سالم ہوکر عبور کریں گے۔

سبق زندگی برباد مت کیجئے اس لیے کہ زندگی راس المال ہے جب تک تم زندہ ہو اپنے راس المال پر قابض رہوگے اس دنت اس سے منافع کے حصول پر قدرت رکھتے ہو بنا بریں حصول منافع میں زیادہ سے زیادہ کوشش کرو۔ یعنی اطاعت وعبادات اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت زندہ رکھنے اور ان پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے میں قبل از موت د نوت جدوجہد کرو۔ اس لیے کہ اہل اموات (بعد از موت) آرزو کریں گے کہ کاش انہیں اب صرف ایک دوگانہ پڑھنے یا صرف ایک بار اللہ اکبر یا سبحان اللہ کہنے کی اجازت بخشی جائے تو انہیں اس کی اجازت نہ ہوگی۔ اہل اموات زندہ لوگوں پر تعجب کرتے ہیں کہ یہ لوگ غفلت میں زندگی کیوں رائیگاں کر رہے ہیں ۔

اگر مردہ مسکین زبان داشتے بفریاد وزاری فغاں داشتے

کہ زندہ ہست امکان گفت لب از ذکر چوں مردہ برہم مگفت

چو مارا بغفلت بشد روزگار تو بارے دمے چند فرصت شمار

ترجمہ: ① اگر مردہ عزیب زبان رکھتا تو فریاد وزاری سے شور کرتا۔

② کہ اب تو زندہ ہے اور تجھے گفتگو کی طاقت ہے تو ذکر الٰہی سے بغیر مردہ کی طرح لب بند نہ رکھ۔

③ جب ہمارا غفلت سے وقت گزر گیا۔ فلہٰذا تم ان گھڑیوں کو غنیمت جانو۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی علیہ وسلم نے فرمایا تم اس وقت نیند کر رہے ہو۔ جب مر دگے تو جاگ اٹھو گے تو (بعد از موت) مومن مخلص و منافق کے مابین امتیاز ہوگا۔ جیسے آج دنیا میں ان کے اقوال واحوال وغیرہ سے امتیاز ہوتا ہے اسی طرح آخرت میں چہرہ کی سپیدی و سیاہی سے امتیاز ہوگا کہ اہل ایمان کے چہرے سپید ہوں گے اور منافقین کے چہرے سیاہ۔ کما قال تعالیٰ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ اس دن بعض چہرے سپید ہوں گے بعض سیاہ۔

سبق: مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ طاعات کی مشقتیں اور تکالیف اور امتحانات الٰہیہ برداشت کرے۔ امید ہے اس طرح سے اپنے مقاصد پر کامیاب ہو جائے گا اور اصل غرض نصیب ہوگی اس دن اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرنے والوں کو نقصان اور منافقوں کو خسارہ اور گھاٹا ہوگا ؎

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیان
تا سیہ روئے شود ہر کہ در دغش باشد

ترجمہ: بہتر ہے کہ درمیان میں کسوٹی ہو ورنہ جھوٹے کا منہ کالا ہو جائے۔

ف: بعض اکابر کا ارشاد ہے کہ عند الامتحان یکرم الرجل او یھان امتحان کے وقت عزت بڑھ جاتی ہے یا رسوائی (اللہ تعالیٰ ہم سب کو مخالفت شریعت سے بچائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ (وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ) اور گمان نہ کریں وہ جو بخل کرتے ہیں اس کے ساتھ جو انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عنایت فرمایا ہے۔ اسم موصول لَا يَحْسَبَنَّ کا فاعل ہے اور اس کا مفعول اول محذوف ہے اس پر يَبْخَلُوْنَ دلالت کرتا ہے یہ دراصل یوں تھا وَلَا يَحْسَبَنَّ الْبُخَلَاءُ بُخْلَهُمْ یعنی بخل کرنے والے بخل پر گمان نہ کریں هُوَ ضمیر فصل کا ہے اس پر اعراب کا کوئی محل نہیں خَيْرًا لَّهُمْ اپنے لیے بھلائی ان کے خرچ نہ کرنے پر یہ لَا يَحْسَبَنَّ کا مفعول ثانی ہے۔ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ بلکہ ان کے لیے برائی ہے کہ یہی بخل ان پر عذاب پہنچنے کا سبب ہے سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عنقریب قیامت میں جس سے بخل کیا وہ ان کے گلے میں ڈالے جائیں گے یہ جملہ شَرٌّ لَّهُمْ کا بیان ہے یعنی عنقریب بخل کردہ اشیاء کا وبال ان کے گلے میں ایسے ڈالا جائے گا جیسے کسی کے گلے میں طوق

ڈالا جاتا ہے ۔ اِستعارہ تمثیلیہ کے قبیل سے ہے۔ بخل کے وبال کے لزوم اور اس کے گناہ کو لزوم کو طوق اس کے گلے میں ڈالا جاتا ہے کے ساتھ عدم زوال از کل واحد منہما سے تشبیہہ دی گئی ہے اس بنا پر ان پر لزوم وبال کو ان کے گلے میں طوق سے ڈالے جانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ طوق سے یُطَوَّقُوْنَ مشتق ہے جیسے عربی میں کہا جاتا ہے بِهٖ فلان طوق فی رقبۃ فلان۔ فلاں کا احسان فلاں کی گردن میں طوق ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ سیطوقون اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے اس لیے کہ اُن کے گلے میں سانپ کو طوق بناکر یا نار کا طوق اُن کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ چنانچہ حدیث شریف سے ثابت ہے عنقریب وہ حدیث شریف بالتفصیل آئے گی (انشاء اللہ) وَلِلّٰهِ اور صرف اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہ کے لیے ہے مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ آسمان و زمین کی وراثت یعنی ہر وہ جو ان ہر دونوں آسمان و زمین کے اموال وغیرہ جس کے اہل سمٰوات و ارض وارث ہیں پس اُن کے لیے لائق نہیں کہ وہ اس مالک حقیقی کے ملک میں بخل کریں اور اُسے اس کی راہ میں خرچ نہ کریں یا یہ معنیٰ ہے کہ وہ باری تعالیٰ اس کا واحد مالک ہو جائے گا جو اسے روکتے تھے اور انہیں خرچ نہیں کرتے رہے پھر مرتے وقت بھی مال و اسباب اُن پر حسرت و ندامت بن جائے گا وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال یعنی مال خرچ کرنے یا نہ کرنے کو خَبِيْرٌ جانتا ہے۔ اس پر تمہیں اس کی جزاء عنایت فرمائے گا۔

مسئلہ: ادائے واجب کے امتناع کو شرعاً بخل کہا جاتا ہے۔ نفلی صدقات نہ کرنے کو بخل نہیں کہا جاتا۔ اسی لیے صرف امتناع ادائے واجب پر وعیدیں اور مذمت وارد ہوئی ہے۔

مسئلہ: وجوبی صدقات بکثرت ہیں۔

① اپنے لیے بقدر کفایت خرچ کرنا۔

② اپنے اُن اقارب پر جن کا خرچہ اس پر واجب ہے۔

③ غیر اقارب پر جب کہ وہ بھوک سے مر رہا ہو۔

④ جہاد کے وقت جب کہ اس وقت مال کی ضرورت ہو۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ بخل بدبختی کی اکسیر ہے۔ جیسے سخاوت سعادتمندی کے لیے اکسیر اعظم ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو اپنا فضل بتایا ہے۔ اور فضل صرف اہل سعادت کو نصیب ہوتا ہے پھر اکسیر بخل سے وہی فضل قہر بن جاتا ہے اور اس شخص کی سعادت شقاوت سے بدل جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ یعنی اکسیر بخل سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خیریت کو انہوں نے خود بخود شر بنا دیا اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے فضل یعنی مال پر سخاوت کی اکسیر ڈال دیتے تو وہ اُن کے لیے خیر بن جاتی اور وہ اہل سعادت سے ہو جاتے اور انہیں بہشت نصیب ہوتی۔

مسئلہ: بخیل تو بہشت میں ہرگز داخل ہوگا ہی نہیں۔

نکتہ: حبِ مال و دنیا کو طوق سے تعبیر کرنے میں ایک باریک نکتہ ہے وہ یہ کہ مال و دنیا قلب کو گھیر لیتے ہیں پھر اُس سے بہت بڑے بڑے مذموم صفات پیدا ہوجاتے ہیں۔

صفاتِ ذمیمہ کی فہرست

① بخل
② حرص
③ حسد
④ کینہ
⑤ عداوت
⑥ کبر
⑦ غضب وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دُنیا کی محبت ہر بُرائی کا سرتاج ہے۔

نکتہ: زکوٰۃ نہ دینے سے انسانی رُوح (جو شریف اور علوی و نورانی ہے) انہی گندے صفات (جو سفلیہ ظلمانیہ ہیں) کے گھیرے میں آجاتی ہے پھر قیامت میں انہی گندے صفات کے آفات اور حجابات و عذاب کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ جسم سے رُوح جُدا ہوتے ہی یہ سزا اس پر مسلط ہو جائے گی (جیسے حدیث شریف میں ہے کہ) جو مرا تو اس کے لیے قیامت ہوگئی ؎

نہ منعم بمال از کسے بہتر است — خرار جُل اطلس بپوشد خرست
ہنر باید و فضل و دین و کمال — کہ گہ آید وگہ رود جاہ و مال

ترجمہ:① نہ مالدار مال کی وجہ سے بہتر ہے گدھا اگر اطلس کی جلد پہنے تو بھی گدھا ہے۔

② ہنر اور فضل و دین و کمال چاہیے۔ کیونکہ جاہ و مال آنی جانی شئے ہے۔

حدیث شریف نمبر (۱): رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اللہ جسے مال دے اور وہ اس مال کی زکوٰۃ نہ دے تو اس کا مال قیامت کے دن اس کے لیے اژدہا (سانپ) کی ہمشکل کر دیا جائے گا۔ جس کے سر میں دو چتیاں ہوں گی۔ وہ سانپ اس کا طوق بن جائے گا جو اُس کے دونوں جبڑوں کو ڈسے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

حدیث شریف نمبر ۲: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو مال زکوٰۃ میں بخل کرے گا اسے سانپ کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ جو اُسے مونڈھے سے لے کر پاؤں تک ڈس (ڈنگ) لگائے گا اور اُس کے سر کو پھوڑے گا

اور کہے گا میں تیرا مال ہوں ۔

حدیث شریف نمبر ۳ : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے مال میں سے اونٹ یا گائے یا بکری ہو اور وہ اُن کے حقوق (زکوٰۃ) نہ ادا کرے تو وہ قیامت میں پہلے سے زیادہ موٹے اور لمبے ہو کر آئیں گے ۔ اُن کے کھر بھی بڑھے ہوں گے تو وہ اپنے مالک کو سینگوں وغیرہ سے روندتے ہوں گے ۔ ایک گزر جائے گا تو دوسرا اس کے پیچھے آجائے گا ۔ جب ایک دفعہ گزر جائیں گے پھر دوبارہ پھر سہ بارہ یہاں تک کہ لوگوں کے مابین فیصلہ ہو جائے یعنی یوم حساب تک اس کے ساتھ یہی ہوتا رہے گا ۔

مانعین زکوٰۃ کے عذاب کا بیان

حضرت ابو حامد فرماتے ہیں کہ اونٹوں کی زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے پر اُونٹ چڑھائے جائیں گے وہ شور کرتا ہوا اس کے اوپر چڑھ جائے گا اور ایک اونٹ کا وزن بہت بڑے پہاڑ جتنا ہو گا ۔

اسی طرح گائے کی زکوٰۃ نہ دینے والے کے لیے ہو گا ۔ کہ دہی گائے بیل اس کے اوپر چڑھ جائیں گے وہ شور کرتا ہوا اچھل ہو کر چڑھ جائے گا اور ان میں ہر ایک کا وزن بہت بڑے پہاڑ کے برابر ہو گا ۔ اسی طرح بکریوں کی زکوٰۃ نہ دینے والے کے لیے ہو گا کہ بکریاں اُس کے اوپر چڑھ جائیں گے جو شور کرتی ہوئی اس کے سر پر چڑھ جائے گی اور ان کا بوجھ بھی بہت بڑے پہاڑ کے برابر ہو گا اور ان تمام جانوروں کا شور گرجتے بادل کی طرح ہو گا اور کھیتی کی زکوٰۃ دینے والے کا یہ حال ہو گا کہ کھیتی کو ٹن کے ٹن بنا دیا جائے گا (وہ گندم ہو یا جو) جتنا بوجھل انہیں بنایا جا سکے گا بنائے جائیں گے ۔ پھر وہ شخص اس بوجھ تلے دھاڑیں مارے گا (لیکن اُس کی کون سُنے گا) اسی طرح مال کی زکوٰۃ نہ دینے والے کا حشر ہو گا کہ اس کے مال کو گنجا سانپ بنا کر اُس کے مونڈھوں پر بیٹھا دیا جائے گا ۔ جس کے سر میں چتیاں ہوں گی اور اُس کی دُم بھی بہت بڑی طویل ۔ وہ دونوں چتیاں اپنے مالک کے نتھنوں میں دبا کر اس کی گردن میں چکر کاٹے گا اور اُس کے کاندھوں پر زور ڈالے گا ۔ اور وہی اس کا طوق بن کر پھرتا رہے گا ۔ اس کی موٹائی زمین کی سب سے بڑی چکی کے برابر ہو گی وہ لوگ بڑا شور کریں گے اور فرشتوں سے عرض کریں گے یہ کیا مصیبت ہمارے گلے میں ڈالی گئی ہے ملائکہ کرام فرمائیں گے یہ وہی مال ہے جسے تم دنیا میں چھپا رکھتے تھے اور تمہیں اُن سے بہت بڑی محبت تھی اور اس پر تم بہت بخل کرتے تھے ۔

مسئلہ : زکوٰۃ نہ دینا آخرت میں بہت بڑے عذاب کا سبب ہے ۔ جیسے زکوٰۃ ادا کرنا آخرت میں بہت بڑے ثواب کا موجب ہے بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی دُنیا میں بھی حفاظت کا سبب بنتی ہے ۔

حدیث شریف نمبر (۱) : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اموال کو زکوٰۃ دے کر محفوظ کر لو اور اپنے بیماروں کا علاج اور بلاؤں کا مقابلہ صدقات سے کرو ۔

حدیث شریف نمبر (۲) : اُس کی نماز قبول نہیں ہوتی جو زکوٰۃ نہیں ادا کرتا ۔

حکایت : حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک شخص پر گزر ہوا۔ جو نماز نہایت خشوع و خضوع سے پڑھ رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی الہ العٰلمین یہ بندہ کیسی اچھی نماز پڑھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگرچہ یہ شخص دن میں ہزار رکعت پڑھے اور ہزار گردن آزاد کرے اور ہزار آدمیوں کی نماز جنازہ پڑھے اور ہزار حج ادا کرے اور ہزار جنگیں لڑے تو اُسے کوئی نفع نہیں ہوگا جب تک کہ زکوٰۃ ادا نہ کرے۔

حدیث شریف نمبر(۳) : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ملعون مال ہے جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے اور وہ ملعون بدن ہے جو چالیس دن کے اندر کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔

بلاؤں کی فہرست : (۱) تباہی (۲) تکبر مصیبت (۳) بیماری (۴) جسم پر زخم (۵) اختلاج العین وغیرہ

سبق : جب تم نے یہ احادیث سنیں اور اُس کی سزا بھی معلوم کر لی۔ پھر بھی جو ان گناہوں پر اصرار کرتا ہے اور اپنی خوشی اور دلی رغبت سے زکوٰۃ نہ ادا کر سکا یہاں تک کہ فقیر و محتاج ہو کر مرا تو پھر اُسے نہ مال نے اور نہ اللہ کی ادائیگی نے۔

پریشاں کن امروز گنجینہ چُست — کہ فردا کلیدش نہ در دست تست
تو با خود بَبُر توشہ خویشتن — کہ شفقت نیاید فرزند و زن
بخیل توانگر بدینار و سیم — طلسمت بالائے گنجے مقیم
ازاں سالہا می بماند زرش — کہ لرزد طلسمے چنیں بر سرش
بسنگ اجل ناگہاں بشکنند — باسودگی گنج قسمت کنند
چو در زندگانی بدی عیال — گرت مرگ خواہند ازیشاں منال
تو غافل در اندیشۂ سود مال، — کہ سرمایہ عمر شد پائمال،
بکن سرمۂ غفلت از چشم پاک — کہ فردا شوی سرمہ در چشم خاک

ترجمہ : (۱) آج خزانہ جلد لٹا دے اس لیے کہ کل چابی تیرے ہاتھ میں نہ ہوگی۔

(۲) اپنا توشہ خود لیجا۔ اس لیے کہ بیٹے اور عورت سے کسی شفقت کی امید نہ رکھ۔

(۳) دولتمند بخیل کی سونے چاندی پر ایسی مثال ہے جیسے خزانے پر نقلی چوکیدار

(۴) یہ خزانہ اس لیے کئی سال باقی رہتا ہے کہ اس پر نقلی چوکیدار نگران ہے۔

(۵) جب اچانک اس کا سر اجل پھوڑے گا تو آسانی سے اس کا خزانہ کیا جائے گا۔

(۶) جب تو اپنے عیال سے بُری زندگی بسر کرتا ہے تو اگر وہ تیری موت چاہیں تو غم نہ کر۔

(۷) تو مال کے جمع کرنے کے خیال میں ہے ایسے ہی زندگی کا سرمایہ ضائع ہو گیا۔

(۸) آنکھ کو غفلت کے سرمہ سے صاف کر بعد چند روز تو خود مٹی کا سرمہ بننے والا ہے۔

سے آنکھ کا پھڑکنا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا
وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ
اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ
لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ
وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ
الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ
اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ
وَاَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى
كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ؗ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا
بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ○ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ
يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ع

ترجمہ: بے شک اللہ نے سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی اب ہم لکھ رکھیں گے
ان کا کہا اور انبیاء کو ان کا ناحق شہید کرنا اور فرمائیں گے کہ چکھو آگ کا عذاب یہ بدلہ ہے اس کا جو تمہارے
ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا وہ جو کہتے ہیں اللہ نے ہم سے اقرار کرلیا ہے کہ ہم

کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک ایسی قربانی کا حکم نہ لائے جسے آگ کھائے تم فرما دو مجھ سے پہلے بہت رسول کھلی نشانیاں اور یہ حکم لے کر آئے جو تم کہتے ہو پھر تم نے انہیں کیوں شہید کیا اگر سچے ہو تو اے محبوب اگر وہ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو تم سے اگلے رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی جو صاف نشانیاں اور صحیفے اور چمکتی کتاب لے کر آئے تھے ہر جان کو موت چکھنی ہے اور تمہارے بدلے تو قیامت ہی کو پورے ملیں گے تو جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا اور دنیا کی زندگی تو یہی دھوکے کا مال ہے بے شک ضرور تمہاری آزمائش ہوگی تمہارے مال اور تمہاری جانوں میں اور بیشک ضرور تم اگلے کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ بُرا سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا تو انہوں نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کئے تو کتنی بُری خریداری ہے ہرگز نہ سمجھنا انہیں جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں کہ بے کئے ان کی تعریف ہو ایسوں کو ہرگز عذاب سے دور نہ جاننا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر عالمانہ

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ؎

بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سُن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ فقیر اور ہم دولتمند ہیں۔ یہودیوں نے جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا سنا تو یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر اور ہم دولتمند ہیں۔

غیرتِ صدیقی

مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط دے کر بنو قینقاع کے یہودیوں کو دعوتِ اسلام دی اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا اور لکھا کہ اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے عبادت خانے میں تشریف لے گئے اس میں بہت سے یہودی ایک شخص کے ارد گرد جمع تھے۔ اس کا نام فنحاص بن عازورا تھا۔ وہ اُن کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا اور بھی عالم موجود تھا۔ اس کا نام اشیع تھا۔ آپ نے جاتے ہی فنحاص بن عازورا سے فرمایا کہ خدا کا خوف کر مسلمان ہو جا۔ بخدا تم یقیناً جانتے ہو کہ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر تشریف لائے ہیں اور یہ سب کچھ تمہاری کتاب توراۃ میں لکھا ہوا ہے۔ فلہٰذا ایمان قبول کر کے اُن کی تصدیق کر لو اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں بہشت میں داخل فرما کر تمہارے

ثواب میں اضافہ فرمائے۔ فنحاص نے کہا کہ تیرا کیا خیال ہے کہ ہمارا رب ہمارے سے قرض مانگتا ہے اور قرض مانگنا تو محتاجوں کا کام ہے کہ وہ دولتمند سے مانگا کرتے ہیں۔ جو بات تم کہتے ہو اگر حق ہے تو پھر اللہ تعالیٰ فقیر ہوا اور ہم دولتمند حالانکہ وہ تمہیں سود سے روکتا ہے اور خود ہمیں اس کا وعدہ کرتا ہے۔ وہ اگر دولتمند ہوتا تو وہ ہمیں سود کے لیے نہ کہتا۔ اس سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طیش آگیا اور فنحاص کے چہرہ پر تھپڑ رسید کیا اور وہ انداز در دار تھا کہ اس کا چہرہ لہولہان ہو گیا اور فرمایا بخدا اگر وہ معاہدہ نہ ہوتا جو ہمارے اور تمہارے مابین ہے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ فنحاص نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کی اور خود جو کچھ کہا اس سے منکر ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور یہودی کے رد میں یہی آیت نازل ہوئی۔

سوال : کہنے والا تو ایک تھا اور قرآن پاک میں صیغہ جمع استعمال کیا گیا ہے۔

جواب : اس ایک نے کہا لیکن اس کے کہنے پر سب راضی تھے۔

خلاصہ تفسیر آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں اور قائلین کے لیے ایسا دردناک عذاب تیار ہے جو ایسی باتیں بکنے کا مزہ چکھائے گا۔

سوال : اسے سماع یعنی سمع اللہ سے کیوں تعبیر فرمایا۔

جواب : اس طرف اشارہ ہے کہ یہ قول اتنا قبیح اور مذموم ہے کہ جس کا کوئی بھی راضی نہیں کہ اسے کوئی سننے والا سنے۔

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا ۔ ہم ان کی وہ غلط کاریاں نگران فرشتوں کے صحیفوں میں لکھیں گے یا ہم انہیں محفوظ کر کے رکھ دیں گے یا ہم انہیں اپنے علم میں ثابت رکھیں گے کہ وہ کسی وقت بھی نہ مٹائی جائے گی جیسے ایک لکھا ہوا پروگرام محفوظ ہوتا ہے اور یہ سین تاکید کا ہے یعنی اُن کے کردار کی جو تدوین ہوئی ثابت کر کے رکھی گئی وہ کبھی ہمارے سے گم نہیں ہو گی اس لیے کہ وہ ایک بڑا اور سخت ہولناک امر ہے اور ہو بھی کیسے جب کہ انہوں نے یہ کردار ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے کفر اور قرآنِ عظیم اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزا کیا ہے وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ (اور اُن کا انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنا) اس کا عطف سابقہ مضمون پر ہے اس میں اشارہ ہے کہ یہ دونوں جرم کی عظمت میں برابر ہیں اور تنبیہہ ہے کہ یہ اُن کی پہلی غلط کاری نہیں بلکہ ان کے اور بھی جرائم ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو بے وقوف حضرات انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنے پر دلیر ہیں تو اُن سے دوسرے گناہوں کا صدور بعید از قیاس نہیں۔

سوال : ان لوگوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو شہید نہیں کیا تھا بلکہ اُن کے بڑوں سے ایسی غلطی ہوئی۔

جواب : چونکہ یہ اپنے بڑوں کی ایسی غلطیوں سے راضی تھے اسی لیے قتل کا نعل ان کی طرف منسوب کیا گیا۔ بِغَيْرِ حَقٍّ اس کا متعلق محذوف ہے جو قتلهم کی ضمیر هُم سے حال واقع ہے۔ یعنی وہ قتل اُن سے ناحق ہونے والا ہے

اور ان کا اعتقاد بھی یہی تھا کہ ان کا قتل واقعی فی نفس الامر ناحق ہے وَ نَقُوْلُ اور ہم ان کی موت کے وقت یا قیامت میں بایں کتاب، ان کے سامنے پڑھی جائے گی تو ہم انہیں کہیں گے ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ جلا دینے والا عذاب چکھو یعنی ان کے کردار لکھ کر انہیں دکھا کر بطور بدلہ کہیں گے۔ کہ جیسے تم نے حضرت انبیاء علیہم السلام کو قتل کے کڑوے گھونٹ چکھائے تھے تم بھی جلا دینے والے عذاب چکھو ذٰلِكَ۔ یہ عذاب مذکور کی طرف اشارہ ہے بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ بسبب تمہارے ان کردار کے جو تم نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو ناحق شہید کیا اور دوسرے بکواسات بکے یہ انہی تمہارے بڑے گناہوں وغیرہ کا بدلہ ہے۔

سوال: ان گناہوں کو ہاتھوں کے کرنے سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب: چونکہ اعمال کے صدور عموماً ہاتھوں سے ہوتا ہے اسی لیے ان سے تعبیر کیا گیا۔ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ اور بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ جملہ محلاً مرفوع مبتدا محذوف کی خبر ہے اور جملہ معترضہ تذییلیہ اپنے ماقبل کے مضمون کی تقریر و تاکید کے لیے واقع ہوا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر (گناہوں کے بغیر) ظلم نہیں کرتا۔

سوال: لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ کا ترجمہ مذکورہ سے کیا فائدہ ہوا جب کہ اہل سنت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ کسی کو بغیر گناہ کے عذاب دے تب بھی ظلم نہیں چہ جائے کہ کسی کو گناہ کے بدلے سزا دے تو پھر اسے کیسے ظلم کہا جا سکتا ہے۔

جواب: اس کے کمال نزاہت کا بیان ہے کہ وہ کریم ظلم سے منزہ ہے کہ اس سے ظلم و دیگر قبائح (جیسے کذب وغیرہ) کا صدور بالکل محال ہے۔ جیسے اعمال پر ترک اثابت کو اضاعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ باوجودیکہ اعمال ثواب کا موجب نہیں کہ اعمال پر ثواب نہ دینے کو ضیاع سے تعبیر کیا جا سکے۔

سوال: صیغۂ مبالغہ لانے میں کیا فائدہ۔

جواب: مذکورہ بالا تقریر کی تاکید ہے یعنی واضح کیا گیا ہے اور تعذیب گناہ کے بغیر ظلم کا انتہائی درجہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ دونوں آیتوں میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب بندے پر صفات ذمیمہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اس پر خواہشات نفسانیہ اور شیطان قابو پا جاتا ہے اور اس کا قلب مردہ بن جاتا ہے تو اس کی نفس امارگی صفت تکمیل پاتی ہے پھر وہ جو کچھ بولتا ہے وہ خواہشات ہی بولتا ہے اور اس کا وہ بولنا القائے شیطانی ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔[1] اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ اور نفس جب خواہشات سے بھرپور

---

[1] بیشک اپنے دوستوں کو القاء کرتے ہیں۔ ۱۲

ہو جاتا ہے تو ربوبیت کا مدعی بن جاتا ہے جیسے فرعون نے دعویٰ کیا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی اس لیے کہ اس کا کلام ربوبیت کے کلام کے مشابہ ہوتا ہے اور صفات ربوبیت سے ایک صفت "واللہ الغنی وانتم الفقرا" بھی ہے۔

پھر جب نفس امارہ کی صفات ذمیمہ سے تکمیل ہو جاتی ہے تو وہ صفات ربوبیت اپنے لیے اور صفات عبودیت اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنے لگ جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء۔ یہودیوں نے صفت ربوبیت یعنی غنا (تونگری) اپنے لیے اور صفت عبودیت یعنی فقر (محتاجی) اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کی سَنَکْتُبُ مَا قَالُوْا ہم ان کی انہی باتوں سے اُن کے قلوب کو مردہ بنا دیں گے۔ جیسے اُن کے افعال سے انہیں مٹا دیا یعنی ان کا انبیاء علیہم السلام کو ناحق شہید کرنا۔ اس میں اشارہ کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں بکواس کرنے کی سزا وہی ہے جو ان کے انبیاء علیہم السلام کے شہید کرنے کی ہے ونقول ذوقوا۔ اور ہم کہیں گے کہ مردہ قلب کا عذاب چکھو جو قہر اور جدائی و مفارقت کی نار سے جلائی گئی ذٰلک بما قدمت ایدیکم یہ تمہاری ان منحوس معاملات کی سزا ہے جن کا تم نے قولاً و فعلاً ارتکاب کیا۔ جیسے تمہاری خواہشات اور طبیعت کا تقاضا ہوتا تم ویسے ہی عمل کرتے جو سراسر شریعت اور رضائے حق کے خلاف تھا وان اللہ لیس بظلام للعبید۔ وہ شئے کو موقع و محل کے خلاف ہرگز نہیں رکھتا۔ یعنی وہ مصلح کو صفت قہاریہ کا اور مفسد کو صفات لطیفہ کا مظہر ہرگز نہیں بناتا کما قال اللہ اعلم حیث یجعل رسالته[1] چنانچہ فرمایا کسی نے ؎

ندہد ہوشمند رائے بفرومایہ کار ہا خطیر
بوریا باف بزندش بکار گاہ حریر

ترجمہ: سمجھدار کمینے کو بڑا کام سپرد نہیں کرتا۔ بوریا بننے والے کو ریشم گاہ میں نہیں لے جاتے۔

جب بندے میں اچھی استعداد ہو تو اُس کے حق میں قہر بھی لطف بن جاتا ہے بشرطیکہ وہ اس کیلئے حتی الامکان جدوجہد اور جانسوزی کرے۔ بہت سے اہل ایمان کا انجام برباد ہو جاتا ہے (کہ وہ کافر ہو کر مرتے ہیں) اور بسا اوقات اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ جب کسی کی سعادتمندی دستگیری کرتی ہے تو حالات خود بخود سدھر جاتے ہیں۔ اسی طرح بدبختی کے متعلق ہے۔

ف: بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ بندے دو قسم ہیں۔

(۱) بہت سی زندگانیوں والے لمحات تو بڑے بڑے لیکن ان کے اعمال کے نتائج قلیل جیسے بنی اسرائیل کی عمریں طویل تو تھیں (ان کی عمر ہزار سال یا اس سے بھی زائد ہوتی تھی) لیکن ان کے اعمال کے ثمرات ایسے نہیں تھے۔ جیسے اُمتِ محمدیہ

---

[1] اللہ کو خوب معلوم ہے جہاں وہ رسالت مقرر کرتا ہے۔

علی صاحبہا السلام کو نصیب ہوئے۔

۲۔ لمحات تو بہت قلیل لیکن اُن کے نتائج بہت زیادہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ اس امتِ محمدیہ علی صاحبہا السلام کے کسی فرد پر اپنے فضل و کرم کے دروازے کھول دے تو پھر اس کا مقابلہ گذشتہ اُمتوں میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

حکایت: حضرت احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سلیمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھے بنی اسرائیل پر بہت رشک آتا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ کس بات سے میں نے عرض کی کہ اُن کی آٹھ سو سال تک عمریں ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ کمان کی طرح کبڑے (بڑھاپے سے) اور ناروں کی طرح (مجاہدات سے) ہو جاتے انہوں نے فرمایا میں نے سمجھا کہ نمبرا کوئی بہت بڑا سوال ہو گا۔ یہ تو معمولی بات ہے اس لیے کہ ہمارا رب ہمارے لیے یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے چمڑے ہماری ہڈیوں پر خشک ہوں (یعنی بہت بڑھاپا اور لمبی عمریں نہیں چاہتا) بلکہ وہ ہمارے سے نیک نیتی اور صدق قلبی چاہتا ہے۔ جب کہ ہمارے سے کسی کو نیک نیتی اور صدق قلبی صرف دس دن نصیب ہو جائے تو بنی اسرائیل کو بہت بڑی عمر میں بھی بہت بڑے اونچے مراتب نصیب نہیں ہوں گے جو بہتر وقت لمبی عمر تک نصیب ہو جائے تو پھر اس کا کیا کہنا کہ نہ زبان را یاراں نہ قلم را امکان جو اس بندے کو مراتب و مناصب حاصل ہوتے ہیں۔

وظیفہ: حضرت شیخ شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب العروس میں لکھا کہ جس کی عمر بہت تھوڑی ہو اسے چاہیے ان اذکار کا ورد بکثرت رکھے جسے جامع الاذکار کہا جاتا ہے یعنی سبحان اللہ عدد خلقہ الخ وغیرہ

ف قلیل سے مراد یہ ہے کہ جسے رجوع الی اللہ نصیب ہوا اور وہ سمجھتا ہے کہ موت کے میدان میں پڑا ہے اور اس پر امراض مہلکہ اور اسبابِ جان لیوا کا ہجوم ہوا واللہ اعلم)

سبق جب ثابت ہوا کہ معاملہ یوں ہے پھر افسوس اور سخت افسوس ہے۔ اس انسان کے لیے کہ وہ اپنے دنیوی مشاغل کو ترک کر کے رجوع الی اللہ نہیں کرتا اور نہ ہی صدق دل سے اسے یاد کرتا ہے۔ اگر پورے طور رجوع الی اللہ ہو جائے تو اُس پر وہ اسرار کھلیں گے کہ جہاں کسی کی رسائی نہ ہو سکے۔ اس طرح سے دنیوی علائق و عوائق بھی کم نہیں بلکہ سمٹ جائیں گے۔ جو شخص اپنے نفس کے معاملات سے روگردانی نہیں کرتا اور نہ ہی اُسے آج اور کل کے گورکھ دھندوں نے گھیر لیا ہے وہ کب راہِ حق کو پا سکتا ہے۔

قاعدہ صوفیانہ: دو ایسی خصلتیں ہیں کہ جن پر جتنا رشک کیا جائے تھوڑا ہے۔

① ۔ صحت و عافیت۔

② فراغت۔

اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ وہ دین یا دنیا کے امور میں منہمک ہے ورنہ اس جیسا کم بخت اور کون ہوگا۔ (واللہ اعلم) اللہ تعالیٰ ہم سب کو کمبختی اور رسوائی اور گھاٹے سے محفوظ فرمائے ؎

مہل کہ عمر بہ بیہودہ بگذرد حافظ
بکوشش و حاصل عمر عزیز را دریاب

ترجمہ: اسے نہ چھوڑ اے حافظ کہ کہیں عمر ضائع نہ جائے کوشش کیجئے تاکہ تجھے عمر عزیز کا پھل حاصل ہو۔

قاعدہ عجیبہ: بزرگ فرماتے ہیں دنیا سمجھداروں کے لیے غنیمت اور بیوقوفوں کے لیے غفلت ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا جنہوں نے کہا یعنی اشرف اور مالک بن صیف اور وحی بن اخطب و نخاص بن عازورا، وہب بن یہودا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَآ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں توراۃ میں حکم اور وصیت فرمائی اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ یہ کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ لائے ہمارے ہاں ایسی قربانی جو اسے آگ کھا جاتے یہی اس کی صداقت کی دلیل ہوگی۔

حل لغات: قربان ہر وہ عبادت جس سے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔ جیسے قربانی اور صدقہ دیگر عمل صالح۔ یہ قربہ کا اسم بروزن فعلان ہے۔

واقعہ: حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے نام قربانیاں کرکے چربی اور اچھا گوشت اٹھا کر گھر میں رکھ دیتے لیکن گھر کی چھت کھلی چھوڑ دیتے تو ان کے نبی علیہ السلام ان گھروں میں دعا مانگتے اور بنی اسرائیل گھر کے اردگرد باہر کھڑے ہو جاتے تو سفید رنگ کی آگ آسمان سے اترتی جس میں کسی قسم کا دھواں نہ ہوتا۔ اس میں باریک سی آواز بھی ہوتی۔ وہ آگ آسمان سے اتر کر اس قربانی کو کھا جاتی یعنی وہ اسے اپنی طبعی میلان سے کھینچتی تو وہ قربانی جل جاتی۔ یہی اس کی قبولیت کی علامت تھی۔ اگر کسی کی قربانی قبول نہ ہوتی تو وہ ویسے ہی پڑی رہتی ان کا سوال کہ ہم نبوت کا اقرار اس وقت کریں گے۔ جب وہ ایسی آگ لائیں جو قربانی کو کھا جائے۔ (یہ اس منجملہ معجزات کے ایک معجزہ تھا خلاصہ یہ کہ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کے کہنے پر آگ نہ لائے۔ اسی لیے وہ دولت اسلام سے محروم رہے کیونکہ ان کی شرط تھی کہ اگر آگ قربانی کو کھا جائے تو وہ ایمان لائیں گے۔ ان کے اس غلط قول کی تردید میں یہ آیت اتری قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کا کذب ظاہر کیجئے اور ان کو لاجواب فرمائے کہ قَدْ جَآءَكُمْ تمہارے اسلاف اور آباؤ اجداد کے پاس رُسُل بہت سے پیغمبران عظام علیٰ نبینا وعلیہم السلام یہاں رُسُل سے کثیر التعداد و کبیر المقدار مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ۔ مجھ سے پہلے تمہارے اسلاف کے ہاں معجزات واضحہ لائے وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ۔ اور خصوصیت سے وہ چیز بھی لائے جس کا اب تمہیں سوال ہے یعنی بعینہٖ یہی

قربانی جسے آگ کھا جاتی تھی پھر تم نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کردیا فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ تم نے انہیں کیوں شہید کر دیا اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو یعنی اگر تم سچے ہو کہ تم صرف اس نبی علیہ السلام پر ایمان لاتے ہو جو تمہاری طلب کو پورا کرے تو پھر بتائیے کہ حضرات زکریا و یحییٰ وغیرہما علیہم السلام دوسرے معجزات کے ساتھ یہ معجزہ بھی لائے جس کی تمہیں طلب تھی تو پھر تم ان پر کیوں ایمان نہ لائے بلکہ الٹا جرأت کرکے انہیں شہید کر ڈالا فَاِنْ كَذَّبُوْكَ (اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں) یہاں سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے جَآءُوْا بِالْبَيِّنٰتِ وہ بھی معجزات واضحات لائے تھے۔ یہ جملہ رُسُل کی صفت ہے وَالزُّبُرِ یہ زبور کی جمع ہے۔ اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صرف احکام ہوں" زبرتہ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسے حسین بنایا جائے یا زبر بمعنیٰ المواعظ ہے۔ زبرتہ سے مشتق ہے بمعنیٰ زجرتہ یعنی میں نے اسے جھڑکی دی۔ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ اور روشنی دینے والی کتاب، اس سے تورات۔ انجیل اور زبور مراد ہیں الکتاب سے قرآن مجید میں وہ کتاب مراد ہوتی ہے جو شرائع احکام کو متضمن ہو یہی وجہ ہے کہ عام طور الکتاب اور الحکمۃ معطوف و معطوف علیہ ہو کر مستعمل ہوتی ہے۔ المنیر بمعنے امر و نہی سے بیان کرنے میں بہت زیادہ واضح اور روشن۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے بعض اہنوں کو حضرات انبیاء علیہم السلام پر غلبہ دیا ایمان لانے سے پہلے یا بعد کو انہیں شہید کر دیتے۔ اسی طرح بعض صفات نفسانیہ کو بعض الہامات ربانیہ و وارداتِ رحمانیہ پر غلبہ دیتا ہے کہ جس سے وہ الہامات و واردات محو ہو جاتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ یمحوا اللہ مَا يَشَآءُ۔ یعنی اللہ جو چاہتا ہے اور انقیاد سے قبل یا بعد اسے ثابت رکھتا ہے تاکہ اپنی تقدیر کو پورا فرمائے۔
خلاصہ یہ کہ روح بھی صفات نفسانیہ سے میل جول رکھنے کی وجہ سے نفس کی طرح کمینہ پن اختیار کر لیتا ہے تو اس پر صفات ذمیمہ غلبہ پا جاتی ہیں۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ مفسدین کی صحبت اور صفات مذمومہ نفسانیہ کی عادت سے پرہیز کرے سے

نفس از ہم نفس بگیرد خوی ۔ پُرحذر باش از لقائے خبیث ،
باد چوں بر فضائے بد بگزرد ۔ بوئے بدگیر و از ہوائے خبیث

ترجمہ[۱]: نفس اپنے ہمجولی سے عادت لیتا ہے خبیث کو دیکھنے سے بھی پرہیز کرو۔
(۲) ہوا جب بری فضا سے گذرتی ہے تو اس کی وجہ سے ہوا بھی گندی ہو جاتی ہے۔

سبق بندۂ خدا کو مبارک ہو جو صفات رذیلہ اور عناد اور گناہوں پر اصرار سے نفس کو پاک کرکے حق کو حق اور باطل کو باطل جانتا اور میل دنیا اور اتباع نفس اور غیر اللہ کی موافقت سے دُور

بھاگتا ہے۔

حکایت: مروی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ایک گاؤں پر گزر ہوا وہاں کے لوگ اپنے صحنوں اور گلی کوچوں میں مرے پڑے تھے آپ نے اپنے خدام سے فرمایا دیکھئے یہ لوگ اللہ تعالٰی کے غضب کی وجہ سے مرے ہیں۔ ورنہ اگر اللہ تعالٰی کی رضا میں مرتے تو انہیں دفنایا جاتا۔ آپ کے خدام نے عرض کیا۔ یا رُوح اللہ (علیہ السلام) ہم چاہتے ہیں کہ اُن کا حال ہمیں معلوم ہو جائے۔ آپ نے اللہ تعالٰی سے عرض کیا تو اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ رات کے وقت انہیں پکارنا۔ یہ زندہ ہو کر آپ کے پاس حاضر ہوں گے۔ جب رات اُن مُردوں کے ہاں تشریف لائے اور انہیں پکارا! تو وہ زندہ ہو کر اُن میں سے صرف ایک نے کہا لبیک یا رُوح اللہ۔ آپ نے اس سے پوچھا تمہارا کیا ماجرا ہے۔ اس نے عرض کی رات کو ہم بآرام سوئے نیند میں موت آئی تو ہم سیدھے جہنم میں پہنچے۔ آپ نے پوچھا تمہاری کونسی غلطی تھی عرض کی ہمیں دُنیا سے بہت محبت تھی اور اہلِ معاصی کی طاعت سے ہمیں بہت بڑا پیار تھا۔ آپ نے فرمایا اپنی محبت کو مثال دے کر سمجھایئے۔ عرض کی ہمارا حال اس چھوٹے بچے کی طرح تھا جب ماں کو دیکھتا ہے۔ ہم بھی دُنیا کو دیکھتے تو اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور جب نہ ہوتی تو ہم غمگین ہو جاتے آپ نے فرمایا کہ تمہارے اور ساتھی مجھ سے کیوں کلام نہیں کرتے۔ اُس نے عرض کی کہ ان کے منہ میں آگ کی لگام دی گئی ہے جنہیں سخت گیر ملائکہ پکڑے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو کس طرح بچ گیا۔ اُس نے کہا میں تھا تو ان میں سے ہی لیکن اُن سے نہ تھا (یعنی میں ان میں رہتا تو تھا۔ لیکن برائیوں سے محفوظ تھا) صرف یہ غلطی ہوئی کہ انہیں برائیوں سے روکتا نہیں تھا) اسی لیے جب عذاب نازل ہوا تو میں بھی اس عذاب کی لپیٹ میں آگیا۔ لیکن مجھے جہنم کے کنارے پر لٹکایا گیا ہے۔ یہ بھی مجھے معلوم نہیں کہ مجھے اس سے نجات نصیب ہوتی ہے یا ہمیشہ اسی عذاب میں لٹکا رہوں گا۔

مسئلہ: انبیاء علیہم السلام کے ارشادات سے انکار اور اُن کی تکذیب حبِّ دُنیا اور اس کی جھکنے کی علامت ہے۔ اس لیے کہ حضراتِ انبیاء و اولیاء علیہم السلام بہشت اور اس کے مالک و مولٰی کی طرف بُلاتے ہیں اور بہشت کو دُکھ اور تکالیف سے گھیر اگیا ہے اور انسان کا خاصہ ہے کہ وہ جب کسی ایسے امر کو دیکھتا ہے جو اسے تکلیف پہنچاتا ہے تو وہ اس سے نفرت کرتا ہے۔ پھر جب اسے اس پر عمل کا کہا جاتا ہے یا مجبور کیا جائے تو انکار کرنے لگ جاتا ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ بہت سی اشیاء سے کراہت کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہیں۔

ف: حکماء الٰہیہ یعنی اولیاء کرام اپنے مریدوں پر کڑی نگرانی رکھتے ہیں کہ وہ اہلِ انکار کی بُری صحبتوں سے بچیں بلکہ ایسوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے تک بھی گوارا نہیں کرتے۔ اس لیے کہ صحبت میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ؎

عدو البليد الى الجليد سريعة
والجمر يوضع فى الرماد فيخمد

ترجمہ: دانا بیوقوف کی بات سے جلد براثر پذیر ہو جاتا ہے جیسے انگارہ راکھ میں رکھا جائے تو بجھ جاتا ہے ؎

با بدان یار گشت ہمسر لوط ۔۔۔ خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند ۔۔۔ پے مردم گرفت و مردم شد

ترجمہ:(۱) بُروں کی صحبت میں لوط علیہ السلام کی اہلیہ بیٹھی تو اس کا خاندان نبوت سے تعلق ٹوٹ گیا۔

(۲) اصحاب کہف کے کتے نے چند روز اولیاء کے قدم پکڑے تو قیامت میں انسانوں میں اُٹھے گا۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی مطابق فرمایا ؎

گر تو سنگ و صخرہ و مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ: اگر تو پتھر اور سنگ مرمر ہے لیکن جب اولیاء اللہ کی صحبت میں حاضر ہو گا تو تو موتی ہو جائے گا۔

(اللہ تعالیٰ ہم سب کو اولیاء کا طریقہ اور اپنے دوستوں کی صحبت نصیب فرمائے۔ آمین)

تفسیر عالمانہ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جی موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے) یعنی روح بدن سے موت کی ادنیٰ وجہ سے نکل کر جدا ہو گی۔ اُسے ذوق سے تعبیر کرنے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ موت ایک تھوڑی سی گھڑی کا نام ہے لیکن ایماندار کے وعدہ کریمہ اور کافر کی وعید کو یکجا بیان کیا گیا ہے اس میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اس دُنیا کے علاوہ ایک اور جہان بھی ہے جس میں نیک اور بُرے میں امتیاز کیا جائے گا۔ اور ہر ایک کو اپنے اعمال کے مطابق جزاء و سزا ہو گی۔

حدیث شریف: جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو زمین نے رب تعالیٰ سے شکایت کی کیونکہ آدم علیہ السلام کے لیے اس سے مٹی لی گئی تو اللہ تعالےٰ نے اس سے وعدہ کیا کہ تیرے پاس یہی ذرات واپس لوٹائے جائیں گے۔

مسئلہ: جہاں سے کسی کی مٹی کا خمیر لایا گیا وہاں ہی مدفون ہو گا۔ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ ۔ اور بیشک تمہارے اجر تمہیں پورے کئے جائیں گے۔ یعنی تمہارے اعمال کی تمہیں جزاء دی جائے گی۔ نیک عمل ہے تو جزاء نیک ہو گی اگر برا عمل ہے تو سزا ملے گی یَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت میں یعنی قبروں سے اٹھتے ہی۔

نکتہ: توفیکم میں اشارہ ہے کہ بعض اعمال کی جزاء قبور سے اٹھنے سے پہلے بھی دی جائے گی۔

حدیث شریف: میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قبر بہشت کے باغیچوں سے ایک باغیچہ ہے یا جہنم کے گڑھوں سے ایک گڑھا ہے فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ پس وہ جو اس دن جہنم سے دور کیا گیا۔ زُحزِحَ زحزحة سے مشتق ہے۔ دراصل زَحَّ کا تکرار ہے بمعنے کسی شئے کو جلدی سے کھینچنا وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۔ اور بہشت میں داخل کیا گیا تو وہ کامیاب ہوا اَلْفَوز بمعنے مقصد پاکر کامیاب ہونے کو کہتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہے کہ اسے جہنم سے دور رکھا جائے بہشت میں داخل ہو تو اُسے چاہیے کہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھے تو وہ قیامت میں وہ ضرور بہشت میں داخل ہوگا اور دوزخ سے نجات پا جائے گا۔ وَ مَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اور نہیں حیٰوۃِ دنیا اور اُس کی رنگینیاں اور لذتیں اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ مگر دھوکے کا سامان۔ دُنیا کو اس سامان سے تشبیہہ دی گئی ہے جو بیچنے والا اچھے سامان کو اوپر اور ردی کو نیچے رکھ کر بیچے تاکہ خریدنے والا دھوکہ کھاکر خرید لے۔ اور یہ بھی اس کیلئے ہے جو آخرت پر دُنیا کو ترجیح دیتا ہے ہاں جو آخرت کو ترجیح دیتا ہے اس کے لیے یہ دنیا کا سامان ایک کامل مکمل سبب ہے جو اسے آخرت کے بہت بڑے مراتب تک پہنچائے گا۔ اسی لیے ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے خیر سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ[1]۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اس دُنیا سے دھوکہ نہ کھائے۔ اس لیے کہ اس کا حصول تو آسمان ہے لیکن ہے زہر قاتل اور اس کا ظاہر تو خوش کُن ہے لیکن اس کا باطن شرور سے بھرپور ہے ؎

تُرا دُنیا ہمی گوید شب و رُوز ۔۔۔ کہ ہاں از صحبتم پرہیز و پرہیز

مدہ خود را فریب از رنگ و بویم ۔۔۔ کہ ہست ایں خندۂ من گریہ آمیز

ترجمہ: (۱) تجھے دنیا شب و روز یہی کہتی ہے کہ خبردار میری صحبت سے دور ہو۔

(۲) میری رنگ و بو سے دھوکہ نہ کھا کہ میری ہنسی گریہ سے ملی ہوئی ہے۔

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ بہترین سامان تیار فرمایا ہے کہ جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور کسی کان نے سُنا اور نہ کسی کے دِل میں اُس کا تصور آیا چنانچہ قرآن میں ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۔۔۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس میں کیا پوشیدہ ہے

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۔ ۔۔۔ یہ ان کے اعمال کی جزا ہے ۱۲۔

بہشت کا درخت: بہشت میں ایک درخت ایسا ہوگا کہ اس کے سایہ تلے اگر سوار سو سال تک چلتا رہے تو بھی اس کی انتہا کو نہ پہنچ سکے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۔ سایہ دراز۔ اور بہشت

---

[1] بیشک وہ مال خیر کے لیے سخت ہے۔

طرف ایک کھونٹی کی جگہ دُنیا وماعلیہا سے بہتر ہے۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ ط وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔

سبق: جو شخص طاعات جی لگا کر ادا کرتا اور برائیوں سے بچتا اور دُنیا اور اُس کی لذتوں سے رُوگردانی کرتا ہے تو وہ بہشت اور اُس کے بلند درجات سے سرشار ہوگا اور جو اس کے برعکس کرتا ہے تو اسے جہنم کے بُرے طبقات میں پہنچا کر محروم رکھا جائے گا۔

حکایت: مروی ہے کہ ایک روز حضرت جبریل علیہ السلام غمگین ہو کر بارگاہ رسالت (علی صاحبہا السلام) میں حاضر ہوئے۔ آپ نے سبب پوچھا عرض کی کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آج سے جہنم کو تیز کیا جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جہنم کیلئے ہے۔ عرض کی کہ جہنم وہ ہے کہ جب پیدا کی گئی تو اُسے ایک ہزار سال سُلگایا گیا۔ یہاں تک کہ وہ سرخ ہو گئی پھر اُسے ہزار سال سلگایا گیا تو زرد ہو گئی پھر اسے ہزار سال سلگایا گیا تو سیاہ ہو گئی۔ پھر مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا کہ اگر اُس کا صرف ایک انگارہ زمین پر پڑے تو تمام دُنیا راکھ ہو جائے اور اگر اس کے لباس کا ایک حصہ زمین و آسمان کے درمیان لٹکایا جائے تو بدبُو سے تمام جہان فنا ہو جائے۔ اس کے سات دروازے اُوپر نیچے ہیں آپ نے فرمایا۔ اس کے مکین کون ہوں گے۔ عرض کی کہ پہلے میں منافقین اس کا نام ہاویہ ہے دوسرے میں مشرکین اس کا نام جحیم ہے تیسرے میں صابئوں اس کا نام سقر ہے چوتھے میں ابلیس اور اس کے ساتھی اور مجوس اس کا نام لظیٰ ہے پانچویں میں یہود اس کا نام حطمہ ہے چھٹے میں نصاریٰ اس کا نام سعیر ہے۔ ساتویں میں کلمہ گو گنہگار داخل۔ اس کا نام نار ہے۔ یہ اس میں صرف تین دن رہیں گے یہی حال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سُنایا۔ انہوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ وہ کیسے داخل ہوں گے۔ آپ نے فرمایا مردوں کو داڑھی سے پکڑ کر اور عورتوں کو زلفوں سے کھینچ کر جہنم میں لایا جائے کا پھر کلمہ گو گنہگار حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جہنم سے باہر نکلیں گے۔

نتیجہ: اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص جہنم سے دُور رکھا گیا وہ بہشت میں داخل ہو کر کامیاب ہُوا۔

وحی کا مضمون شرح ایک نبی علیہ السلام پر وحی اُتری کہ "اے ابن آدم تو دوزخ کو مہنگی قیمت دے کر خریدتا ہے تجھے کیا ہوا ہے کہ تو بہشت کو معمولی قیمت سے کیوں نہیں خریدتا سابق مضمون کی شرح میں فرمایا گیا کہ مثلاً ایک فاسق کی دعوت کرتا ہے جس پر سینکڑوں روپے خرچ کرتا ہے تو اس نے اس مہنگی قیمت سے جہنم خرید لی۔ اگر وہ چند ٹکے خرچ کر کے ایک محتاج فقیر کی دعوت کرتا تو اس معمولی خرچ سے اسے بہشت نصیب ہو جاتی ہے

غم و شاد مانی نمــاند ولیک — جزائے عمل ماند و نام نیک
کرم پائی دارد نہ دیہم وتخت — بدہ کز تو این ماند اے نیک بخت
مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم — کہ پیش از تو بود ست و بعد از تو ہم

ترجمہ: ① غم اور خوشی نہ رہے گا ہاں جزائے عمل رہے گی اور نیک نامی۔ سخاوت کو پاؤں ہیں۔
② تخت اور تاج بیکار ہیں سخاوت کیجئے جو تیرے لیے یہی باقی رہے گی۔ ملک وجاہ و حشم پر۔
③ تکیہ نہ کیجئے کہ تیرے سے پہلے بہت لوگ گذرے ہیں اور بعد کو بھی بہت آئیں گے۔

تفسیر صوفیانہ بعد عن النار اور دخول فی الجنۃ گناہوں سے بچنے اور نیکیوں کو عمل میں لانے سے نصیب ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب مقام نفس سے بھاگ کر مقام قلب میں جاگزیں ہو۔ جو قلب کے حریم میں ہو جاتا ہے تو وہ دائمی امن و سکون پا لیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا۔ اور جو اس حرم میں پہنچتا ہے تو وہ ہر قسم کے درد الم سے بچ جاتا ہے یعنی وہ بہشت عاجلہ کے بڑے مراتب میں پہنچ جاتا ہے۔

ف: ایک بزرگ نے فرمایا کہ جنۃ عالیہ جنۃ المعرفۃ کو کہتے ہیں۔

قاعدہ: نفوس تین قسم ہیں۔

① وہ جو مرے گا تو سہی لیکن اس کا حشر نہیں ہوگا جیسے تمام حیوانات۔
② وہ جو دنیا میں مر جاتا ہے لیکن اس کا آخرت میں بھی حشر ہوگا۔ جیسے نفوس انسانیہ و ملائکہ اور جنات و شیاطین۔
③ دنیا میں موت آئے گی لیکن اس کا حشر دنیا میں ہوگا اور آخرت میں بھی جیسے خواص انسان۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مومن دونوں جہانوں میں زندہ رہتا ہے۔

حدیث شریف نمبر (۲): مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ یہی دراصل فناء فی اللہ فناء باللہ فنا للہ ہے اسے دنیا میں حیوٰۃ معنویہ نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ[1] اسے بقا بنور اللہ کہا جاتا ہے ”کل نفس ذائقۃ الموت“ میں اشارہ ہے کہ نفس میں فناء فی اللہ کی استعداد ہے۔ جب ہر نفس کو موت نے گھیرنا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ موت کے لیے جدوجہد کرے۔

---

[1] کیا وہ جو مر جاتے اور ہم اسے زندہ کر کے اسے نور عطا کریں تو وہ اس کے ذریعہ لوگوں میں چلے پھرتے ۱۲۔

قاعدہ: جس کی موت اسباب سے واقع ہو اس کی حیات بھی اسبابی ہوتی ہے اور جس کی موت فنا فی اللہ سے ہو تو اسے دائمی بقا باللہ نصیب ہوتی ہے وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ تمہیں تمہارے تقوی کے مقدار اجر نصیب ہوگی یا پھر برائیوں کے مقدار سزا پاؤ گے۔ جو شخص نار مفارقت اور جدائی سے دور رکھا گیا اور شریعت و طریقت کے قدموں پر چل کر طبیعت کی آگ سے خارج ہوا تو وہ حقیقت کی جنت میں داخل ہو کر بڑا کامیاب ہوگا۔ اور حیاتِ دنیا اور اس کی تمنائیں تو صرف دھوکے کا سامان ہیں کہ اس سے مغرور اور فریب خوردہ ہی دھوکا کھاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: لَتُبْلَوُنَّ البتہ تم آزمائے جاؤ گے۔ ابتلاء آزمائش کو کہتے ہیں۔ یعنی جس سے آزمائش کی جائے اس کے سامنے بطور ملابست یا مفارقت کے ایسا امر پیش کیا جائے کہ جس کے حل کرنے میں اسے عادۃً مشقت ہو۔ اور یہ بظاہر اس کے لیے متصور ہو سکتا ہے۔ جو امور کے انجام سے بے خبر ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا استعمال مجازًا ہوگا۔ کیونکہ وہ تو ہر ایک کے حال سے خبر رکھتا اور جانتا ہے اس کے لیے آزمائش کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے بندے کو ان امور سے ایک کے لیے اختیار دیتا ہے قبل اس کے کہ اس امر کیلئے کوئی چیز مرتب فرمائے اور یہ آزمائش اس امر کے مبادی میں سے ہے اور یہ قسم محذوف کا جواب ہے یہ دراصل ۔
واللہ لتعاملن معاملۃ ۔۔۔۔ الخ یعنی بخدا تمہارے سے امتحان جیسا معاملہ کیا جائے گا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ تم ثابت قدمی اور اعمال صالحہ میں کس درجہ میں ہو۔ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ تمہارے اموال میں کہ ان پر طرح طرح کی آفات واقع ہوں گے جو ہلاکت کے گھاٹ اتاریں وَاَنْفُسِکُمْ اور تمہارے نفوس میں آزمائش ہوگی۔ انہیں قتل اور قید اور زخمی کر کے ان کے علاوہ جو اور طرح سے ان پر تکالیف و مشقیں اور مصائب وارد ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ ۔ اور البتہ تم سنو گے ان لوگوں سے جو تمہارے سے پہلے کتاب دیئے گئے یعنی قرآن مجید دیئے جانے سے پہلے اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔
وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اور ان سے جو مشرک ہیں یعنی اہل عرب سے جیسے ابوجہل اور ولید اور ابوسفیان[1] وغیرھم۔ اَذًی کَثِیْرًا بہت سے ایذاء دیں مثلاً دین حنیف پر طعن و تشنیع اور احکام شرح شریف میں جرح و قدح کرتے اور جو ایمان لانا چاہے اسے روکتے ہیں۔ بلکہ اہل ایمان کی خطاؤں کو اچھالتے رہتے ہیں ایسے ہی کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی کہ اہل ایمان کو گالیاں دیتے اور مشرکین کو حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر ابھارتے۔ وغیرہ وغیرہ یہ ایسے امور ہیں کہ ان میں ان کے لیے کسی قسم کی بہتری اور تمہارے لیے نقصان نہیں۔

[1] اسلام ۔۔۔ سے ۱۲۔

نکتہ: قبل از وقوع ان امور کی اہل اسلام کو اس لیے خبر دی گئی ہے کہ وہ اپنے نفوس کو ایسی تکالیف کی برداشت اور پریشانیوں پر صبر کرنے کی عادت بنا سکیں بلکہ ان امور کے وقوع سے پہلے ہی تیار رہیں۔ اس لیے کہ دکھ اور درد ایک ایسا امر ہے کہ ہزاروں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ ہاں اس سے پہلے ہی اگر تیاری کر لی جائے تو انسان بڑی سے بڑی تکلیف کو آسان سمجھتا ہے وَاِنْ تَصْبِرُوْا اور اگر تم ان شدائد اور تکالیف کے وقوع کے وقت صبر بلکہ ان کا بہتر طریقہ سے مقابلہ کرو گے۔ وَتَتَّقُوْا اور پرہیزگاری کرو گے یا اللہ کی طرف پورے طور رجوع کرو گے اور غیر اللہ سے منہ موڑلو گے کہ تمہارے لیے دکھ اور سکھ برابر ہو جائیں فَاِنَّ ذٰلِكَ پس بے شک وہ صبر وتقویٰ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ پختہ امور میں سے ہے یعنی وہ بہترین امر کہ جس کی طرف ہر رغبت کرنے والا رغبت کرے۔ یعنی یہ ان امور میں سے ہے کہ جس سے ہر پختہ کار محبت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں بہت بڑا کمال اور بہت بڑی بزرگی ہے یا یہ منجملہ ان امور سے ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ بھی محبوب رکھتا ہے اور حکم دیتا ہے بلکہ تاکید فرماتا ہے یعنی یہ امر اللہ تعالیٰ کی عزیمت ضروریہ میں سے ایک ہے لہٰذا لازم ہے کہ اس پر صبر اور پرہیزگاری کرو۔

ف: چونکہ برائی سے برائی بڑھتی ہے۔ اس لیے صبر کا حکم فرمایا تاکہ دنیا کے نقصانات میں کمی ہو اور تقویٰ کا حکم اس لیے دیا تاکہ آخرت کے نقصانات گھٹیں۔ اس اعتبار سے آیت دنیا و آخرت کے آداب کی جامع ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کی عادات کا خوگر بنے اور ان کے طریقے پر چلنے کی کوشش کرے وہ دکھ اور تکلیف پر صبر کرے اور کسی نااہل کا مقابلہ نہ کرے کہ اسے برائی کا بدلہ برائی سے دیں۔ بلکہ جب وہ لغو باتوں سے گزرتے تو باوقار ہو کر گزرے ؎

بدی را بدی باشد سہل جزاء
اگر مردی احسن الی من اساء

ترجمہ: برائی کا بدلہ برائی آسان ہے اگر تو جوانمرد ہے تو تم اس کے ساتھ احسان کرو جو برائی کرتا ہے۔

واللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ سے بہت بڑی تعریف فرمائی ہے۔

خلق عظیم بعض کہتے ہیں خلق عظیم کا مطلب یہ ہے کہ نیکی کے لیے جدوجہد کرنا اور تکلیف پر صبر کرنا وہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان اوصاف سے موصوف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نیکی پر جدوجہد کی تحسین کرتے ہوئے یوں بیان فرمایا[1] ولا تبسطها كل البسط۔ اور کسی کی تکلیف بہت بڑے صبر کی ضرورت ہوتی ہے

---

[1] پورے طور فراخی نہ کرو ۱۲

اور حضور علیہ السلام کا مخالفین کی تکالیف برداشت کرنے کا شمار ہی نہیں۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تمہارے سے توڑے تم اس سے جوڑنے کی کوشش کرو اور جو تم پر ظلم کرنے اسے معاف کرو۔ اور جو تمہارے ساتھ برائی کرے ان کے ساتھ احسان کرو۔

حدیث شریف نمبر (۲): حضور علیہ الصلوٰۃ کسی کو کوئی نصیحت فرماتے تو پہلے خود اس پر عمل کرتے۔ امت پر لازم ہے کہ آپ کے ارشاد گرامی پر عمل کریں اور تکالیف وغیرہ برداشت کرنے کی عادت ڈالیں تحقیق کے بغیر کسی بات کی طرف کان نہ لگائیں۔

فائدہ: وہ امتحانات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر وارد ہوتے ہیں ان میں صرف نفس کی صفائی اور اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہوتا ہے تاکہ وہ مخلوق سے روگرداں ہو کر راجع الی الخالق ہو۔

حدیث شریف نمبر (۳): حضور علیہ السلام نے فرمایا میری طرح اور کوئی نبی علیہ السلام ایذاء نہیں دیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ میری طرح کسی دوسرے نبی علیہ السلام کو صفائی حاصل نہیں ہوئی۔

حدیث شریف نمبر (۴): حضور علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ آپ مشرکین کے لیے بددعا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا میں صرف رحمت بن کر آیا ہوں میں عذاب کے لیے مبعوث نہیں ہوا۔

مسئلہ: آزمائش ربانی رحمت و نعمت ہے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

درد پشتم داد حق تا من ز خواب — برجہم در نیم شب با سوز و تاب
درد ہا بخشید حق از لطف خویش — تا نخسپم جملہ شب چو گاؤ میش

ترجمہ (۱): اللہ تعالیٰ نے مجھے کمر کا درد اس لیے دیا تاکہ میں درد و سوز سے آدھی رات کو اٹھوں۔

(۲) اللہ نے مجھے درد بخشے تاکہ میں جانوروں کی طرح تمام رات سونا نہ رہوں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ میں جہاد اصغر کی طرف اشارہ ہے کہ اے مسلمانو! کیا تم اپنے اموال و نفوس سے جہاد کرو گے۔ کیا انہیں اللہ کے راہ میں خرچ کرو گے اور اس میں جہاد اکبر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اموال میں تو یوں کہ اگرچہ بھوک ہو تب بھی اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دو۔ اور نفوس میں یوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا مجاہدہ کرو کہ اس کا حق ادا کرو۔ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یعنی اہل تاویل ظاہر اور مشرکین یعنی اہل ریاء قاری اور زاہدوں سے غیبت و ملامت اور سانکار و اعتراض کی ایذا کن باتیں سنو گے وَاِنْ تَصْبِرُوْا اور اگر تم جہاد نفس اور بذل المال اور اذیت خلق پر صبر کرو وَتَتَّقُوْا اور تقوی حاصل کرو کہ

صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود ہو اور ماسوائے اللہ تعالیٰ کو کالعدم جانو[1] فان ذٰلك من عزم الامور بے شک یہ
منجملہ ان امور سے ہے کہ جس پر اولوالعزم تھے کما قال تعالیٰ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ
۔ جو ان امور پر محافظت نہیں کرتا تو وہ صرف طریقت کا مدعی ہے اور بس سے

مشکل آید تخلق را تغییر خلق   آنکہ بالذات است کے زائل شود
اصل طبع است وہمہ اخلاق فرع   فرع لابد اصل را مائل شود

ترجمہ: (۱) مخلوق سے مخلوق کی تغییر مشکل ہے کیونکہ یہ ذات میں ہے آسانی سے مشکل زائل ہوگی۔
(۲) اصل طبع ہے اخلاق اس کی فرع ہیں فرع کو لازماً طبع کی طرف میل کرنا ہوتا ہے۔

سبق: یہ اس سے ثابت ہوا کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے تو اسے مکارم اخلاق نصیب نہیں ہوتے اور نہ ہی اچھی عادات اور نہ ہی اچھے احوال۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ اے پیارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرمائیے اُس وقت کو جب اللہ تعالیٰ نے لیا مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ان لوگوں سے وعدہ جو کتاب دیئے گئے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ کے علماء اور یہ وعدہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعے کیا گیا۔
لَتُبَیِّنُنَّهٗ۔ البتہ تم اسے بیان کرو گے یہ حکایت ہے اُس کی کہ جس کا انہیں خطاب کیا گیا اور ضمیر کتاب کی طرف لوٹتی ہے اور یہی قسم کا جواب ہے۔ جیسے اخذ المیثاق سے معلوم ہوتا ہے۔ گویا انہیں کہا گیا۔ بخدا تم ضرور بیان کرو گے لِلنَّاسِ لوگوں کے لیے ظاہر کرو گے وہ احکام جو اس میں ہیں اور وہ چیزیں جو اس میں بیان کی گئی ہیں۔ منجملہ اُن کے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا امر بھی اور بیان حکایت مذکورہ سے بھی یہی مطلوب ہے وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ اس کا عطف جواب قسم پر ہے۔ اور اسے وہ نہ چھپائیں گے۔

سوال: اسے نونِ ثقیلہ سے کیوں نہیں مؤکد کیا گیا۔

جواب: چونکہ یہ فعل منفی ہے اور قسم میں وہی مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ وَاللّٰهِ لَا يَقُوْمُ زَيْدٌ فَنَبَذُوْهُ پس اسے انہوں نے ڈال دیا النبذ بمعنی الرّمی والابعاد۔ یعنی باوجود یہ کہ اُن سے طرح طرح کی تاکید کر کے وعدے لیے گئے لیکن پھر بھی انہوں نے اس کیے ہوئے وعدے کو وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ پس پشت یعنی انہوں نے اس وعدہ کی حفاظت نہ کی اور اس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوئے۔ (نَبَذَ الشَّیْءَ وَرَآءَ الظَّهْرِ) ہمیشہ کسی امر کی اہانت اور اس سے بالکل رد گردانی پر مثال کے طور کہا جاتا ہے اب نصب العین کے کمال عنایت کے بیلے علم بن گیا ہے وَاشْتَرَوْا بِهٖ اور اس کے ذریعے خرید کیا یعنی اس کتاب کے بدلے جس کے بیان کرنے کا

---

[1] بیشک یہ پختہ امور سے ہے ۱۲۔

انہیں حکم تھا اور انہیں اس کے چھپانے سے روکا گیا اور اشتراء کو کتمان کے عوض متاع دنیا لینے سے استعارہ کیا گیا ہے یعنی انہیں جس کا حکم دیا گیا اسے چھوڑ کر اس کے عوض لیا ثَمَنًا قَلِيلًا ۔ ثمن تھوڑا ۔ یعنی دنیا کے اسباب اور اس کے اغراض ہیں معمولی اور حقیر شے ہے جو کہ فانی اور ختم ہونے والی ہے جسے لیتے تھے ۔ انہیں خطرہ ہوا کہ اگر ہم ایمان لائیں تو ہمیں عامی لوگوں سے کچھ نہیں ملے گا ۔ اس لیے جو کچھ جانتے تھے اسے چھپا دیا اور ان عامی لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی تکذیب کریں فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ بس برا ہے جو کچھ وہ خریدتے تھے ۔ یہ ما نکرہ منصوبہ ہے اور بئس کے فاعل کا مفسر ہے اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے دراصل بئس شیئا یشترون بذلك الثمن تھا ۔ یعنی بری شئے ہے وہ جو اس کا ایسا ثمن دے کر خریدتے ہیں ۔

مسئلہ: یہ آیت اگرچہ بظاہر ان یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جو اخفائے حق کرتے ہیں تاکہ اسی کے ذریعے دنیا کا تھوڑا سا سامان حاصل کر لیں ۔ لیکن اس کا حکم عام ہے ان مسلمانوں کو بھی یہ مسئلہ لاگو ہوتا ہے جو قرآن (جو اشرف الکتب ہے) کے احکام دنیا کی لالچ میں چھپاتے ہیں ۔ اس لیے کہ یہ لوگ اہل کتاب سے اشرف و اعلیٰ ہیں ۔

مسئلہ: صاحب کشاف نے کہا کہ یہ آیت دلیل کے لیے کافی ہے علماء پر فرض عائد ہوتا ہے کہ جو کچھ قرآنی احکام جانتے ہیں انہیں بے دھڑک بیان کریں ۔ دنیا کی کسی غرض فاسد کی وجہ سے کسی سے مخفی نہ رکھیں کہ ظالموں کو آسانی بنائیں تاکہ ان کے ظلم پر دل بندھ جائیں ۔ حالانکہ ایسے احکام مخفی رکھنے پر ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہ ہو انہیں چاہیئے کہ کسی مسئلہ کے اظہار میں بخل نہ کریں انہیں غیرت کرنی چاہیے انہیں اس عمل سے بچنا چاہیئے جو یہودیوں و نصرانیوں کے علماء کی طرف منسوب ہو ۔

مسئلہ: جو لوگوں سے حق کو چھپاتا ہے وہ اس آیت کی وعید میں داخل ہے (کذا فی تفسیر الامام الرازی) ۔

مسئلہ: انسان کو چاہیئے کہ بات کے اظہار و اخفاء میں نیت کو خالص رکھے اپنے دل کو اغراض و اوزار و انکار کی گرد سے پاک رکھے ۔

زیاں می کند مرد تفسیر دان ‏ ‏ ‏ کہ علم و ادب می فروشد بنان
بدیں اے خردمند دنیٰ مخر ‏ ‏ ‏ چو خر با انجیل عیسیٰ مخر

ترجمہ: (۱) وہ مفسر نقصان کر رہا ہے جو روٹی کے عوض علم و ادب کو بیچتا ہے ۔
(۲) اے بیوقوف دنیا کو دین سے نہ خرید گدھا کی طرح انجیل عیسیٰ (علیہ السلام) کے عوض نہ خرید ۱۲ =

سبق: علم و قرآن بیچ کر نفس کو شہوات سے نہ پال اور نہ ہی احکام کے اظہار میں خلقِ خدا سے خوف کھا ۔ بلکہ

جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے اسے جوانمردی اور ہمت سے بیان کرے۔

حکایت: حجاج ظالم نے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیجا کہ آپ نے میرے حق میں کیا کیا فرمایا ہے آپ نے کہلوا بھیجا کہ جو کچھ میں نے تیرے حق میں کہا ہے وہ صحیح ہے بلکہ اور بھی بہت کچھ کہا ہے جو تجھے نہیں پہنچا پھر اس نے پیغام بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ منافقت کی جڑ اکھڑ جائے گی اگر حجاج مر جائے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ نے پگڑی سر پر رکھی اور تلوار حمائل کی اور پوری تیاری کر کے حجاج کی مجلس میں خود تشریف لائے تاکہ اس کے سامنے حق گوئی کا حق ادا فرمائیں۔ چنانچہ اس کی مجلس میں پہنچ کر فرمایا کہ ہاں یہ سب کچھ میں نے کہا ہے۔ حجاج نے کہا۔ آپ نے ایسی باتیں کیوں کہیں۔ جسے ہم برا مناتے ہیں آپ نے یہی آیت پڑھی۔ واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب لبینۃ للناس ولا تکتمونہ۔

ف: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس علم کی مثال کہ جسے بیان نہ کیا جائے اس خزانہ کی ہے کہ جس سے خرچ نہ کیا جائے۔ اسی طرح اس حکمت کی مثال کہ جسے استعمال نہ کیا جائے اس بت کی ہے کہ جسے کھڑا کر دیا جائے لیکن نہ وہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے اور فرمایا مبارک باد ہے اس عالم دین کو جو حق بولتا ہے اور ہزار بار اس سامع کو جو سن کر محفوظ کر لیتا ہے اسی نے حقیقتہً علم پڑھا اور اس دوسرے نے سن کر یاد کیا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے علم کو لوگوں سے چھپاتا ہے اس کے منہ میں جہنم کی لگام دی جائے گی۔

ف: حضرت فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اگر اہل علم اپنے نفوس کو مکرم بنائیں اور اس کی پورے طور حفاظت کریں اور اسے اپنے مقام پر صرف کریں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تو اس کے سامنے بہت بڑے ظالموں جابروں کی گردنیں جھک جائیں گی۔ اور لوگ ان کے غلام بے دام بن جائیں گے۔ اور رہتی دنیا تک ان کے فرمانبردار رہیں گے۔ اس طرح سے اسلام کی عزت بھی رہ جائے گی اور اہل اسلام کو بھی شرافت و بزرگی نصیب ہوگی لیکن انہوں نے دنیوی لالچ میں اپنے آپ کو ذلیل و خوار کیا جب ان کو دنیا کی لالچ دی جاتی ہے تو وہ عزت اسلام پر مرمٹنے کے بجائے نفس دین کی حمایت کرتے اور اپنا علم دنیاداروں پر نثار کر دیتے ہیں۔ اس طمع میں کہ کہیں انہیں بھی ابنائے دنیا کی طرح اعزاز حاصل ہو اسی لیے دنیا میں وہ لوگ ذلیل و خوار ہو کر رہتے ہیں۔

ف: یہ بھی حضرت فضیل سے منقول ہے فرمایا کہ کل قیامت میں علماء اور قرآن کے حفاظ کا بت پرستوں سے پہلے حساب و کتاب ہوگا۔ جب وہ حاضر ہوں گے تو عرض کریں گے۔ یا اللہ ہمارا کیا حال ہے اللہ تعالیٰ فرمائے

گا اہل علم جاہل کی طرح نہیں لیکن جس نے اپنا علم دنیا میں بیچ دیا اسے سخت خسارہ ہے اور تم سب کو معلوم ہے کہ یہ تمام معاملہ حب دنیا کی وجہ سے ہے (ہم سب کو اللہ تعالیٰ راہ قناعت نصیب فرمائے) آمین

حکایت: حضرت سکندر ذوالقرنین رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک قوم پر گزر ہوا جنہوں نے ترک دنیا کر کے گورستان میں رہائش اختیار کر لی اور ان کے دروازوں کے سامنے ہی قبور تھیں اور ساگ اور پتوں پر گزارہ کرتے اور عبادت میں ہی مصروف رہتے۔ ذوالقرنین نے ان کے سردار کو پیغام بھیجا کہ میری ملاقات کے لیے تشریف لائیے۔ انہوں نے فرمایا ہمیں ذوالقرنین سے کیا غرض یہ سن کر ذوالقرنین خود ان کے ہاں حاضر ہوئے اور کہا۔ کیا وجہ ہے کہ کیا تمہیں سونا اور چاندی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا ہمارے میں کوئی بھی اس کا طالب نہیں۔ اور نہ ہی وہ کسی کا پیٹ بھر سکتی ہے اسی لیے ہم نے اپنے پڑوسی اہل قبور کو بنایا ہے تاکہ ہمیں موت نہ بھول جائے۔ اس کے بعد ان بزرگوں کے سردار نے ایک کھوپری اٹھا کر ذوالقرنین کو دکھائی اور فرمایا کہ یہ بھی ایک بادشاہ کی ہے یہ اپنی رعایا پر ظلم کرتا اور خسیس دنیا جمع کرتا تھا لیکن جب سے مرا ہے تو ان سب کے گناہ اس کے سر پر ہیں اس کے بعد انہوں نے ایک دوسری کھوپری اٹھائی اور فرمایا کہ یہ بھی ایک بادشاہ کی ہے۔ لیکن یہ عادل اور رعیت پر شفقت کرنے والا تھا۔ یہ جب مرا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہشت میں جگہ دی ہے اور اس کے درجات بلند فرمائے ہیں۔ اس کے بعد اس بزرگ نے ذوالقرنین کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ ان دونوں میں سے تو کیسی کھوپری چاہتا ہے۔ اس پر ذوالقرنین رو پڑا اور کہا اگر آپ میرے ہاں تشریف لے چلیں تو میں اپنی بادشاہی آپ کے سپرد کر دوں گا۔ انہوں نے فرمایا پناہ بخدا۔ ذوالقرنین نے کہا یہ کیوں فرمایا کہ یہ تمام لوگ تیرے دشمن ہیں صرف تیرے مال اور تیری مملکت کی وجہ سے لیکن میرے دوست ہیں جو بہ قناعت کے سے

نیرزد عسل جان من زخم نیش — قناعت نکو تر بدوشاب خویش

ترجمہ: شہد کے بالمقابل زخم کی کوئی قیمت نہیں کاندھے پر قناعت کا دوشالہ بہتر ہے۔

گدائے کہ ہر خاطرش بند نیست — بہ از پادشاہی کہ خرسند نیست

اگر پادشاہ است و اگر پنبہ دوز — چو خفتند گرد و شب ہر دو روز

ترجمہ: (۱) وہ گدا جس کے دل پر کوئی فکر نہیں وہ اس بادشاہ سے بہتر ہے جو خوش نہیں۔

(۲) بادشاہ ہو یا جولاہہ جب سوتے ہیں تو رات دونوں کے لیے یکساں ہے۔

تفسیر عالمانہ لَا تَحْسَبَنَّ گمان مت کیجئے اے میرے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جو اس خطاب کا اہل ہے اَلَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا ان لوگوں کے حق میں جو خوش ہوتے ہیں ساتھ اس کے جو دیئے گئے۔ یعنی اس عمل سے جو مدلیس اور کتمان حق کرتے ہیں۔

وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ۔ اور دوست رکھتے ہیں کہ اُن کی تعریف ہو سا تھ اُس کے کہ انہوں نے نہیں کیا۔ یعنی دہ میثاق کو پورا کرتے۔ اور نہ ہی ان سے اظہار حق ہو سکا اور نہ ہی وہ سچی بات کہہ سکے فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ پس اُن کے لیے گمان مت کیجئے یہ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ الخ کی تاکید ہے اور اس کا دوسرا مفعول محذوف ہے بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ کہ وہ دائمی عذاب سے نجات پانے والے ہیں۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے بوجہ اُن کے کفر اور تدلیس کے

وَلِلّٰهِ اور خاص اللہ کے لیے ہے مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کا ملک یعنی وہ ظاہر حکومت جو ان میں ہے۔ جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے کسی کو پیدا کرنا یا مٹانا ہے کسی کو جلاتا دیتا یا مارتا ہے کسی کو عذاب یا ثواب دیتا ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے اس میں کسی غیر کو کسی معاملہ میں کسی وجہ سے دخیل ہونے کا شائبہ تک بھی نہیں۔ وُہی ان کے امور کا مالک ہے جو وہ عمل کرتے ہیں اسی پر وہی انہیں عذاب دیتا ہے اس کے قبضۂ قدرت سے کوئی بھی نہ نکل سکتا ہے اور نہ ہی اس کے عذاب سے کوئی نجات پا سکتا ہے۔ اُن کی گرفت کرتا ہے۔ جب چاہتا ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے پس وہ عذاب دینے پر قدرت رکھتا ہے پس جسے وہ عذاب دینا چاہے کون ہے جو نجات پا سکے وہی مالک نافذ ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے توراۃ سے متعلق چند باتیں پوچھیں تو انہوں نے توراۃ کے خلاف عرض کیا اور وہ اپنی کارکردگی سے خوش ہوئے تو یہی آیت اتری۔

بعض نے کہا کہ اس سے مراد تمام منافقین ہیں کہ اور وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا الخ کے ظاہر سے یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ایمان کا اظہار کرتے اور ان کے قلوب کفر سے مطمئن تھے وہ اپنی اس کارگزاری سے بہت خوش تھے اور وہ اس انتظار میں رہتے کہ ایمان کے اظہار سے اہل اسلام ہماری تعریف کریں گے۔ حالانکہ وہ اپنی کارکردگی کے باعث حقیقت سے ہزاروں کوس دور تھے۔ وہ اہلِ ایمان کی محبت کا دم بھرتے تھے۔ حالانکہ اہلِ اسلام کے جانی دشمن تھے۔ اولیٰ یہ ہے کہ الذین اسم موصول کو اپنے عموم پر رہنے دیا جائے تاکہ آیت کے حکم میں وہ تمام لوگ بھی داخل ہوں جو نیکی کر کے عُجب میں پڑتے ہیں اور انہیں خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اُن کی تعریف کریں حالانکہ وہ فضائل سے قطعًا خالی ہوتے ہیں اور نہ ہی اُن میں صلاحیت ہوتی ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے اور قاعدہ مسلّمہ ہے کہ آیت کا نزول خاص حکم کے عموم کے منافی نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ متاعِ دنیا کی خوشنودی اور لوگوں کی تعریف کا انتظار نفسِ امارہ کے گرفتار لوگوں کا کام ہے جو جلوۂ دنیا کے دھوکہ اور شیطان کے حملوں کا نشانہ اور سعاداتِ اُخرویہ سے محروم اور قربات معنویہ سے دور ہیں۔ حضرت امام رازی نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ انصاف یہ ہے کہ اکثر مخلوق کا یہی حال ہے کہ وہ طرح طرح کے حیلے کر کے

دُنیا کو جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں پھر جب اُن کا مطلب پورا ہو جاتا ہے تو اس سے بہت ہی خوش ہوتے ہیں پھر انہیں انکار ہوتا ہے کہ اس پر ان کی تعریف بھی ہو کہ یہ صاحب بڑے پاکدامن اور دسترخوان سے بھرپور اور بڑے متدین ہیں ۔

اے برادر از تو بہتر ہیچ کس نشناسدت — زانچہ ہستی یک سر مو خویش را مفزا دلا

گر نہ زدں از قدر خو بشناسدت تا بخرد می — قدر خود بشناس پائے از حد خود بیرون منہ

ترجمہ: (۱) اے برادر مجھے تیرے سوا اور کوئی بھی بہتر نہ سمجھے گا اسی لیے اپنے قدر سے آگے بال برابر آگے قدم نہ رکھ۔

(۲) اگر کوئی تیرا قدر تجھ سے زائد کچھ سمجھا ہے سمجھ لے کہ تو کچھ بھی نہیں اسی لیے تو اپنی قدر پہچان اور حد سے آگے قدم نہ بڑھا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنے شان و قدر سے آگے نہ بڑھے۔ اور جو نیکی اُس میں نہیں اس کے متعلق اپنے لیے سن کر خوشی نہ منائے اس لیے کہ اسے یہ تعریف کوئی کام نہ دے گی ۔

ف: بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ لوگ تیری تعریف محض اپنے حسنِ ظن کی بنا پر کرتے ہیں کہ تو اس کا اہل ہوگا لیکن تمہیں تو اس سے عبرت پکڑنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے عیوب ڈھانپے ہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تو اپنی مذمت خود کر جب کہ تو اپنے قبائح خوب جانتا ہے ۔

ف: مومن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ جب لوگ اس کی تعریف کریں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے شرم کے مارے اس کا سر جھک جائے کہ میں کہاں اور یہ میری تعریف میں اس کا اہل کب ہوں ۔

ف: اور سب سے بہت بڑا بیوقوف وہ ہے کہ وہ اپنی خرابیاں جانتا بھی ہے لیکن جب لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں تو انہی پر بھروسہ کرکے بھول جاتا ہے ۔

ف: حضرت محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جس کی تعریف کی جائے اور وہ اس کا اہل نہ ہو تو یوں سمجھو کہ گویا اس کے ساتھ استہزاء ہو رہا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی کو کہا جائے کہ جنابِ عالی آپ کا پاخانہ تو مشک و کستوری سے بھی زیادہ خوشبو والا ہے اور وہ شخص اسے حقیقت سمجھ کر اپنی تعریف پر محمول کرے تو اُس جیسا بیوقوف اور کوئی نہ ہو گا ۔

بحبل ستائش فرا چہ مشو
چو حاتم اصم باش و عیبت شنو

ترجمہ: ستائش کی رسی میں جکڑا نہ جا حاتم کی طرح بہرہ ہو کر اپنے عیوب سنے جا ۔

سبق اپنی تعریف سُن کر غرہ نہ ہو کہ اس طرح ہلاکت کے گڑھے میں جا پڑے گا۔ بلکہ تمہیں شیخ حاتم اصم رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح بظاہر بہرہ ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ خلقِ خدا جو تیرے ساتھ بدگمائی رکھتی ہے وہ تجھے بیان کریں گے

تو تجھے اپنے عیوب معلوم ہوں گے اس میں ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ جب تمہیں اپنے عیوب معلوم ہو جائیں گے تو تو انہیں دُور کرنے کی کوشش کرے گا اور اوصاف جمیلہ سے متزین ہونے کی جدوجہد کرے گا۔

ف: حقیقی عارف تو وہ ہے جو نہ کسی کی مدح سے خوش ہوا اور نہ کسی کی مذمت سے ناراض۔ کسی کی تعریف سے اُسے خوشی بھی کیسے ہو جب کہ وہ خود اپنے حال سے زیادہ واقف ہے اگر خوش ہوتا ہے تو اس جیسا فریب خوردہ کون ہوگا اور ایسے بھی صرف مدعئی طریقت سمجھئے جو اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔ احوال و معاملات میں اپنے سے زیادہ کسی کو نہیں مانتا۔ جب کہ وہ دعویٰ کرے کہ میں تو دُنیا کے معاملات سے بالکل بے خبر ہوں۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے اندر ہزاروں عیوب ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُنیا میں گزارنے والے کی مثال پانی میں چلنے والے کی ہے کہ وہ پانی میں بھی چلے اور قدم بھی تر نہ ہوں (یہ مشکل ہے) ایسے ہی دنیا میں گزار کر عیب سے خالی جائے) اس سے ان لوگوں کی جہالت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ جو دنیا کی نعمتوں سے تو بھرپور ہیں۔ لیکن پھر بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے دل بالکل پاک و صاف ہیں۔ اور ہم لوگ ظاہری طور تو دنیا کے معاملات سے متعلق ہیں لیکن ہمارے باطن اس سے کوسوں دُور ہیں یہ اُن کا شیطانی مکر ہے۔ اس کا یوں تجربہ کر لو کہ انہیں اگر اس حال سے دُور کر دیا جائے تو پھر دیکھنا کہ چیخیں گے کہ ہائے دُنیا ہم سے کیوں دور ہو گئی۔ جس طرح پانی میں چلنے والے کا پاؤں کا تر ہونا لازمی امر ہے۔ اسی طرح دنیا میں گزارنے والے کا قلب بھی ظلمت سے خالی نہ ہوگا بلکہ اس کا قلب نور دنیا سے جکڑا ہوا سمجھو کہ اسے یہ تعلق حلاوتِ عبادت سے محروم رکھتا ہے۔

حکایت: حضرت شیخ ابوعبداللہ القرشی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایک نیک بخت سے شکایت کرنے لگے کہ جناب ہم عبادت تو کرتے ہیں لیکن دل میں لذت محسوس نہیں ہوتی۔ انہوں نے فرمایا کہ قلب میں حلاوت کیسے نصیب ہو جب کہ تیرے قلب میں شیطان کی بیٹی سکونت رکھتی ہے یعنی حُبِ دُنیا شیطان کی بیٹی ہے تو پھر باپ کو تو بیٹی کی ملاقات کے لیے آنا ہوگا۔ اور اس کی بیٹی کا گھر تیرا قلب ہے اور جب وہ داخل ہوتا ہے تو لازماً تیرے دل پر ظلمت چھا جاتی ہے۔

حکایت: حضرت داؤد علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو دُنیا کی محبت کو اپنے دل سے یکسر نکال دو۔ اس لیے کہ دُنیا اور میری محبت یکجا جمع نہیں ہو سکتیں۔

حکایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے احباب سے فرمایا کہ مُردوں کے پاس نہ بیٹھا کرو کہ ان کی نحوست سے تمہارے دل بھی مُردہ ہو جائیں گے۔ انہوں نے عرض کی مُردہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ دنیا سے محبت کرنے والے اور اس کی رغبت میں سرمست رہنے والے۔

برمرد ہشیار دُنیا خست ... کہ ہر مدتے جائے دیگر کست

منہ بر جہاں دِل کہ بیگانہ ایست ... چو مطرب کہ ہر روز در خانہ ایست

ترجمہ :۱) ہوشیار انسان کی نگاہ میں دنیا ایک خس ہے کیونکہ ہر لحظہ اس کا گھر دوسرے کے ہاں ہے۔

۲) اس جہان میں جی مت لگا یہ دُنیا گانے بجانے والے گداگر کی طرح ہر نئے دن نئے گھر میں ہے۔

نہ لائق بود عشق باد برے

کہ ہر با مداوش بُوے شوہرے

ترجمہ: اس پری پیکر محبوب سے عشق کا کیا فائدہ جس کا ہر نئی صبح کو نیا یار ہو۔



إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا
إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ۝ رَبَّنَا إِنَّنَا
سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا
ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلٰى
رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ
رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثٰى ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ
فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقٰتَلُوا وَقُتِلُوا
لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا
مِّنْ عِندِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي
الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ
الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خٰلِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ
عِندِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِندَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۝ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَن يُؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِينَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا
قَلِيلًا ۗ أُولٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ ع

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے
لیے جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے
ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے آگ سے بچا لے اے رب
ہمارے بے شک جسے تو دوزخ میں لے جائے اسے ضرور تو نے رسوائی دی اور ظالموں کا کوئی مددگار
نہیں اے رب ہمارے ہم نے ایک منادی کو سنا کہ ایمان کے لیے ندا فرماتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم
ایمان لائے اے رب ہمارے تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں دور فرما دے اور ہماری موت اچھوں

کے ساتھ کرا دے رب ہمارے اور ہمیں دے وہ جس کا تو نے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی معرفت اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر بے شک تو وعدہ خلاف نہیں کرتا تو ان کی دعا سن لی ان کے رب نے کہ میں تم میں کام والے کی محنت اکارت نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو تو وہ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے میں ضرور ان کے سب گناہ اتار دوں گا اور ضرور انہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں رواں اللہ کے پاس کا ثواب اور اللہ ہی کے پاس اچھا ثواب ہے اے سننے والے کافروں کو شہروں میں اہلے گہلے پھرنا تجھے دھوکہ نہ دے تھوڑا برتنا ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا ہی برا بچھونا لیکن وہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں ہیں ہمیشہ ان میں رہیں اللہ کی طرف کی مہمانی اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے لیے سب سے بھلا اور بے شک کچھ کتابی ایسے ہیں کہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر جو تمہاری طرف اترا اور جو ان کی طرف اترا ان کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے اللہ کی آیتوں کے بدلے ذلیل دام نہیں لیتے یہ وہ ہیں جن کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۔
بے شک آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں ۔

شانِ نزول : اہل مکہ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اگر سچے نبی ہیں تو اپنے دعوے کی دلیل لائیے تو یہی آیت نازل ہوئی کہ آسمان و زمین ہر دو نوں بڑی مخلوق ہیں اور کہا جاتا ہے کہ آسمان میں بہت بڑی مخلوق سے مراد سورج و چاند اور ستارے اور زمین کی بہت بڑی پیدائش پہاڑ۔ دریا اور درخت اور خوش الحان پرندے ہیں۔

وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ (رات اور دن کا مختلف ہونا) رات کا جانا اور دن کا آنا۔ بعض نے کہا کہ اُن کے اختلاف سے ان دونوں کے رنگ متفاوت ہونا مراد ہے کہ گھٹتا ہے تو دوسرا بڑھتا ہے جب کہ سورج کو حالت زمانہ کے اعتبار سے قرب و بعد کی نسبت ہوتی ہے لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۔ (البتہ نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے) یعنی وہ صاحبانِ عقل اوہام و خیالات کے شائبہ سے خالص ہیں۔ اور اللب خالص عقل کو کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل کا ایک ظاہر اور دوسرا لب یعنی مغز ہے اول الامر کو عقل کہا جاتا

ہے۔ درحبب وہ پورے کمال کو پہنچ جائے تو اسے لُبٌّ سے تعبیر کرتے ہیں اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ ۔ (۱) جو اللہ تعالٰی کو کھڑے اور بیٹھ کر اور کروٹوں پر یاد کرتے ہیں۔ یہ اولی الالباب کی صفت ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالٰی کو اپنی تمام حالتوں میں یاد کرتے ہیں۔ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں یا لیٹے اس لیے کہ انسان تین حالتوں میں وقت گذارتا ہے وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔ اور وہ آسمانوں و زمینوں کی تخلیق میں تفکر کرتے ہیں) یعنی وہ ان دونوں کی پیدائش سے عبرت پکڑتے ہیں۔

سوال: صرف ان کی پیدائش میں تفکر کی تخصیص کیوں۔

جواب: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیدائش میں تم تفکر کرسکتے ہو لیکن پیدا کرنے والے میں تفکر نہ کرو۔

سوال: خالق میں تفکر سے کیوں روکا گیا ہے۔

جواب: حقیقہ مخصوصہ کی معرفت طاقت انسانی سے باہر ہے اس لیے ذات خالق میں تفکر سے انسان کو فائدہ بھی کوئی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے

(۱) نفس۔

(۲) بدن اس لیے اس کی عبودیت بھی نفس و بدن کے لحاظ سے ہے عبودیت بدن کو اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا میں بیان کیا گیا۔ اس لیے کہ یہ جوارح و اعضاء کے استعمال کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اور عبودیت قلب و روح کو یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض میں بیان کیا گیا ہے۔

حدیث شریف: حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر اور عبید اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ بی بی نے پوچھا یہ کون ہیں میں نے عرض کی یہ عبید اللہ بن عمر ہیں۔ بی بی نے فرمایا۔ مرحبا یا عبید اللہ بن عمر۔ پھر بی بی نے انہیں فرمایا کہ تم روزانہ کیوں نہیں تشریف لاتے۔ حضرت ابنِ عمر نے کہا کہ زُرْغِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا (کسی کے پاس ناغہ کر کے جایا جائے تو اس سے محبت بڑھتی ہے) کے حکم پر پھر ابن عمر نے عرض کی آج ہمیں کوئی عجیب بات سنائیے۔ جو آپ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھی ہو۔ بی بی رو پڑیں اور بہت روئیں پھر فرمایا کہ آپ کی تو ہر بات عجیب تر ہے ایک رات میرے ہاں تشریف لاکر میرے ساتھ آرام فرما ہوگئے۔ یہاں تک کہ میرا جسم آپ کے جسم سے مس کر رہا تھا۔ پھر مجھے فرمایا اے عائشہ اجازت دیتی ہو تاکہ میں اپنے رب تعالٰی کی عبادت کر لوں۔ میں نے عرض کی مجھے تو آپ کی مرضی مبارک مطلوب ہے مجھے کیا عذر ہے۔ آپ اُٹھے اور مشکیزے سے پانی لیا اور وضو کر کے نماز کے لیے کھڑے ہوگئے اور رونے لگ گئے اور

اشارہ دے کہ آپ کے آنسو مبارک بہہ کر سینہ تک پہنچ رہے تھے۔ پھر آپ اپنے داہنے پہلو پر سہارا کر کے سیدھا ہاتھ چہرہ کی دائیں جانب رکھ کر روئے لگے۔ یہاں تک کہ آنسو زمین پر ٹپکنے لگے۔ اور صبح ہو گئی حضرت بلال صبح اذان دے کر آپ کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ جب بلال نے دیکھا کہ آپ سخت گریہ فرما رہے ہیں تو عرض کی۔ حضور! آپ کیوں روتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے بلال کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔ پھر میرے لیے کیا ہے کہ میں نہ روؤں۔ جب کہ رات کو میرے ہاں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ ان فی خلق السمٰوٰت والارض الیٰ قولہ فقنا عذاب النار بہت بڑا افسوس ہے اس کے لیے جو یہ آیت پڑھتا ہے لیکن اس میں تفکر نہیں کرتا۔

حدیث شریف: ایک گھڑی کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

شرح الحدیث: اس میں دو وجہیں ہیں۔

(۱) تفکر خود ذات تک پہنچتا ہے اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے اجر تک۔ پھر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ تک پہنچائے وہ غیر اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے عمل سے افضل ہونا چاہیے۔

(۲) تفکر قلب کا عمل ہے اور عبادت جوارح کا اور ظاہر ہے کہ قلب جوارح سے افضل و اعلیٰ ہے۔ بنا بریں اس کی عبادت بھی عبادت سے اشرف ہونی چاہیئے۔

ربط: اس کے بعد دعا کی تعلیم فرمائی۔ اس میں تنبیہہ ہے کہ دعا وہی قبول اور لائق استجابت ہے جس میں پہلے وسیلہ ہو اور وہ وسیلہ یہی ہے کہ انسان اپنی عبودیت کے آداب بجا لائے اور عبودیت کے آداب یہی ہیں یعنی ذکر و فکر۔ پھر فرمایا "ربنا" یعنی وہ لوگ جو تفکر کر کے کہتے ہیں اے ہمارے رب۔ ما خلقت ھٰذا۔ (تو نے اسے پیدا کیا) یعنی آسمانوں اور زمین کو۔

سوال: اگر اس سے آسمان اور زمین مراد ہیں تو مذکر کی ضمیر کیوں۔

جواب: چونکہ ان کا تعلق خلق سے ہے بنا بریں انہیں بتاویل مخلوق کے ضمیر مذکر اور واحد کی لائی گئی باطلاً (باطل) یعنی تخلیق باطل اور عبث۔ اور ضائع عن الحکمۃ اور خالی عن المصلحۃ جیسے غافلین کی اوضاع اور تفکر سے روگردانی کرنے والوں کی کیفیت سے معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ تخلیق آسمانی وغیرہ بہت بڑی حکمتوں اور بہت بڑی بہترین مصلحتوں کی متضمن ہے منجملہ اس کے یہ ہے کہ بندوں کی معاش کا دارومدار اسی پر ہے اور یہ ہدایت کا بنا رہے کہ اس سے مبدا و معاد کے احوال کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے رسل کرام اور کتب الٰہیہ نے بیان فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ذکر اللہ کی عظمت کی طرف اشارہ ہے ذکر اللہ کے تین مراتب ہیں۔

(۱) ذکر للسان۔

(۲) تفکر بالقلب

(۳) معرفت بالروح۔ ذکر لسانی ذکر قلبی تک پہنچاتا ہے اور اسے تفکری تذروا اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ذکر قلبی مقام روح تک پہنچاتا ہے اس سے ہی حقائق الاشیاء کی معرفت نصیب ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں حکمتوں کا مشاہدہ ہے مشاہدہ کے بعد بندہ کہتا ہے ربنا ما خلقت باطلاً انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت ذکر الٰہی میں لسانی ذکر پر مداومت کرے تاکہ اس کے سبب سے ذکر قلبی تک رسائی نصیب ہو پھر ذکر روحانی حاصل ہو۔ اس کے بعد ہی اسے یقین و معرفت میسر ہوگی اور وہ ظلمت جہل سے نجات پاکر نور معرفت سے منور ہوگا۔

ف: بعض نے فرمایا "لا الٰہ الا اللہ" کا معنیٰ عوام کے لیے ہے لامعبود الا اللہ اور خواص کے لیے لا موجود الا اللہ۔ اس لیے کہ سالک اس حالت میں بحر شہود میں غوطہ زن ہوتا ہے اس وجہ سے وہ اس وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں جانتا۔ بلکہ کسی کو موجود جانتا ہی نہیں۔ تفسیر الحقی میں ہے کہ توحید کے چار مراتب ہیں۔

(۱) لب۔

(۲) لب اللب۔

(۳) قشر۔

(۴) قشر القشر۔

عوام کو سمجھانے کے لیے اس کی مثال اخروٹ کی دی جاتی ہے کہ اس کے مغز کے اوپر دو چھلکے ہوتے ہیں پھر اس مغز میں تیل ہوتا ہے اسے لُب اللّب کہا جاتا ہے توحید کا مرتبہ اوّل یوں ہے کہ انسان زبان سے کہے لاالٰہ الا اللہ لیکن دل اس سے غافل یا سرے سے توحید کا انکاری ہو جیسے منافق کی توحید کا حال ہے۔ دُوسرا مرتبہ یہ ہے کہ زبان کے ساتھ دل بھی کلمہ کے معنے کی تصدیق کرے جیسے اہل اسلام تصدیق کرتے ہیں اسے اعتقاد کہا جاتا ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے اس کلمہ کا نُورِ الٰہی کے واسطہ سے مشاہدہ بھی ہو وہ اس طرح کہ اشیاء کو آنکھوں سے ملاحظہ فرمائے۔ کہ ان کا صدور اللہ تعالیٰ واحد قہار سے ہو رہا ہے۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ عالم وجود میں صرف ایک ہی وجود کا مشاہدہ کرے اور یہی صدیقین کا مشاہدہ ہے۔ یہی مقام فنا فی التوحید ہے۔ یعنی اب وہ اپنے نفس کے دیکھنے سے بھی فانی ہو چکا ہے۔ پہلا مرتبہ اس موحد کا ہے جو محض زبان سے توحید کا قائل ہے۔ یہ کلمہ اپنے صاحب کو دُنیا میں تیر و تلوار سے بچاتا ہے یعنی ظاہری طور اُسے اہلِ اسلام کی طرف سے امان حاصل ہوگی۔ دوسرا مرتبہ اس موحد کا ہے جو اپنے قلب سے اس کلمہ سے اعتقاد بھی رکھتا ہے اور اس کے لفظی مفہوم کو بھی سمجھتا ہے اور اس کا دل جس عقیدہ پر جم گیا ہے اُس کی تکذیب

بھی نہیں کرتا۔ اس کا صرف قلب پر اثر رہے گا اسے انشراح و انفتاح نصیب ہوگا۔ البتہ یہ کلمہ اپنے صاحب کو عذاب آخرت سے محفوظ رکھے گا۔ بشرطیکہ اس کا اسی کلمہ پر خاتمہ اور معاصی سے عقیدۂ قلبی کمزور نہ ہو گیا ہو۔ اس لیے کہ اس عقد قلبی کو چند ایسے عوارض ہیں جو اسے کمزور اور ضعیف کر دیتے ہیں۔ ان کا نام بدعت ہے۔ "تیسرا مرتبہ اس موحد کا ہے جو صرف ایک ہی فاعل کو دیکھتا ہے۔ اور بس جب کہ اسے یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ حقیقتہً فاعل ایک ہی ہے یہ صرف اس لیے کہ اس نے اپنے قلب کو مجبور کیا ہے کہ وہ اس لفظ کی حقیقت کے مفہوم کے مطابق عقیدہ رکھے۔ یہ عقیدہ عوام اور متکلمین کا ہے ان کے عقیدہ کی حقیقت میں کسی قسم کا فرق نہیں۔ صرف فرق ہے تو ایک صنعت میں کہ متکلمین اسے علم کلام سے ثابت کرتے ہیں۔ چوتھا مرتبہ اس موحد کا ہے جو صرف ایک کو ہی دیکھتا ہے۔ اور توحید کا یہی آخری اور انتہائی مقام ہے۔ پہلا مرتبہ اخروٹ کے پہلے چھلکے کی طرح دوسرا اخروٹ کے دوسرے چھلکے کی طرح تیسرا اخروٹ کے مغز کی طرح۔ چوتھا اخروٹ کے تیل کی طرح۔ جیسے اخروٹ کے پہلے چھلکے میں کسی قسم کا فائدہ نہیں بلکہ اگر کوئی اسے چکھے تو اس میں سوائے کڑواپن کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا اور اس کے اندر کی کیفیت بہت مکروہ ہے اور اگر اسے آگ میں ڈالا جائے تو وہ اسے جلائے گی اور اس سے دھواں ہی دھواں نکلے گا۔ اور اگر اسے گھر میں چھوڑا جائے تو الٹا گھر میں تنگی پیدا کرے گا۔ ہاں اس میں یہی فائدہ ہے کہ اسے اس حالت میں رکھا جائے تاکہ اخروٹ محفوظ رہ سکے۔ جب حفاظت کا مقصد حل ہو جائے تو اسے پھینک دیا جائے۔ اسی طرح صرف زبانی توحید سے کسی قسم کا فائدہ نہیں۔ بلکہ الٹا سخت نقصان ہے ظاہراً و باطناً ہر دونوں طرح مذموم ہے البتہ اتنا ہے کہ یہ کلمہ اس صاحب کو چند روز یونہی فائدہ دے گا۔ جیسے اخروٹ پر چھلکے نے چند روز حفاظت کے طور فائدہ پہنچایا۔ اسی طرح منافق کو موت تک یہ کلمہ فائدہ دے گا۔ یہ پہلے چھلکے کی طرح منافق کے جسم کو اہل اسلام کی تلوار سے بچائے گا۔ پھر موت کے وقت اس کے جسم سے اس کلمہ کا چھلکا اتار لیا جائے گا۔ موت کے بعد منافق کو وہ کلمہ کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچائے گا۔ جیسے اخروٹ کا دوسرا چھلکا ظاہری طور فائدہ پہنچاتا ہے کہ پہلے چھلکے کی بہ نسبت اس میں بہت فائدہ ہے کہ یہ دوسرا چھلکا اخروٹ کے مغز کی حفاظت کرتا ہے بلکہ اسے فاسد ہونے سے بچاتا ہے کہ اسے اگر کئی عرصہ ذخیرہ بنا کر رکھا جائے اور اگر اسے مغز سے علیحدہ کیا جائے تو بھی اس سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کہ اس سے ایندھن کا کام لیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس سے وہ فوائد نہیں حاصل ہو سکتے جو مغز سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح کلمہ توحید پر صرف اعتقاد رکھنا اور اس سے مشاہدہ نصیب نہ ہو تو وہ اگرچہ مغز جیسا فائدہ نہیں پہنچا سکتا لیکن پھر بھی لسانی کلمہ ناقص القدر سے کئی درجے بہتر اور برتر ہے کہ اس سے اگرچہ کشف اور وہ مجاہدہ نصیب نہیں ہوگا کہ اس سے انشراح و انفتاح صدر اور اشراق نور الحق حاصل ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ یہی انشراح صدر آیت۔ ۱۲

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔

اور فرمایا کیا بس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھولا تو اپنے رب کے نور پر ہے۔ ۱۲

فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ۔ جس کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے ۔ ۱۲ ۔

ہیں مراد ہے پھر جیسے مغز چھلکے سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے اس لیے کہ وہی مقصود ہے لیکن تیل کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو مغز کے اندر ہے ۔ اسی طرح یہ توحید اس سے بہت کم مرتبہ ہے جس میں غیریت کا شائبہ اور کثرت کا رہم ہے ۔ اس کی توحید کا کیا کہنا کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا تصور ہی نہیں ۔

مسئلہ :

آیت سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر جائز ہے ۔ اسی لیے بعض مشائخ کا فرمان ہے کہ ذکر الٰہی میں کھڑے ہو کر قلوب کو راحت ملتی ہے اور سوائے ذکر الٰہی کے اور کوئی ان کی غرض نہیں ہوتی ۔ اور نہ ہی یہ خصوصی طریقہ بنا کر ظاہر کرنا چاہتے ہیں ۔ اگر اس طریقہ کی ان کے نزدیک کوئی حقیقت نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ۔ خلاصہ یہ کہ توحید کے ساتھ چند اور آداب وضع کئے جائیں لیکن وہ آداب کسی خصوصی طریقہ سے نہ ہوں تو پھر اس کی ادائیگی جیسے بھی ہو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا لیٹ کر ہر طرح سے جائز ہے ۔

مسئلہ :

احادیث میں ذکر خفی کی بہت بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے اور اسے مستحب یعنی محبوبہ طریقہ بتلایا گیا ہے ۔

مسئلہ :

شارح کشاف نے فرمایا کہ ذکر الٰہی اخفاء و جہر بحسب مقام مختلف ہوتا ہے اور یہ شیخ کامل اور مرشد کے رائے پر موقوف ہے ۔ جیسے وہ بندی کو حکم فرمائیں ۔

ذکر جہر کے فوائد

(۱) کبھی بتدی کو جہری ذکر مفید ہوتا ہے ۔ اس لیے کہ قلب پر جو وساوس و خواطر راسخ ہو جاتے ہیں وہ ذکر جہری سے دفع ہوتے ہیں (شرح مشارق الانوار) بھی موافق ہے جو مظہر میں ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ذکر بالجہر جائز بلکہ مستحب ہے جب کہ ریا کے طور نہ ہو ۔

(۲) ذکر جہری میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ لوگ اس کے ذکر کو سن کر دین کی طرف راغب ہوں گے ۔

(۳) جہاں تک اس کے ذکر کی آواز جائے گی ان مکانوں اور دکانوں اور گھروں وغیرہ میں برکت ہوگی جب کہ وہ ریا سے خالی ہوں ۔

(۴) اس کے علاوہ دوسروں کو بھی شوق ہوگا تو وہ بھی اس کی موافقت میں ذکر کریں گے ۔

(۵) بالجہر ذکر کرنے والے کے لیے قیامت میں جہاں تک اس کی آواز پہنچے گی ہر تر اور خشک اشیاء اس کے

ایمان کی گواہی دیں گے۔

ذکر خفی کے فوائد بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ ذکر خفی افضل ہے اس لیے کہ یہ ریاء سے دور ہے لیکن ذکر بالجہر یا بالاخفاء سب کا دار و مدار نیت پر ہے۔ جس کی نیت نیک ہو اسے تلاوت قرآن پاک بالجہر کی طرح ذکر بالجہر افضل ہے۔ جیسے کہ ہم نے بیان کیا اور اگر وہ نفس پر ریاء کا خطرہ سمجھتا ہے تو اسے ذکر خفی اولیٰ ہے تاکہ ریاء کا شکار نہ ہو جائے۔

فیصلہ : بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اگر اکیلا ہو اور ہو بھی خواص سے تو اس کے لیے ذکر خفی اولیٰ ہے اور اگر عوام میں سے ہے تو اس کے لیے جہری اولیٰ ہے اور اگر مجتمع ہو کر ذکر کریں تو انہیں بہت بڑی قوت سے اور بالجہر ذکر کرنا چاہیئے اس لیے کہ اس طریقہ سے دل کے حجابات آسانی سے اٹھتے ہیں اور ثواب زیادہ ملتا ہے اس لیے کہ ایک خود اس کے ذکر کرنے کا ثواب دوسرا ساتھیوں کے ذکر کے سننے کا ثواب۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ	پھر تمہارے دل اس کے بعد پتھر اور اس سے بھی
كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً	شدید تر سخت ہو گئے ۱۲۔

نکتہ :

قلوب کو پتھر سے تشبیہ دینے میں اشارہ ہے کہ جس طرح پتھر کو جب تک پوری قوت لگا کر نہ توڑا جائے نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح دل پر بھی جب تک ذکر الٰہی کی ضرب نہ لگائی جائے رقیق نہیں ہو سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی قوت ذکر کے حلقے اور اجتماعی طور پر ضربیں لگانے سے پیدا ہو سکتی ہے یہ صورت اس لحاظ سے بہت اعلےٰ ہے کہ بندہ تنہا دل پر ذکر الٰہی کی ضربیں لگائے بالاخفاء ذکر کرے۔ حسین واعظ المعروف کاشفی نے فرمایا۔

گفتگوئے عاشقاں درکار رب	جوشش عشقست نہ ترک ادب
ہر کہ کرد از جام حق یک جرعہ نوش	نہ ادب ماند و او نہ عقل و ہوش

ترجمہ : (۱) عشاق کا حق تعالیٰ سے بے دھڑک بولنا عشق کا جوش ہوتا ہے نہ کہ بے ادبی۔

(۲) جس نے حق کے پیالہ سے ایک گھونٹ پی لیا اسے نہ ادب سے تعلق نہ عقل سے نہ ہوش سے۔

سبق : مقصود اصلی یہ ہے کہ سالک سے اختیار سلب ہو جائے اور توحید میں غلبۂ وجد میں ایسے مستغرق ہو کر پھر اس کے اپنے حرکات و سکنات اور ارادوں کو کسی قسم کا دخل نہ ہو اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کسی نے کہا ہے ؎

کار ناداں کو تہ اندیشیست
یاد کردن کسے کہ در ہشیست ،

ترجمہ : نادان کا کام کوتاہ اندیشی ہے یاد وہ کرے گا جو ہوش میں ہے ۔

اس لیے کہ جہر اور موحد کی حرکات وغیرہ اس کے مقام و حال کے لحاظ سے عنداللہ ممدوح ہیں ۔ اس لیے کہ وہ اپنے اختیار سے کرتا ہے ہاں جو اپنے اختیار اور بتکلف ایسے حرکات کا اظہار کرتا ہے تو ان سے مشائخ نے منع فرمایا ہے اور اپنی کتابوں میں اس کی مذمت فرمائی ہے ۔

سبق : سالک کو ضروری ہے کہ ادب اور ہر شعبے کے اطوار کا ہر طرح خیال رکھے اور لمحہ بھر بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ رہے ۔

تفسیر عالمانہ رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ ط اے ہمارے رب بیشک جسے تو نار میں داخل کرے تو اسے تو رسوا کرتا ہے ۔ یعنی وہ رسوائی کی انتہا کو پہنچتا ہے) اس کی نظیر وہ عبارت ہے جو اہل عرب بولتے ہیں۔ مَنْ اَدْرَکَ مرعی العمان فقد ادرک جو دوام کی چراگاہ پالیتا ہے تو وہ سب کچھ پالیتا ہے ۔ یعنی اسے ایسی چراگاہ مل جاتی ہے کہ پھر اسے کسی اور کی ضرورت نہیں رہتی ۔ اس سے مستعاذ منہ (جس سے ڈرایا گیا ہے) کی ہولناکی کا اظہار مطلوب ہے اور تنبیہہ ہے کہ اس وقت وہ لوگ سخت خوف میں ہوں گے اور اس بات کے طالب ہوں گے کہ کسی طریق سے اس سے بچ جائیں

مسئلہ :

اس سے معلوم ہوا کہ روحانی علاج بڑا ہیبت ناک ہوتا ہے وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (اور ظالمین کا کوئی مددگار نہیں) یہاں پر ظالمین سے جہنم میں داخل ہونے والے مراد ہیں ۔ یعنی ان کا کوئی مددگار اور حمایتی نہ ہوگا ۔ اس سے ان کا وہ حمایتی مراد ہے جو ان سے قہر الٰہی اور عذاب کا دفعیہ کر سکے ۔

مسئلہ :

اس سے شفاعت کی نفی نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ شفاعت سے عذاب اور قہر الٰہی کا دفعیہ بارگاہ حق میں عجز و انکسار اور سوال کے اظہار سے ہوگا ۔ علاوہ ازیں نصرت کی نفی شفاعت کی نفی کو مستلزم نہیں ۔

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اے رب ہمارے بیشک ہم نے ندا دینے والے کو سنا جو ندا دیتا تھا ۔

سوال : فعل کا ایقاع مسمع (سنانے والے سے) کیوں اور مسموع (جس کو ہم نے سنا) کو محذوف کیوں کیا گیا ۔

جواب : مسمع (یعنی منادیاً) کو چونکہ اس مسموع یعنی نداء (ینادی) سے موصوف کیا گیا ہے اس بنا پر مسموع کو

محذوف کیا گیا اور منادی سے مُراد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے کہ درحقیقت وہی ایمان کی طرف بلاتے اور اس کی دعوت دیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ اپنے رب کی طرف بلایئے ۱۲۔

اٰمِنُوْا (یہ کہ ایمان لاؤ) یہ اَنْ تفسیریہ ہو۔ اگر مصدریہ ہو تو عبارت ہو گی بِاَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ اپنے مالک اور اپنے جملہ امور کے کارساز اور کمالات تک پہنچانے والے ربّ پر ایمان لاؤ) فَاٰمَنَّا (پس ہم ایمان لائے) یعنی ہم نے اُس کے احکام کی فرمانبرداری قبول کی اور اُس کی ندا کا جواب دیا۔

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے۔ یعنی ہمارے کبیرہ گناہ بخش دے۔

سوال: فاغفر لنا میں فاء تعقیب کیوں۔

جواب: گناہوں کی بخشش سے پہلے ایمان لانا ضروری ہے اس لیے کہ پہلے ایمان کا حکم پھر فاء تعقیب کی لا کر گناہوں کے بخشنے کا سوال بتایا گیا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا اور ہمارے صغیرہ گناہ معاف فرما دے۔

مسئلہ: کبیرہ گناہ سے بچنے والے کے صغیرہ خود بخود معاف ہو جاتے ہیں۔ وَتَوَفَّنَا اور ہمیں فوت کر یعنی ہمارے ارواح قبض فرما مَعَ الْاَبْرَارِ (نیک لوگوں کے ساتھ یعنی کہ جن کی صحبت برکت اور جن کی رفاقت رحمت یعنی اُن کے زُمرہ سے بنا۔

ف: یہاں معیت سے معیت زمانی مُراد نہیں۔ کیونکہ وہ بالبداہتہ محال ہے۔ اس لیے کہ وفات یک وقت تو (عادتًا) نہیں ہوتی بلکہ بالتعاقب (یکے بعد دیگرے) ہوتی ہے بلکہ مُراد یہ ہے کہ ہمیں ابرار (نیک لوگوں) کے اوصاف سے موصوف فرما۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے مشتاق رہتے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مشتاق ہوا اس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

مسئلہ: جو شخص ایمان کے شعار پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ اسے اولیاء کرام کی رفاقت عطا کر کے بہشت سے نوازے گا۔

سبق: مبارکباد کے مستحق ہیں وہ حضرات جو حق سُن کر اُسے قبول کر کے اور اُس کی اتباع کرتے ہیں اور وہ بھی مبارکباد کا مستحق ہے جو ہر نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش میں رہتا ہے حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

نصیحت گوش کن جاناکہ از جان دوست تر دارند
جوانان سعادت مند پندِ پیرِ دانارا

ترجمہ: نصیحت کو اے پیارے دل میں جگہ دے اس لیے بوڑھے دانا کی نصیحت کو سعادتمند نوجوان جان سے بھی زیادہ پیارا سمجھتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

بگو آنچہ دانی سخن سودمند — دگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیماں بر آرد خروش — کہ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ: (۱) جو نفع بخش بات کہنا چاہتے ہو کہہ دو، اگرچہ کسی کو پسند آئے یا نہ۔
(۲) وہ کل قیامت کو شور کرے گا کہ میں نے کیوں حق کو قبول نہ کیا۔

حکایت: حضرت ابو عامر واعظ نے فرمایا کہ میں مسجد نبوی (علی صاحبہ السلام) میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک نوجوان تشریف لایا اور اس نے ایک خط مجھے دیا جس میں لکھا تھا۔ اے بھائی ابو عامر اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت بنائے مجھے آپ کی تشریف آوری سے خوشی ہوئی۔ آپ کی ملاقات کا مجھے بیحد شوق ہے (اگر زیارت کرا جائیں تو تیرے کرم) میں اس نوجوان کے ساتھ ہو لیا۔ ہم ایک ویران گھر میں پہنچے۔ جس کا دروازہ چھپڑیوں کا تھا۔ اس میں ایک بہت ضعیف العمر آدمی تھا وہ چلنے پھرنے سے عاجز تھا۔ قبلہ کی طرف منہ کرکے بیٹھا ہوا نہایت غمگین تھا۔ اُس پر خشیت ایزدی کے آثار تھے۔ رُو رُو کے آنکھیں دبے بیٹھا تھا۔ میں نے کہا "السلام علیکم۔ اُس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ اس نے مجھے فرمایا کہ اے ابو عامر مجھے تمہارے وعظ سننے کا بیحد شوق ہے اور میں چاہتا تھا کہ کبھی آپ کا وعظ سنوں میری ایک روحانی بیماری ایسی ہے کہ جس کے علاج سے تمام واعظین تنگ آگئے ہیں میں نے کہا کہ اے شیخ اپنی قلب کی آنکھ سے آسمان کے ملکوت کو دیکھئے اور اپنے ایمان کی حقیقت کے ساتھ جنت الماوی کی طرف منتقل ہو جائیے پھر دیکھئے وہی مراتب جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں (ولیوں) کے لیے تیار فرمائے ہیں اس کے بعد جلانے والی نارِ جہنم کو بھی دیکھئے۔ جو اللہ تعالیٰ نے بدبختوں کے لیے تیار فرمائی ہے۔ ان دونوں منزلوں کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے اور یہ دونوں گروہ مراتب سے لحاظ سے برابر نہیں ہو سکتے۔ جب اس بوڑھے نے میرا وعظ سنا تو چیخا اور بہت سخت رو دیا۔ اور کہا واللہ آپ کے روحانی وعظ نے میری بیماری کو فائدہ پہنچایا ہے فلہٰذا اور فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ پھر میں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر راز سے آگاہ ہے اگرچہ لاکھوں پردوں میں چھپ کے کوئی فعل سرزد ہو گا تب بھی وہ اس سے مطلع ہو جائے گا۔ پھر تیرے ظاہر سے بھی اسے بے خبری نہیں بوڑھے نے جب میری یہی بات سنی تو پھر چیخا اور پہلے سے بھی بہت زیادہ رو دیا

اور روتے روتے زمین پر گرا تو اس کی رُوح پرواز کر چکی تھی۔ اس کے بعد اس کے جھونپڑے سے ایک نوجوان لڑکی نکلی جو برقع اوڑھے ہوئے تھی۔ اور اس کا صوفیانہ اُونی لباس تھا۔ اس سے عبادت کے آثار ٹپکتے تھے اور یہ کہنے لگی۔ برکت ہو تیرے قول میں کہ تم عارفین کے قلوب کے معالج ہو۔ یاد رہے کہ یہ بابا بوڑھا میرا والد ہے اور وہ رُوحانی بیماری میں بیس سال سے بیمار تھا اور اس تمنا میں تھا کہ کسی طریق سے وہ ابُو عامر کا وعظ سُن کر اپنا مردہ دل زندہ کرے اور دل پر چھائی ہوئی غفلت دُور ہو۔ اس بابا سے میں نے دوبارہ سُنا کہ وہ کہہ رہا تھا۔ کہ تو نے مجھے مار ڈالا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بہتر جزا عطا فرمائے۔ پھر وہ نوجوان لڑکی اپنے باپ پر ٹوٹ پڑی اور اس کے چہرے پر بوسہ دے کر رونے لگی۔ میں نے اُسے کہا اے رونے والی کیوں روتی ہے تیرے باپ کا قصہ تمام ہوا۔ وہ فانی دنیا سے کوچ کر کے دار البقا میں پہنچ گئے اگر اُس کے پاس نیکی کی پونجی ہے تو انہیں مبارک اگر برائیوں سے ملوث تھا تو اسے سزا ملے گی۔ یہ سُن کر لڑکی بھی چیخ مار کر مر گئی۔ میں ان دونوں کی موت سے سخت غمگین ہوا۔ پھر میں نے اُن دونوں کو خواب میں دیکھا کہ بہشت کے بہترین اور اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور ان دونوں پر سبز رنگ کی پوشاکیں ہیں۔ میں نے بوڑھے بابا سے پُوچھا کہ کیا حال ہے تو اس نے یہ اشعار پڑھے ؎

انت شریکی فی الذی ملته   فقم وشاهد یا اباعامر

وکل من ایقظ ذا غفلته   فنصف ما یعطاه الامر

ترجمہ: (۱) اے ابو عامر جو مراتب ملے ہیں اُس میں تو بھی میرا شریک ہے ذرا آگے بڑھ کر خود آنکھوں سے ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) کیونکہ شریعت کا فیصلہ ہے کہ جو شخص جس غافل کی غفلت دور کرے تو آدھا حصہ ثواب کا اُس نصیحت کرنے والے کو نصیب ہوتا ہے۔

اُس کے بعد کہا کہ میں جب اپنے رب کریم کے حضور میں حاضر ہوا تو وہ مجھ سے راضی تھا۔ اور اُس نے مجھے اپنے فضل وکرم سے بہشت میں جگہ دی اور بہت بڑی حسین وجمیل حور عطا فرمائی۔ پس اے عامر تم اپنے رب غفور کی بارگاہ سے استغفار کیجیو اور شب و روز اور صبح و شام طلب مغفرت کے ساتھ اخیار وابرار کی عادتوں کے حصول کی دعائیں مانگیے۔

سبق: جو اچھی بات سے نصیحت حاصل کرتا ہے تو سمجھو کہ وہ منادیٔ حق پر ایمان لاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے عبد مقدس نے فرمایا ویسے ہی عمل کرتا ہے تو وہ جہنم سے نجات پا گیا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کے جناب سے مغفرت و رحمت نصیب ہوگی۔

حکایت: ایک لوہار گرم لوہے کو ہاتھ میں رکھ لیتا تھا۔ لیکن ہاتھ نہ جلتا تھا۔ اس سے اس کا سبب پوچھا گیا تو اُس

نے کہا کہ میں ایک عورت پر عاشق تھا اسے میں نے اپنی طرف خوب راغب کیا۔ لیکن وہ نہ مانی۔ اگرچہ میں نے مال کی بھی لالچ دی۔ لیکن اس نے یوں انکار کر کے ٹال دیا کہ میرا شوہر موجود ہے اور مجھے ہر طرح کی سہولت پہنچاتا ہے مجھے کسی قسم کی ضرورت نہیں۔ اُس کے بعد میں نے سُنا کہ اس کا شوہر فوت ہو گیا ہے تو پھر میں نے اسے نکاح کا کہا پھر بھی اُس نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں دوسرا شوہر کر کے اپنی اولاد کو ذلیل کرنا نہیں چاہتی اس کے بعد ایک عرصہ اسے تنگدستی نے تنگ کیا تو اُس نے مجھے کہلوا بھیجا کہ بطور قرض دیجئے۔ میں نے کہا جب تک تو میرا کام نہیں کرے گی میں تجھے کچھ نہیں دے سکتا۔ جب اس کے ساتھ اس معاہدہ کے طور پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی کانپنے لگی۔ میں نے پوچھا کیوں۔ کہنے لگی مجھے اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر سے ڈر لگتا ہے۔ میں نے اسے چھوڑ دیا تو اس سے یہ دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ تجھے آگ سے بچائے۔ اس دنت سے مجھے دنیا کی آگ نہیں جلاتی اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ مجھے جہنم کی آگ بھی نہیں جلائے گی۔

گناہوں سے بچنے کا نسخہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور یاد کرے کہ ایک دن میں نے اس کے ہاں حاضر ہونا ہے تو اُس سے گناہ صادر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ گناہوں پر جُرات کر سکتا ہے۔ پھر وہ جہنم سے نجات پا کر بہشت کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے نوازا جائے گا۔

وظیفہ حل مشکلات حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کثرت سے استغفار اور اس پر مداومت کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے ہر غم سے نجات دے گا۔ اور اسے ہر تنگی سے چھٹکارا نصیب ہو گا اور رزق میں وُسعت ہو گی اور غیب سے اسی طرح سامان میسر ہوں گے کہ اسے معلوم تک بھی نہ ہو گا۔

دُعا مانگنے کے فوائد دُعا عبادت کا مغز ہے اور اس کا دنیوی نفع یہ ہے کہ آفات دفع ہوں گی۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ذریعے بہترین ہدایا عطا فرمائے گا۔ اور حکم ہو گا۔ کہ یہ ہدایا تیری اس دُعا کا بدلہ ہے جو تُو نے دُنیا میں مانگی تھی ؎

از آستانِ حضرت حق سر چرا کشم
دولت دریں سرا و کشائش دریں درست

ترجمہ: درگاہ حق سے سر کیسے پھیروں جب کہ دولت یہاں ہے اور وہ حاصل بھی یہاں سے ہوتی ہے

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

ہرکہ تو خواہد گو بیا و ہر چہ خواہد گو بگو
کبر و ناز و صاحب و دریں درگا نیست

ترجمہ: جو چاہے کہہ اور تو پھر کہہ نہ کہہ یہ درگاہ ایسی ہے کہ یہاں کبر و ناز نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری امیدیں برلائے اور دعائیں قبول فرمائے۔ اور وہی دے جو ہمارے لیے اس میں دُنیا و آخرت کی خیر و بھلائی ہو رَبَّنَا وَ اٰتِنَا اے ہمارے رب ہمیں عطا فرما مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ جو تو نے ہمارے ساتھ اپنے پیغمبران عظام علیہم السلام کے واسطہ سے وعدہ فرمایا۔ یعنی اُن کی تصدیق کرنے پر یا اُن کی زبانوں سے ثواب و کرامت کا وعدہ فرمایا وَلَا تُخْزِنَا اور ہمیں رُسوا نہ کرنا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قیامت میں اس کے نقاضوں سے بچانا اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

المیعاد۔ وَعْدٌ کا اسم مصدر ہے۔

سوال: اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خلافِ وعدہ کا امکان ہے۔

جواب: خلاف وعدہ کے امکان کی بات نہیں بلکہ یہ اس بنا پر ہے کہ انہیں اپنا خوف ہے کہ کہیں ہم اس کے نااہل نہ ہوں۔ اور ہمارا بُرا خاتمہ خراب نہ ہو یہ اُن کی تضرع و عاجزی کی دلیل ہے۔

ف: دُعا سے مقصد یہ ہے کہ بندے اپنی ثابت قدمی کی طلب اور تعبد و خشوع کا اظہار کریں۔

ف: وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ "وَبَدَا لَهُمْ[1] مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ" کے موافق ہے۔

ف: کبھی انسان گمان میں ہوتا ہے کہ میں اپنے عقائد میں برحق اور میرے اعمال صالحہ ہیں لیکن جب قیامت میں حاضر ہوگا تو معاملہ برعکس ہوگا کہ اس نے گمراہ ہو کر زندگی گزاری اور اس کے تمام اعمال گناہ تھے۔ جس کی وجہ سے اسے بہت بڑی خجالت اور شرمساری ہوگی۔ اور افسوس کے ہاتھ ملے گا۔ یہ عذاب روحانی کہلاتا ہے۔ یہ عذاب جسمانی سے سخت تر ہوگا۔

ف: آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی حکایت فرمائی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پانچ دعائیں مانگی ہیں۔ جن کا تمام جسمانی سے احتراز ہے فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اس پر دال ہے اور اس کا آخر عذاب روحانی سے نجات پر دلالت کرتا ہے اسی لیے فرمایا گیا ہے۔ جدائی نار کے جلانے سے سخت تر ہے۔ حضرت مولانا جلال الدین رُومی قدس سرہ نے فرمایا ہے ؎

---

[1] اور انہیں ظاہر ہوگا جس کا وہ گمان تک نہ کرتے تھے ۱۲۔

جو دوراں و ہراں رنجے ہست
سہلتر از بُعدِ حق و غفلتست!

ترجمہ: زمانے کا ظلم و ستم اور دکھ درد جو کچھ بھی ہے غفلت اور حق کی دوری سے درجہا بہتر ہے۔

گرجہاد وصوم سختست و خشن
لیک ایں بہتر زبُعد ممتحن

ترجمہ: اگرچہ جہاد اور روزہ بظاہر سخت اور مشکل ہیں لیکن کریم کے بُعد سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔

سبق: مومن کو چاہیئے کہ طاعات میں سرگرم رہے تاکہ اُسے ان لوگوں میں شمولیت نصیب ہو جنہیں اللہ تعالےٰ نے کرامات سے نوازا ہے۔

حدیث شریف: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں بہشت کے دریچوں کا حال سناؤں۔ ہم نے عرض کی سنائیے آپ نے فرمایا بہشت میں ایسے دریچے ہیں کہ جن کا اندر باہر سے اور باہر اندر سے نظر آتا ہے اور اُن کے اندر ایسی نعمتیں اور لذتیں ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سُنا ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کن لوگوں کو نصیب ہوں گے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ اس کے لیے ہوں گے جو اسلام علیکم کی سنت پر عمل کرتا ہے اور بھوکوں کو طعام کھلاتا ہے اور روزں پر مداومت کرتا ہے اور رات کو نماز پڑھتا ہے۔ جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔

حکمت کی باتیں حضرت ابُوبکر وراق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے چار چیزوں کو طلب کیا تو انہیں چار چیزوں میں پایا۔

① اللہ تعالیٰ کی رضا کو اس کی اطاعت میں۔
② رزق کی وسعت کو اشراق کے نوافل میں۔
③ دین کی سلامتی زبان کی حفاظت میں۔
④ قبر کی روشنی رات کی نماز میں۔

حدیث شریف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہشت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والا وہ ہوگا جو کبھی چلتا ہوگا کبھی گرتا ہوگا۔ کبھی اسے جہنم کی آگ گھیرے گی بالآخر اس طرح سے جہنم کو پار کر جائے گا۔ تو پھر پیچھے مڑ کر جہنم کو دیکھ کر کہے گا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے مجھے جہنم سے نجات عطا فرمائی اور مجھے وہ نعمت ملی جو اگلے پچھلے لوگوں میں سے کسی کو نہ ملی ہو گی اس کے بعد اس کے سامنے ایک گھنہ دار اور بڑے سایہ والا درخت نمودار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ الٰہ العلمین یہی درخت

میرے قریب کردے۔ پھر اور کوئی سوال نہ کروں گا ۔ اللہ تعالیٰ وہی درخت اس کے قریب ہوگا اس کے بعد اس سے بھی اور لمبا درخت ظاہر ہوگا جو پہلے سے بھی زیادہ طویل ہوگا ۔ عرض کرے گا یا الٰہ العٰلمین یہ بھی میرے قریب کر دے ۔ وہی درخت اس کے قریب ہوگا ۔ جب اس کے قریب ہو جائیں گا تو بہشتوں کی آواز سُنے گا عرض کرے گا یا رب العٰلمین اگر مجھے ان کے ہاں پہنچادے تو پھر اس کے بعد کوئی سوال نہ کروں گا ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم زادے کیسا دھوکے باز ہے کہ وعدہ کرکے پھر جاتا ہے ۔ اے ابن آدم ! کیا تجھے منظور ہے اگر میں تجھے دُنیا اور اس کے مثل اور عطا کروں ۔ عرض کرے گا یا اللہ تو میرے سے ہنسی کرتا ہے یہ تیرے لائق نہیں تو رب العٰلمین ہو کر ایسی بات فرماتا ہے ۔ یہ حدیث بیان کرکے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ہنس پڑے ۔ لوگوں نے پوچھا ۔ اے ابنِ مسعود آپ ہنستے کیوں ہیں انہوں نے فرمایا یہی واقعہ حضور علیہ السلام بیان کرکے ہنسے تھے ۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی کیوں ہنسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (اپنے شان کے لائق) اس کی بات سے ہنسا اور اس بندے سے فرمائے گا میں ہنسی مذاق نہیں کرتا ۔ بلکہ میں قادر ہوں جیسے چاہوں کر سکتا ہوں (یعنی تجھے اتنا بہت نعمت عطا کر دوں تو میرے لائق ہے ۔

حکایت : حضرت مَعرُوف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کے والدین اور اُستاد نصرانی تھے وہ آپ کو کہتے کہو معروف و ثالث ثلاثہ، یعنی حضرت عیسیٰ تیسرا خدا ہے ۔ حضرت معروف کہتے ۔ اللّٰہ الصمد ۔ اس پر ان کو استاد خوب مارتا ۔ ایک دن حضرت معروف استاد کی مار سے بھاگ نکلے ۔ ماں باپ کو بیٹے سے محبت تھی کہا کہ بیٹا واپس آجائے جو دین وہ لائے گا ہمیں قبول ہے ۔ معروف کرخی دینِ اسلام قبول کرکے واپس ہوئے تو آپ کے والدین بھی مسلمان ہوگئے ۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہم کلامی کا براہ راست شرف بخشے گا ۔ پھر وہ بندہ اپنے دائیں دیکھے گا تو اسے وہی نظر آئے گا جو اُس نے عمل کیا ۔ اسی طرح بائیں جانب دیکھے گا تو بھی پھر فرمایا (صلی اللہ علیہ وسلم) جو بھی طاقت رکھتا ہے وہ جہنم سے بچنے کی کوشش کرے ۔ اگرچہ کھجور کے ایک چھلکے سے ہی (یعنی اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرے اور نیک عمل کرے)

حکایت : ایک کافر بڑھیا کی عادت تھی کہ موسم سرما میں پرندوں کو دانے چُگاتی ۔ اسے حضرت ذُوالنُونِ مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دشمن دین سے کوئی نیکی قبول نہیں کرتا ۔ پھر اُسے چند رُوز کے بعد دیکھا کہ وہ کعبہ معظمہ میں تھی اور اسلام قبول کر چکی تھی ۔ اُس کافرہ نے حضرت ذُوالنُون رحمۃ کو دیکھ کر کہا کہ جو کچھ تو نے دیکھا تھا اُس کے عوض اللہ تعالیٰ نے مجھے دولتِ اسلام سے نوازا ہے ۔

بے کرم آدمی نہ از بشر است — از شجر بلکہ از حجر بتر است
شجرے کہ نہ دہد ثمرے — معتبر نیست لائق تبر است

ترجمہ: (۱) جود و سخا کے بغیر انسان آدمی زادہ نہیں وہ درخت بلکہ پتھر سے بدتر ہے۔
(۲) وہ درخت جو پھل نہ دے وہ بے قدر ہے بلکہ وہ کاٹنے کے لائق ہے۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم سے نجات اور سخیوں اور نیک لوگوں کے ساتھ بہشت عطا فرمائے۔

تفسیر عالمانہ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ ۔ پس قبول کیا اُن کے رَب نے یعنی اُن کی طلب کے مطابق انہیں اُن کا مطلوب عطا فرمایا۔

اجابت و استجابت میں فرق استجابت اجابت سے اخص ہے اس لیے کہ اجاب بمعنے اعطاء الجواب ہے یعنی اس کے سوال کا جواب عطا فرمایا۔ اور یہ بھی مطلوب عطا کرنے پر ہوتا ہے اور کبھی اس کے بغیر اور استجاب اس وقت ہوتا ہے جب کسی کو مطلوب عطا کر دیا جائے اور یہ متعدی ہوتا ہے۔ بلا واسطہ بھی اور لام کے ذریعہ سے بھی اَنِّیْ بیشک ہیں۔ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ عمل سے یہاں وہی مراد ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے یعنی اُن کا ذکر ہر حال میں مواظبت اور بطور استدلال یا بطور اعتبار اس کی مصنوعات پر تفکر اور اُس کی ربوبیت کا اعتراف کر کے اس کی تعریف کرنا اور خلق باطل سے اسے منزہ جاننا اور دعاؤں میں مشغول ہونا ان اعمال کو دُعا کی قبولیت کے سبب بنانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دُعا کی قبولیت کے لیے ان اعمال کی تقدیم شرط ہے۔

ولی اللہ کی شان اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب یہ اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی شان رکھتے ہیں تو جس سے یہ اعمال صادر ہوتے ہیں۔ تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ذو عزت اور مستجاب الدعوہ ہے مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت۔ یہ مِنْ بیانیہ ہے جو عامل کے بیان کے لیے واقع ہوا ہے یا اُس کے عموم کے لیے تاکید واقع ہوا ہے کیونکہ عاملٌ عام ہے۔

مسئلہ: آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ اجابت فی الدعا اور ثواب میں مرد و عورت میں کسی قسم کا فرق نہیں۔ یعنی تمسکہما بالطاعۃ علی التوجہ اور الفضل فی باب الدین باعمال میں برابر ہیں۔ نہ باقی صفات میں۔ اس لیے کہ مرد عورت سے افضل ہوتے ہیں نیز بعض نسباً خسیس ہوتے ہیں۔ ان سے شریف افضل ہوتے ہیں لیکن یہ بات کسی قسم کا اثر نہیں ڈالتی بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ بعض تمہارے بعض سے ہیں۔ اس لیے کہ بعض مرد عورت سے اور عورت مرد سے اچھے ہوتے ہیں۔

ف: حضرت امام رازی فرماتے ہیں کہ لفظ مِنْ میں کئی وجوہ ہو سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ مِنْ بمعنے کاف ہے

یعنی بعض تمہارے طاعت پر ثواب کے لحاظ سے اور معصیت پر سزا کے لحاظ سے بعض کی طرح ہیں ۔

ف : حضرت قفال نے فرمایا کہ اس کی نظیر وہ ہے جو اہل عرب کہتے ہیں ۔ فلان منی یعنی فلاں میرے خلق اور میری سیرت پر ہے[1] اور یہ جملہ معترضہ ہے ۔

مسئلہ : آیت میں بیان فرمایا گیا ہے عمل کرنے والے مرد ہوں یا عورت عمل کے ثواب میں برابر کے شریک ہیں ۔

شانِ نزول بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ " یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم " ہجرت کے متعلق قرآنِ پاک میں مردوں کا ذکر تو ہے لیکن عورتوں کا نام نہیں لیا گیا ۔ اس کی وجہ کیا ہے ۔ اس پر آیت اتری إِنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ الخ یعنی جیسے بعض تمہارے بعض سے ہیں ۔ ایسے ہی ثواب عمل میں تم برابر ہو کہ عورت کو نیک عمل کا وہی ثواب ملے گا جو مرد کو نصیب ہونا ہے ایسے ہی بالعکس ۔ ایسے نہیں کہ میں (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) بعض کو ثواب دوں اور بعض کو محروم کر دوں ۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا ۔ وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اس میں عمل کرنیوالوں کی تفصیل ہے اور بتایا جاتا ہے کہ ان کے نیک اعمال پر ان کیلئے کتنا ثواب تیار ہے اور پھر ان کے ثواب پر ان کی مدح اور ان کی عظمت بتائی گئی ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بہی احسن واعلیٰ اعمال کئے ہیں ۔

ف : ہجرت ابتدائی وطن کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف جانا یعنی دار الفتنہ کو چھوڑ ہو کر دار الاسلام میں جانا ۔

وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ اور وہ لوگ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ۔ یعنی وہ جہاں پیدا ہوئے اور پرورش پائی کفار کی ایذاء سے مجبوراً نکالے گئے ۔

ف : حضرت امام نے فرمایا کہ ۔

الَّذِينَ هَاجَرُوا سے وہ مراد ہیں جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے اپنے اصلی وطن کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلے گئے اور الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وہ جنہیں کفار نے مکہ معظمہ کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا ۔ اس میں شک نہیں کہ رتبہ کے لحاظ سے پہلے دوسروں سے افضل ہیں ۔ اس لیے کہ ان حضرات نے صرف حضور علیہ السلام کی خدمت اور ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اپنے اختیار سے ہجرت کی وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي اور وہ میرے راستہ میں ایذاء دیئے گئے یعنی سبیل حق اور دین میں اللہ تعالےٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے ایذاء دیئے گئے

ف : اہل اسلام کو جتنی مشرکین عرب نے اذیتیں پہنچائیں یہ سب کو شامل ہے وَقَاتَلُوا اور اللہ تعالیٰ کے

---

[1] الحسین منی وانا من الحسین ۔

راستہ میں کفار سے جنگ کی وَقُتِلُوْا ۔ اور جنگ میں شہید ہوئے لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ہم اُن کے گناہ معاف کر دیں گے یہاں قسم محذوف ہے یعنی وَ اللّٰہِ لَاُكَفِّرَنَّ الخ یعنی بخدا ہم اُن کے تمام گناہ مٹا دیں گے۔ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا اور ہم انہیں ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

ثواب و عطا میں فرق ثواب اُس کو کہتے ہیں جو نیک عمل کے اجر میں دی جائے اور عطاء اُسے کہا جاتا ہے جو بلا عوض کسی کو عنایت کی جائے۔

ف: کبھی ثواب کو بمنزلہ مصدر کے قائم مقام رکھا جاتا ہے۔

ترکیب: یہاں پر ثواب مصدر مؤکد (مفعول مطلق) واقع ہوا ہے بمعنے اثابةً اس لیے کہ تکفیر سیات وادخال جنت کا دوسرا نام اثابةً ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم انہیں نیک اعمال کی وجہ سے بہت بڑا ثواب عطا فرمائیں گے۔

مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ط اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ثواب کی صفت ہے اور من عند اللہ کا عنقہ کے متعلق ہے ثواب کو من عند اللہ سے موصوف کر کے اس کی عظمت کا اظہار مطلوب ہے۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ ہر وہ بادشاہ جو عظیم شان رکھتا ہو اگر وہ کسی نوکر سے کہے کہ میں تجھے اپنی طرف سے خلعت عطا فرماؤں گا تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ بادشاہ اپنے نوکر کو عظیم الشان خلعت عطا فرمانے والا ہے پھر اس ثواب کی عظمت کو مزید یوں مؤکد فرمایا کہ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین اجر و ثواب ہے۔ یعنی طاعات پر بہترین جزاء عطا فرماتا ہے اور وہ اس پر قادر بھی ہے۔ اس سے بہشت کی نعمتیں مراد ہیں جو دائم البقاء ہیں نہ کہ دُنیا کی نعمتیں جو کہ فنا ہونے والی ہیں سے

نعیم آخرت باقیست اے دل
خنک آنکس کہ باشد عبد مقبل

ترجمہ: آخرت کی نعمتیں اے دل باقی ہیں۔ وہ آدمی بڑا خوش قسمت ہے جو اپنے مالک کی طرف رجوع رکھتا ہے۔

مسئلہ مخفی مباد! کہ یہ بہت بڑا اجر و ثواب انہیں نصیب ہوگا۔ جو ان ہر تینوں یعنی مہاجرت اور وطن سے بے وطن اور کفار مشرکین سے اللہ تعالیٰ کے راہ میں ایذاء اور کفار کو مارنے اور شہید ہو جانے کا جامع ہو۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ وطن نفس اور بُرے اعمال اور گندے اخلاق سے دوری بلکہ طبیعت کے عالم سے نکل کر حقیقت کے ملک میں سکونت اختیار کرے تاکہ اسے مقام عندیہ خاصہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہو۔ اس لیے کہ مجاہدات کے ثمرات مشاہدات ہیں اور عمل صالح سے نیک خاتمہ نصیب ہوتا ہے۔

حکایت: مروی ہے کہ حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبادت (خصوصاً شب خیزی) میں بہت جد وجہد فرماتے چنانچہ سردیوں میں مکان کی چھت پر چڑھ کر عبادت میں مصروف رہتے تاکہ نفس کو سزا ملے اور گرمیوں میں گھر کے اندر چھپ کر تاکہ سخت سے سخت گرمی سے نفس کی سرکوبی ہو۔ اور مرتے دم تک اُن کی یہی عادت رہی اور سجدے میں تھے کہ رُوح پرواز کر گئی اور اس حالت میں اپنے مالک سے جا ملے اور بہشت میں جا کر سانس لیا۔

سبق: اسے کہتے ہیں حقیقی جد وجہد۔

نفس کی سرکوبی

اگر عبادت کی مشقت سے کسی کا نفس اعراض کرے تو اسے اسلاف کے حالات سامنے رکھنے چاہیئے اور نفس کو بتلائے کہ بزرگوں نے اس میں کتنے دُکھ اٹھائے۔ اے نفس تو کون لگتا ہے کہ عبادت سے منہ موڑتا ہے۔ پھر اُسے ایسے نیک لوگوں کے واقعات وحکایات سنائے تاکہ وہ طاعت اور عبادت کی جد وجہد میں سرِ تسلیم خم کرے اس لیے کہ اس میں بہت بڑے منافع بھی ہیں۔ اور نفس کو تابع کرنے میں اثر بھی ہوتا ہے حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے

ہجوم نفس و ہوا سپاہ شیطانند	چو زور بر دلِ مردِ خدا پرست آرد
بجز جنود حکایات رہنمایا خود	چہ تاب آنکہ براں رہبر شکست آرد

ترجمہ: نفس و خواہشات شیطان کی فوج ہے جب ان کا خدا پرست بندے پر حملہ ہوتا ہے تو سوائے حکایات کے لشکر کے یا رہبر کے کسی کو طاقت نہیں کہ انہیں شکست دے سکے۔

نفس امارہ کا سوال اور جواب

اگر نفس سرکش سوال کرے کہ وہ حضرت تو بہت بڑے صاحبِ قوت تھے۔ اخلاف کو اسلاف سے کیا نسبت کہ ان کی طرح اتنا بہت جد وجہد کر سکیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفس کو سمجھائے کہ عورتیں بھی اس طرح کی جانگدازی و دلسوزی کر گئیں کیا وہ ضعیف البنیان نہ تھیں لیکن مجاہدات وعبادات سے اسلاف کے نقشِ قدم پر چل گئیں۔ یہاں تک کہ اہل اللہ مردوں جیسے انہیں مراتب بھی نصیب ہوئے کسی بزرگ نے فرمایا ہے

وَلَوْكَانَ النِّسَآءُ كَمَنْ ذَكَرْنَا	بفضلت النساء على الرجال
فلا التأنيث لاسم الشمس عيب	ولا التذكير فخر للهلال !

ترجمہ: (۱) اگر عورتیں ایسی ہوں جیسے ہم نے بیان کیا تو پھر ایسی عورتوں کو (بعض) (مردوں) پر فضیلت ہے
(۲) اس لیے کہ تانیث شمس (سورج) کے لیے نہیں اور نہ ہی تذکیر ہلال (چاند) کے لیے موجب فخر ہے۔
حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

زنانے کہ طاعت برغبت برند — زمردان نا پارسا بگذاند
ترا شرم ناید ز مردیٔ خویش — کہ نشد زنانرا قبول از تو بیش،

ترجمہ:[1] وہ عورتیں جو رغبت سے عبادت کرتی ہیں نالائق مرد سے بازی لے جاتی ہیں
(۲) تجھے اپنے مرد ہونے سے شرم کرنی چاہیئے کہ عورتوں کو بارگاہ حق میں قبولیت نصیب ہوئی (اور تو محروم)

سبق: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس قوم پر بڑا تعجب ہے کہ آخرت کے زادِ راہ سے انہیں آخرت کے لیے بار بار تیاری کا اعلان ہوتا ہے۔ پہلے لوگوں کو پیچھے آنے والوں کے لیے روانہ کیا گیا تاکہ یہ اُن سے عبرت حاصل کریں لیکن انہوں نے لہو و لعب میں زندگی برباد کر دی۔

حکایت نمبر[1]: ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب اُن کے ہاں حضرت ملک الموت تشریف لائے تو کہا۔ تشریف لائیے حضرت! میں تو آپ کا ساٹھ سال سے انتظار کر رہا ہوں

حکایت نمبر[2]: حضرت عبداللہ بن مبارک پر جب سکرات طاری ہوئی تو آنکھ کھول کر ہنستے ہوا پڑھا لمثل ھذا فلیعمل العاملون اس کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیئے۔

روحانی نسخے کسی بزرگ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہے کہ اُسے بہشت نصیب ہو۔ تو اُسے پانچ باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے بلکہ اُن پر مداومت رکھے۔

① نفس کو معاصی سے روکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوٰی
② دُنیا میں تھوڑی سی پونچی پر راضی ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جنت کی قیمت طاعت الٰہی اور ترک دُنیا ہے۔
③ ہر طاعت کو بجا لانے کا حرص رکھے اور بجا لانے کی عادت بنائے اس لیے کہ نا معلوم کس طاعت سے مغفرت اور بہشت میں داخل ہونا نصیب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔[2] وتلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون۔
④ اولیاء کرام و اہل خیر سے محبت کرے بلکہ ہر وقت اُن کی صحبت و رفاقت میں رہنے کی جدوجہد کرے۔ اس لیے کہ جب بھی کسی نیک بخت کو بخشا جائے گا تو وہ اپنے ساتھی کی شفاعت کر کے اسے بہشت میں ساتھ لے جائے گا۔

لہ نفس کو خواہش سے روکا تو اس کا ٹھکانا بہشت ہے۔
لہ وہ جنت جس کے تم وارث ہو وہ عمل کی وجہ سے۔

⑤ دُعاؤں میں اکثر اوقات مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت یہی سوال کرے کہ بہشت نصیب ہو اور خاتمہ ایمان پر ہو۔
سبق: خلاصہ یہ ہے کہ عاقل کو چاہیئے کہ وہ آخرت کی تیاری میں لگا رہے۔ تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب میں کمی نہ کرے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ تاویلات میں لکھتے ہیں عمل عامل منکم من ذکر۔ یہاں پر ذکر سے قلب مراد ہے یعنی وہ عمل کرے جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے اخلاص و یقین و مکاشفہ۔ اَوْ اُنْثٰی یہاں انثٰی سے نفس مراد ہے۔ یعنی وہ عمل کرے جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے طاعات و مجاہدات و ریاضات بعضکم من بعض یعنی تمہیں ایک اصل اور ایک حقیقت جمع کرے گی۔ یعنی رُوح۔ یعنی تمہارا بعض دوسرے بعض کا اصل و منشاء ہے ایسے نہیں کہ تمہارے بعض کو ثواب سے نوازوں اور دوسرے کو محروم کر دُوں فالذین ھاجروا سے وہ مراد ہیں جو نفس کے اوطان کو یک لخت سہ طلاق دے چکے ہیں وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ سے وہ مراد ہیں جو نفس کے صفات سے فارغ ہو چکے ہیں ھَاجَرُوْا سے وہ لوگ مراد ہیں جو نفس کے اُن احوال سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ جو نفس کو لذتوں پر ابھاتی ہیں وَاُخْرِجُوْا اور وہ اپنے ان معاملات سے فارغ ہو چکے ہیں جن سے وہ سکون پاتے تھے وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وہ لوگ جو میرے راستہ میں ایذاء دیئے گئے۔ یعنی میرے افعال میں چلنے پر قسم و قسم کی آزمائشوں اور محنتوں اور تکلیفوں فتنوں سے گزرتے ہیں تا کہ صبر سے اُن کی آزمائش کی جا سکے اور توکل کے ذریعے کامیابی حاصل کر سکیں یا وہ لوگ جو میرے صفات کے راستہ میں تجلیات جلال و عظمت و کبریائی کے سطوات میں ایذاء دیئے گئے تا کہ وہ مقام تک پہنچ سکیں وَقٰتَلُوْا اور وہ میری محبت میں بالکلیہ فنا ہو جائیں لَاُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ تا کہ میں ان کے وہ صغائر معاف کر دوں جو ان کے افعال و صفات سے سرزد ہوئے اور اُن کے وہ کبائر جو اُن کی ذوات میں باقی رہ کر ملوث ہوتے ہیں فَلَاُدْخِلَنَّھُمْ بس انہیں تینوں کو بہشت میں داخل کروں گا۔ ثَوَابًا یعنی یہ اجر انہیں ان تینوں وجودوں مذکورہ سے چھیننے کے عوض نصیب ہوگا وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الثَّوَابِ اور یہ ثواب مطلق صرف اس کے پاس ہے ثواب مطلق سے وہ ثواب مراد ہے کہ اس کے سوا کسی دوسری شئے کو ثواب بھی نہ کہا جا سکے۔ اس لیے واللّٰہ فرمایا کہ یہ اسم ذات ہے جو جامع لجمیع الصفات ہے۔ یہاں پر اپنے دوسرے اسم مثلاً رحمٰن و رحیم و دیگر اسماء کو اسم اللہ کے عوض بیان نہیں فرمایا۔

تفسیر عالمانہ (لَا یَغُرَّنَّکَ) تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے۔ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے۔

مسئلہ: نہی عصمت کے منافی نہیں بلکہ اس کے عین مناسب ہے اس لیے کہ اگر صاحب عصمت نہی کے لائق نہیں تو پھر صاحب عصمت کیسا۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ صاحب عصمت جس حال پہ ہیں اسی پہ ثابت قدم

رہیں اور دُنیائے دَنی سے بے نیاز ہو جائیں اور یا آپ کو خطاب کر کے آپ کی امت مراد لی گئی ہے ۔ جیسے عام دستور ہے کہ خطاب تو قوم کے سردار اور اُن کے سرخیل کو ہوتا ہے لیکن اس سے سارے کے سارے مُراد ہوتے ہیں گویا یوں کہا گیا ہے لَا يَغُرَّنَّكُمْ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ چلنا پھرنا ان کا شہروں میں جنہوں نے کفر کیا مخاطب کی نہی کا اصلی مقصد یہی جملہ ہے ۔

سوال: تقلیب کے بجائے تقلب کیوں مستعمل ہوا ۔

جواب : سبب کو بمنزلہ مسبب کے قرار دیا گیا ہے تاکہ مخاطب دہوکہ نہ کھا جائے ۔ اس سے مبالغہ مطلوب ہے ۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ اے مخاطب تم آنکھیں اٹھا کر بلکہ جھانک کر بھی نہ دیکھو ۔ یعنی اُن کے رزق کی وسعت اور اُن کا حظوظ دنیا پر کامیاب ہونا اور نہ ہی اُن کے ظاہری حال کو دیکھ کر دہوکا کھاؤ کہ وہ زمین پر بہتر کاروبار چلا رہے ہیں اور شہروں میں اُن کے کاروبار کھلے ہوئے ہیں ۔ کہ مختلف معاملات اور تجارتی امُور میں منہمک اور بڑے ٹھاٹھ سے زندگی بسر کر رہے ہیں ۔

شانِ نزُول مروی ہے کہ بعض مؤمنین کفار کی عیش و عشرت اور دنیا کی سرو سامانی سے بھرپور دیکھ کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن تو دُنیا سے بھرپور ہیں ۔ اور ہم بھُوکے مر رہے ہیں تو یہ آیت اُتری مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۔ (دُنیا کے معمولی اسباب ہیں) یعنی اُن کا کاروبار میں ترقی کرجانا معمولی سامان ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے جو اہل ایمان کے لیے تیار کیا ہے اس کے بالمقابل کوئی قدر نہیں ۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا آخرت کے بالمقابل ایسے ہے جیسے کوئی دریا میں انگلی ڈالے تو پھر دیکھے کہ اُس کی انگلی کو دریا کی نمی سے کیا کچھ لگا ہے ۔

ف : نہ اُس کے ہونے میں کسی قسم کا فائدہ ہے اور نہ اُس کے نہ ہونے میں کسی قسم کا نقصان ہے ثُمَّ مَأْوٰهُمْ پھر اُن کا ٹھکانا یعنی اُن کے رہنے کا وہ مقام کہ جہاں وہ مرنے کے بعد اس کی طرف رجوع کریں گے ۔ اور پھر اسی میں رہیں گے جَهَنَّمُ جہنم ہے کہ جس کے عذاب کا بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ یعنی دُنیا باوجودیکہ قلیل الاسباب ہے لیکن وہ جہنم میں ابدالآباد داخل ہونے کا سبب ہے اور وہ تھوڑی سی نعمت جو بہت بڑے نقصان کا سبب بن جائے اُسے نعمت نہیں کہا جا سکتا وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۔ اور وہ بہت بُرا بچھونا ہے یعنی وہ بچھونا جو وہ اپنے لیے بچھائیں گے بہت ہی بُرا ہے ۔ یعنی جہنم لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لیکن وہ جو اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ۔ یعنی اس کے حکم کے خلاف کے برعکس کرنے سے خوف رکھتے ہیں لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُن کے لیے باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے ۔

ف : یہ سوال مقدر کا جواب ہے ۔ سوال کی تقریر یہ ہے کہ آیت سے معلوم ہوا کہ دُنیا کے عیش و عشرت سے مالامال

ہونا موجب ہلاکت ہے کہ جو بھی دنیا کے امور میں ایسے ہی ناز و طرب سے گزارے وہی جہنمی ہے۔ خواہ وہ مومن ہو یا کافر تو اس کے جواب میں فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ متقی اگرچہ دنیوی امور میں ترقی کے تمام منازل طے کر جائیں اور کفار کی طرح انہیں بھی دولت میسر ہو بلکہ ان سے چند قدم آگے نکل جائیں تو انہیں بجائے عذاب کے بہت اجر و ثواب نصیب ہوگا۔ ان کا کفار پر قیاس نہیں چاہیے نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط یہ اللہ تعالیٰ سے مہمانی ہے یہ جنات سے حال واقع ہے تاکہ وہ انہی اوصاف سے مخصوص ہو جائیں۔

ف: نزل ہر اس شئے کو کہا جاتا ہے جو مہمان کے لیے (کھانے پینے وغیرہ) تیار کی جائے وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ اور وہ جو بوجہ کثرت و دوام کے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ نیک لوگوں کے لیے بہتر و برتر ہے اس سے جو کفار کے ہاں دنیوی جشن طرب کے سامان ہیں۔ اس لیے کہ کفار کے اسباب نہایت قلیل اور جلد تر مٹ کر رہنے والے ہیں۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مومن ہو یا کافر سب کے لیے موت بھلی ہے نیک لوگوں کے لیے فرمایا ہے وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ۔۔۔۔۔! اور فاجروں و کافروں کے لیے فرمایا اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا بیشک ہم اس لیے مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ گناہوں میں بڑھتے رہیں۔

حدیث شریف نمبر (۲): حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوا آپ بالاخانے پر تشریف فرما تھے اور صرف چٹائی پر آرام فرما تھے جس پر اور کوئی شئے از قسم چاندنی وغیرہ بچھی ہوئی نہ تھی۔ اور آپ کے سر اقدس کے نیچے وہ چمڑے کا سرہانہ تھا کہ جس کی بھرتی (لیف) کھجور کی چھال تھی اور چند پھٹے پرانے کپڑے اور معمولی سا بکھرا ہوا سامان پڑا تھا۔ میں نے آپ کے جسم اطہر پر چٹائی کے داغ دیکھے تو میں رو پڑا۔ آپ نے فرمایا کیوں روتے ہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ کسریٰ و قیصر تو اس عیش و طرب میں اور آپ یوں۔ حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا اے عمر کیا تمہیں یہ بات ناپسند ہے کہ انہیں دنیا اور ہمیں آخرت نصیب ہوے

از پئے ذکر و شوق حق مارا ۔۔۔ در دو عالم دل و زبانے بس
وز طعام و لباس اہل جہاں ۔۔۔ کہنہ دلقے و نیم نانے بس

ترجمہ: (۱) حق کے شوق اور ذکر کے لیے ہمیں دونوں عالم میں صرف دل اور زبان چاہیئے۔

(۲) اہل جہاں کے طعام و لباس سے ہمیں صرف پرانی گدڑی اور آدھی روٹی چاہیئے۔

حکایت: خزائن اسکندریہ میں منجملہ مکتوبات کے ایک یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ آسمان اپنی نعمتیں کسی پر دائمی نہیں

رہنے دیتا ۔

سبق نمبر(۱): جب کسی بندۂ خدا کو دولت یا کوئی مرتبہ نصیب ہو تو اُسے چاہیئے کہ فرصت کو غنیمت سمجھ کر لوگوں کی گردنوں میں احسانات کے طوق ڈالنے کی کوشش کرے اس لیے کہ دُنیا و مرتبہ بلند قدری ہمیشہ رہنے والی نہیں پھر یا تو ندامت ہو گی یا تعریف ہوتی رہے گی۔

سبق نمبر(۲): جو صاحب حسب و نسب اور صاحب مروت ہو تو اس کی عزت و احترام کرو۔

سبق نمبر(۳): جب کسی کا دنیوی کاروبار چمک اٹھے تو اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے کہ اس پر فضل الٰہی ہے بلکہ زمانہ کے مختلف اطوار ہیں کہ کبھی زخمی کرتا ہے تو کبھی مرہم پاشی کرتا ہے۔ کبھی آنسو پونچھتا ہے تو پھر اس کو درد آلود کرتا ہے تمام امور کا مالک وہی رب کریم ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رُومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چند گوئی من بگیرم عالمے	ایں جہاں را پُرکنم از خود ہمی
تا خود بگذا دشن بایک نظر	گر جہاں پر برف گردد سر بسر

ترجمہ: (۱) تو دنیائے عالم کے اس تصور میں کیوں ہے کہ اسے قبضہ میں کر لوں ۔

(۲) کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ جہان برف کی طرح ہے اسے تو ایک نظر سے یک لخت پگھلا کر رکھ دیا جائے گا۔

حکایت: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اندھا بنا دے یا آنکھ بحال رکھے پھر فرمایا جو دُنیا کی جتنی محبت کرتا ہے اور دنیوی آرزو بڑھاتا ہے اسیقدر اس کا دل اندھا ہو جاتا ہے جو دُنیا سے کنارہ کشی کرتا اور دنیوی آرزو کم رکھتا ہے اسیقدر پڑھے کے بغیر اللہ تعالیٰ اُسے علم عطا فرماتا ہے اور بغیر ہادی کے ہدایت فرماتا ہے۔ عنقریب ایک زمانہ آنے والا ہے کہ کوئی شخص قتل اور ظلم و تشدد کے بغیر اپنا ملک اور بادشاہی برقرار نہیں رکھ سکے گا۔ اور اپنی دولت فخر و ناز اور بُخل اور اتباع نفس کے بغیر بحال نہ کر سکے گا۔ خبردار جو شخص یہ زمانہ پائے تو وہ اپنے فقر پر صبر کرے اگرچہ دولت حاصل کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اور لوگوں کے مبغوض رہنے پر صبر کرے اگرچہ اُن کے محبوب بننے کی ہمت رکھتا ہو اور ذلت پر صبر کرے اگرچہ عزت کے حصول کی طاقت رکھتا ہو۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی مطلوب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ پچاس صدیقوں کا ثواب عنایت فرمائے گا۔

دُنیا کی شکل وصورت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قیامت میں دُنیا کو بڑھیا کی صورت میں لایا جائے گا۔ جو نہایت ہی کمزور اور ٹیڑھی آنکھوں والی ہوگی اور اس کے بڑے بڑے دانت اور باہر نکلے ہوئے ہوں گے اور سرتاپا جلی ہوئی ہوگی۔ لوگوں سے کہا جائے گا۔ جانتے ہو یہ کون ہے۔ سب کہیں گے ہم اس کی پہچان سے پناہ مانگتے ہیں۔ کہا جائے گا کہ یہ وہی تمہاری محبوبہ دُنیا ہے جس سے تم فخر ومباہات اور قطع رحمی اور ایک دوسرے پر حسد اور بغض وعداوت اور دہوکہ سازیاں کرتے تھے۔ پھر اس کو دوزخ میں دھکیلا جائے گا۔ وہ پکارے گی میرے چاہنے والے اور میرے ساتھ تعلق جوڑنے والے کہاں ہیں اُن کو بھی میرے ساتھ بھیج دے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ دُنیا کے عاشقوں کو بھی دُنیا کے ساتھ ہی جہنم میں پھینک مارو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں چند ایسے لوگوں کو اٹھایا جائے گا کہ جن کے نیک اعمال تہامہ پہاڑ کے برابر ہوں گے لیکن حکم ہوگا کہ انہیں جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ نمازی بھی ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں نمازی بھی ہوں گے رُوزے بھی رکھتے رہے بلکہ شب خیزی کے بھی عادی ہوں گے لیکن دُنیا کے ایسے عاشق تھے کہ جہاں انہیں کہیں نظر آتی تو اُس پر ٹوٹ پڑتے۔

حضور علیہ السلام کا فقر اور تصرّف بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنے رَب سے رزق کی وُسعت کیوں نہیں چاہتے جب کہ میں نے آپ کو بھوک سے پیٹ مبارک پر پتھر باندھے ہوئے دیکھا تو رو پڑی اور یہی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا "اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں اگر چاہوں اور جیسے چاہوں اور جہاں چاہوں کہ میرا رَب دُنیا کے تمام پہاڑ میرے تصرّف دے دے تو ہو کر رہے گا۔ لیکن میں نے دُنیا کی بھوک اور فقر کو آخرت کی بھوک اور فقر پر ترجیح دی اور دُنیا کے حزن کو اختیار فرمایا۔ اسی طرح دُنیا کے غناء کے بجائے آخرت کو پسند کیا۔ اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) دنیا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائق نہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بہترین اونٹنیاں پیش کی گئیں۔ لیکن آپ نے اُن سے اعراض فرمایا۔ حالانکہ ایسی اونٹنیاں اہلِ عرب کو بہت مرغوب تھیں۔ اس لیے کہ اس قسم کی اونٹنیوں میں دودھ بہت اچھا اور بہترین گوشت موٹا تازہ ہوتا ہے۔ اور اہلِ عرب کو دِل میں ایسی اونٹنیوں کی بہت چاہت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی رغبت پر فرمایا "واذا العشار عطلت" اور جب کہ اُونٹنیاں بیکار سمجھی جائیں گی لیکن اس کے باوجود ان اونٹنیوں سے لاپرواہی کرتے ہوئے منہ پھیر لیا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہمارے نفیس ترین مال میں شمار ہوتی ہیں لیکن آپ نے توجہ بھی نہیں فرمائی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس

سے روکا ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی[1] ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ اور جو تمتع کے امور ہم نے عطا کیے ہیں۔ آپ اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔

سبق: یہی حال ہے اس کا جو دُنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے اور رفیق اعلیٰ کا طالب ہے تو وہ کبھی دنیا کی طرف جھانک کر بھی نہیں دیکھتا ہے

شان نبوت کا بیان حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں۔ قیامت میں لواء الحمد میرے ہاتھ ہوگا۔ حضرت آدم (علیہ السلام) اور اُن کی اولاد اس میرے جھنڈے تلے پناہ لے گی یہ میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا۔ سب سے پہلے بہشت کا دروازہ میں ہی کھٹکاؤں گا۔ جس پر اللہ تعالیٰ بہشت کا دروازہ کھول کر سب سے پہلے مجھے ہی بہشت میں داخل فرمائے گا اور اس وقت میرے ساتھ اہل ایمان کے فقراء ہوں گے۔ اور میں یہ کوئی فخر سے نہیں کہہ رہا ہوں۔

سبق: اس سے صرف فقر و قناعت کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ فقراء اغنیاء سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے ے

اے قناعت تو انگرم گردان | کہ ورائے تو ہاسح نعمت نیست
گنج صبر اختیار لقمان است | ہر کرا صبر نیست حکمت نیست

ترجمہ[1]: اے قناعت مجھے دولتمند بنا دے کہ تیرے سے بہتر اور کوئی نعمت نہیں۔

(۲) گوشۂ صبر لقمان کا پسندیدہ عمل ہے اور جسے صبر نہ ہو وہ حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

سبق: سمجھدار انسان ہمیشہ دُنیا اور دنیاداروں سے کنارہ کش اور آخرت اور بہشت کی طرف راغب رہتا ہے بلکہ وہ ہمیشہ وصول الی اللہ کی ترقی کے درپئے رہتا ہے۔

حکایت: حضرت بایزید قدس سرہ فرماتے ہیں کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے چند ایک بندے ہیں جو بہشت سے ایسے دُور بھاگیں گے جیسے عوام کو دوزخ کا ڈر ہوتا ہے۔ فرمایا یہ وہ بندے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ اور بس۔

حکایت: اسی مقام پر حضرت بایزید رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے اسّی ۸۰ سال میرا دل غائب رہا جب وہ

---

[1] حضرت مولانا مولوی غلام رسول صاحب کوٹلہ عالم پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ اسی مضمون کو یوں بیان فرماتے ہیں ے

اس دنیا دی گردن اُتے قدم دھرے لنگھ جائے
بحر طلب دے روڑ دا جاندا لو کاں نظر نہ آئے

اویسی غفرلہ

میرے پاس لوٹا تو میں اُسے لینے لگا تو کہا افسوس ہے کہ اَب بھی غیر اللہ تعالیٰ کے حصول کی خواہش باقی ہے ۔
حکایت : کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرش کو تک رہے ہیں۔ سامنے حورعین ہے لیکن اس کی طرف ذرہ بھر بھی التفات نہیں اور بہشت کے محلات قربان ہونے کو ہیں لیکن توجہ ہی نہیں فرماتے۔ حضرت رضوان (بہشت کا داروغہ) نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں - جواب ملا یہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ انہیں صرف اللہ تعالےٰ کے دیدار کا اشتیاق تھا - جب سے فوت ہوئے ہیں اللہ تعالےٰ نے انہیں اجازت بخشی ہے کہ اَب حجاب اٹھے ہوئے ہیں خوب سیر کر کے دیکھ لو اب یہ عرش کو نہیں بلکہ عرش والے کو دیکھ رہے ہیں ۔
سبق : عارف باللہ کا مطمع نظر (محبوب) معنوی جنت ہے نہ کہ ظاہری جنت - اور جنت معنوی سے مراد معرفت الٰہی اور وصال ایزدی جو کہ جنۃ الفردوس سے ہزاروں درجہ بہتر ہے اور اعلیٰ علیین تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ۔
سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ اس جنت معنوی کے لیے جدوجہد کرے اور موت سے پہلے ہی اسے حاصل کرلے ۔ عمر کے آخری لمحات اس میں ختم ہوں - جب پیام اجل پہنچے تو بھی فکر دامنگیر ہو ۔

حضوری گرہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ
متی تلق من تھویٰ دع الدنیا و اھلھا

ترجمہ : اے حافظ اگر حضوری کے طالب ہو تو اس سے غائب نہ ہو جب اپنے محبوب سے ملو تو پھر دنیا اور اہل دنیا کو چھوڑ دو ۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور یقین نصیب فرمائے ۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ ۔
بیشک اہل کتاب میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں ۔

شانِ نزول یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی بعض نے کہا یہ اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو نجران کے چالیس اور حبشہ کے دو اور روم کے آٹھ افراد تھے جو نصرانی عقیدہ رکھتے تھے لیکن پھر مسلمان ہوئے - بعض نے کہا کہ حضرت صحمۃ النجاشی کے حق میں نازل ہوئی ۔ جب کہ وہ فوت ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اس وفات کے دن حضور علیہ السلام کو اُن کی موت کی خبر دی آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا چلو اپنے اس بھائی کے لیے جنازہ پڑھیں جو ہمارے سے دُور فوت ہوا - عرض کی گئی وہ کون صاحب ہیں - آپ نے فرمایا وہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ بقیع

میں تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے سے حبشہ تک پردے اٹھا دیئے۔ آپ نے نجاشی کے جنازہ کو دیکھ کر چار تکبیروں سے نمازِ جنازہ پڑھی اور اُن کے لیے بخشش مانگی۔ منافقین کہنے لگے دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجمی کافر اور حبشی نصرانی کا جنازہ پڑھا جسے آپ نے نہ کبھی دیکھا اور نہ ہی وہ آپ کے دین پر ہے۔ اس پر یہ آیت نازل فرمائی وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ اور اس پر ایمان لاتے ہیں جو تمہارے ہاں اُترا یعنی قرآن کریم پر وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِمۡ اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اُن پر اُترا۔ یعنی دونوں کتابوں (توراۃ و انجیل) پر خٰشِعِیۡنَ لِلّٰہِ ۔ وہ اللہ سے بھی ڈرتے ہیں۔ یعنی اُس کے عذاب سے اور اس کے ثواب کی امید پر سر جھکاتے ہیں۔ یہ یُؤمن کے فاعل سے حال ہے اس لیے کہ مَن میں جمع کا معنیٰ ہے اس لیے اسے جمع لایا گیا ہے لَا یَشۡتَرُوۡنَ نہیں خریدتے یعنی نہیں لیتے بِاٰیٰتِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے آیات کے عوض۔

ف: آیات سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمتِ پاک مراد ہے جو توارت و انجیل میں لکھی ہے۔ ثَمَنًا قَلِیۡلًا تھوڑا ثمن یعنی دنیا کا معمولی سامان۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کے غلبہ کے خوف سے جیسے یہودیوں کے علماء و احبار نے کیا جب کہ وہ اسلام سے روگردانی کر بیٹھے اور یہ جملہ بھی ماقبل سے حال ہے اُولٰٓئِکَ وہ لوگ یعنی وہ حضرات جو اس صفت سے موصوف ہیں لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ اُن کے لیے وہ اجر ہے جو اُن کے لیے مخصوص ہے اور اُن سے وعدہ کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا ہے اُولٰٓئِکَ یُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَہُمۡ مَّرَّتَیۡنِ وہ دوسرا اجر دیئے جائیں گے عِنۡدَ رَبِّہِمۡ اپنے رب کے ہاں۔ عِنۡدَ کا منصوب ہونا اجرھم سے حال بننے کی وجہ سے ہے اس سے ان کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ٭ بیشک اللہ تعالےٰ جلد حساب لینے والا ہے اس لیے کہ اس کا علم تمام اشیاء کو حاوی ہے وہ ہر عمل کرنے والے کے اجر کا علم رکھتا ہے کہ وہ کس قدر اجر کا مستحق ہے اُسے تامل کی ضرورت ہی نہیں اور نہ ہی اُسے یاد رکھنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اسے یادداشت کے لیے کسی تحریر کی حاجت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو اُن سے وعدہ کیا گیا ہے وہ انہیں جلد تر نصیب ہوگا۔ اس لیے حساب کی جلدی کو مستلزم ہے کہ انہیں اُن کے اعمال کی جزاء جلد تر حاصل ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ علماء متقین وہ ہیں جو اربابِ قلوب و خواطر رحمانیہ کے واردات و الہامات و مکاشفات پر ایمان لاتے ہیں اور اربابِ قلوب سے حکماء الٰہیہ یعنی اولیاء اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔ جن کی نیک نیتی کے مطابق انہیں نقد اجر عطا فرماتا ہے کہ انہیں مرنے سے پہلے قرب مقامات تک پہنچنے کا موقعہ بخشتا ہے نہ کہ انہیں اُن کے مرنے کے بعد ہی انہیں اجر دینے پر چھوڑ رکھے اس لیے کہ جو عالم دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔

مسئلہ: انسان کی موت ہر اس عمل پر ہوتی ہے جس پر زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اُسی پر اس کا حشر ہوگا۔

حدیث شریف: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام حضور علیہ السلام کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اللہ تعالیٰ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ مغموم کیوں رہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اے جبریل علیہ السلام مجھے صرف اُمت کا ہی فکر ہے کہ قیامت میں اُن پر کیسے گزرے گی۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی آپ کی مراد اہل کفر سے ہے یا اہل اسلام سے۔ آپ نے فرمایا اے جبریل علیہ السلام میری مُراد اہل اسلام ہی ہیں جو پڑھتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر بنی سلمہ کے گورستان میں گئے اور وہاں کھڑے ہو کر ایک قبر پر اپنے دائیں جانب کا پر مارا۔ اور اسے کہا قم باذن اللہ اس قبر سے ایک مرد سفید رُو نمودار ہوا وہ پڑھ رہا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے جبریل نے فرمایا اپنی جگہ کو واپس لوٹ جاؤ۔ وہ اپنی قبر میں واپس چلا گیا اور قبر ویسے ہی ہو گئی جیسے تھی اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام اپنے بائیں جانب کے پَر کو حرکت دی اور فرمایا قم باذن اللہ اس پر ایک سیاہ رُو مرد نکلا جس کی آنکھیں نیلی تھیں اور وہ کہتا تھا واحسرتاہ وندامتاہ۔ یعنی ہائے ہائے پکارتا تھا۔ اسے بھی جبریل علیہ السلام نے فرمایا تم اپنی جگہ لَوٹ جاؤ۔ وہ اپنی قبر میں لوٹ گیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی یا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ اسی طور قیامت میں اٹھیں گے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جن اعمال پر زندگی گزارو گے انہیں پر تمہارا حشر ہوگا۔

ف: اس سے ان اللہ سریع الحساب کا سمجھنا آسان ہو گیا کہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ اپنے اعمال کی جزا دے گا۔ حضرات اولیاء کرام تو جنت معنویہ کی دنیا میں بھی مزے لوٹ رہے ہیں اور عوام غافل وہ نار بعد فراق میں دنیا میں مر رہے لیکن دنیا میں اس کے درد کا انہیں احساس نہیں ہوتا۔ جب مریں گے تو پھر انہیں محسوس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نار بعد سے اور عذاب سعیر سے بچائے۔ اور اپنے وصال اور اپنے نورانی دیدار سے مشرف فرمائے۔ آمین ؎

باید اے خفتہ بیدار بود   چو مرگ اندر آرد ز خوابت چہ سود

تو پاک آمدی و پر حذر باش و پاک   کہ ننگست ناپاک رفتن بخاک

کنوں باید ایں مرغ را پائے بست   نہ آنگہ کہ سررشتہ بردن ز دست

ترجمہ: (۱) اے سونے والو تمہیں بیدار ہونا چاہیئے جب موت خواب میں لائے گی تو پھر اس وقت کیا فائدہ۔

(۲) تُو پاک ہو کر دنیا میں آیا ہے تجھے ہر وقت ڈرنا چاہیئے کہ قبر میں ناپاک ہو کر جانا بے شرمی ہے۔

(۳) ابھی تیرے قابو میں ہے اس پرندے کے ہاتھ پاؤں باندھ سکتا ہے لیکن تیرے ہاتھ سے نکل گیا تو تیرا کوئی بس نہ چلے گا۔

حاشیہ صفحہ برائندہ

حکایت: ابراہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ ایک حمام میں داخل ہوئے لیکن حمام والے نے انہیں روک دیا۔ اور کہا کہ جب تک اُجرت نہیں دوگے حمام میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آپ اس کی بات سُن کر رو پڑے اور کہا کہ مجھے شیاطین کے گھر میں مفت بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں تو پھر نبیوں اور صدیقوں کے گھر میں کیسے داخل ہو سکتا ہوں۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ جو دُنیا میں غافلوں کے ساتھ گزارتا ہے تو وہ آخرت میں بھی غافلوں کے ساتھ ہوگا اور اس کا حساب بھی اعمال کے مطابق ہوگا۔ جو شخص نیک عمل نہیں کرتا اُسے آخرت میں کیا نصیب ہوگا ؎

برفتند وہر کس درود آنچہ کشت،

غاند بجز نام نیکو و زشت

ترجمہ: دنیا چھوڑ گئے لیکن یہ صحیح ہے کہ جس نے جو بویا وہی اٹھایا بس کچھ نہ رہا نیک نامی رہی یا بدنامی۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں ایک حُور ہے جس کا نام لُعبتہ ہے۔ اگر وہ اپنی تھوک کا ایک قطرہ دریا میں ڈالے تو تمام میٹھا ہو جائے۔ اس کے سینے پر لکھ دیا گیا ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اسے مجھ جیسی حور ملے تو اسے میرے رب تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے۔ کس نے کیا خوب فرمایا ؎

بقدر الکد تکسب المعالی ومن طلب العلی سھر اللیالی

تروم العز ثم تنام لیلاً یغوص البحر من طلب اللآلی،

ترجمہ: مشقت کے مطابق ہی مراتب بلند نصیب ہوتے ہیں۔ جو شخص بلند قدری چاہتا ہے اسے شب بیدار رہنا چاہیئے اے سالک عزت کا طالب ہو کر تو سو جاتا ہے (تعجب ہے) جو موتی چاہتا ہے تو وہ دریا میں غوطہ لگاتا ہے۔

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ آخرت کے بلند مراتب کے حصول کے لیے جدوجہد ضروری ہے۔

حکایت: فرزدق[1] کی عورت جب فوت ہوئی تو شہر کے بڑے بڑے معززین اُس کی عورت کے جنازہ میں شریک

صفحہ گذشتہ سے۔ نام فراق کہے جگ جس دا ایہہ ہے مشکل بھاری۔ (مولانا عالم پوری)

[1] یہ شخص عرب کا مشہور و معروف شاعر تھا۔ اور فصاحت و بلاغت میں مانا ہوا کامل اور فی البدیہہ تھا۔ جب کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفیوں کے بار بار بلانے پر کوفے کا سفر فرما رہے تھے تو میدانِ کربلا سے ایک منزل پہلے بھی فرزدق۔ امام صاحب کو راستے میں ملا تھا اور اُن کو حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دیتے ہوئے حضرت امام صاحب کو واپس لوٹ جانے کی التجا کی تھی۔ (گلشن عفی عنہ)

ہوئے انہیں میں حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے آپ نے فرزوق سے فرمایا اے ابو فراس تو نے بھی اس موت کے دن کے لیے کچھ تیاری کی ہے یا نہ۔ اُس نے کہا صرف کلمۂ شہادت اشھد ان لآ الٰہ الّا اللہ الخ ہی میری تیاری کا سامان ہے۔ جسے اسی سال سے پڑھ رہا ہوں۔ جب اُس کی عورت کو دفنایا گیا تو اس کی قبر پر کھڑے ہو کر ذیل کے اشعار پڑھے۔

اخاف ورآء القبر ان لم یعافنی ۔۔۔ اشد من القبر التھابا و اضیقا

اذا جاءنی یوم القیمۃ قائد ۔۔۔ عنیف و سواق لیسوق الفرزدقا

لقد خاب من اولاد آدم من مشی ۔۔۔ الی النار مغلول القلادۃ ازرقا

ترجمہ: میں قبر سے باہر ہی اس خوف میں ہوں کہ اگر مجھے معاف نہ کیا گیا تو میرے لیے اس کی شدت اور تنگی کا خطرہ بہت سخت تکلیف پہنچا رہا ہے۔ جب کہ میرے پاس سخت گیر فرشتہ آئے گا اور فرزدق کو کھینچ کر کھینچنے والا لے جائے گا۔ اولادِ آدم میں سے وہ بندہ سخت گھاٹے میں ہے جسے ذلیل و خوار کرکے اور گلے میں پھندا ڈال کر جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

حدیث شریف: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بہشت کا تین بار سوال کرتا ہے تو بہشت کہتی ہے یا اللہ اسے بہشت میں داخل فرما۔ اور جو شخص جہنم سے تین بار پناہ مانگتا ہے تو جہنم کہتی ہے یا اللہ اُسے جہنم سے نجات دے ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں جہنم سے نجات دے کر نیک لوگوں کے ساتھ بہشت میں داخل فرمائے اور ہمیں ان نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے جو نجات دلانے والے ہوں اور ہمیں ناجی فرقہ سے بنائے۔

ثبوت وسیلہ بطفیل اس پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بھی بلند مراتب حاصل کرتا ہے انہی کی بدولت سرشار ہوتا ہے خواہ وہ مشرق ہو یا مغرب میں اور جتنے ہی اسے مقاصد و مطالب نصیب ہوتے ہیں انہیں کے طفیل نصیب ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا اے ایمان والو صبر کرو یعنی طاعات کی تکالیف پر اور دیگر وہ شدائد جو عام طور انسان پر وارد ہوتے ہیں جیسے مرض و فقر و فاقہ و قحط و خوف و دیگر مشقتیں وغیرہ پر صبر کرو وَصَابِرُوْا اور صبر کا مظاہرہ کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلہ میں جنگ کی شدت کے وقت صبر کرنے میں اُن سے بڑھ جاؤ۔ اور اپنے سب سے بڑے دشمن نفس پر خواہش نفسانی کی مخالفت میں صبر کرنے پر غلبہ پاؤ۔

ف: مصابرہ صبر کی ایک قسم ہے۔

نکتہ : اسے صبر کے بعد ذکر کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ ایسے امور مذکورہ میں صبر کرنا واجب ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں بہت زیادہ صعوبت و شدت ہوتی ہے اور پھر صبر کی تمام قسموں سے افضل و اکمل ہے۔

حل لغات : صبر نفس کو ان باتوں سے باز رکھنا ہے جن باتوں سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں۔

صبر کے اقسام : ① تصبّر یعنی صبر کرنے کے لیے اپنے اُوپر زور دینا۔

② مصابرہ یعنی جن امور سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں اُن کے لیے معارضہ و مقابلہ کرنا۔

③ اصطبار۔

④ اعتبار۔

⑤ التزام۔

⑥ صبر یعنی جس کی تکمیل و تحصیل بلا کلفت ہو وَ رَابِطُوْا اور مضبوط کر دو اپنے ابدان اور اپنے گھوڑوں کو اسلام کی سرحدوں پر درانحالیکہ تم اس میں خوب نگرانی کرنے والے ہو اور اپنے نفوس کو طاعت الٰہی پر۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایسا عمل بتاؤں کہ جس سے تمام گناہ معاف ہو جائیں اور مراتب بھی بہت بلند ہوں۔ صحابہ کرام نے عرض کی کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا مکمل طور وضو کیا کرو جب کہ تکالیف ہوں۔ سردیوں میں مثلاً اور مسجدوں میں دُور چل کر جاؤ۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرو۔ دراصل یہی ہے سرحدوں کی حفاظت و نگرانی۔ اور اسے دوبار فرمایا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ یعنی تقویٰ پیدا کرو بایں طور اس کے ماسوا سے بالکل بری ہو جاؤ۔ تاکہ تم پورے طور کامیاب ہو جاؤ۔

قبائح سے بچو تاکہ تم تینوں مراتب کے مقامات کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ ① یعنی طاعات کی تکالیف پر صبر کرنے میں۔

② عادات کو چھوڑنے پر نفس کو صبر دلانے میں۔

③ راز کی نگرانی کر کے بارگاہِ حق تک پہنچنے میں تاکہ ان واردات کا حصول ہو۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ صبر کا درجہ مصابرہ سے کم ہے۔ اسی طرح مصابرہ کا مرابطہ سے کسی نے فرمایا ؎

تو کز سرائے طبیعت نمی روی بیروں

کجا بکوئے طریقت گذر تواں کرد

ترجمہ : جب تم طبیعت کی سرا سے باہر نہیں جا سکتے تو پھر تمہیں طریقت کی گلی کوچے میں گزرنے دیں گے۔

مسئلہ: سلوک ضروری امر ہے کہ اس کے ذریعے بندہ احوال و مقامات سے گزر کر انتہائی مراتب تک پہنچ سکتا ہے۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے پیدل جا رہے تھے آپ کی رفاقت میں ایک اعرابی اونٹنی پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ اعرابی نے آپ سے پوچھا اے شیخ کہاں کا ارادہ ہے آپ نے فرمایا بیت اللہ کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں۔ اُس نے کہا پیدل اور اتنا بڑا لمبا سفر اس طرح سے کیسے پہنچو گے حالانکہ آپ کے لیے سواری ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا میرے ہاں بہت سی سواریاں ہیں۔ اُس نے کہا وہ کہاں آپ نے فرمایا۔ مجھ پر مصائب کا حملہ ہوتا ہے تو صبر کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں اور جب مجھے کوئی نعمت نصیب ہوتی ہے تو شکر کی سواری لے لیتا ہوں اور جب مجھ پر قضا و قدر وارد ہوتی ہے تو رضائے الٰہی کی سواری میرے پاس ہوتی ہے جب مجھ سے نفس کسی خواہش کا مطالبہ کرتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ بہت گزر گئی ہے باقی تھوڑی رہتی ہے اعرابی نے سن کر کہا در حقیقت آپ سوار ہیں اور میں پیدل ہوں۔ اب جاؤ جہاں چاہو۔

مسئلہ: زندگی بھر مجاہدۂ نفس ضروری ہے یہاں تک کہ نفس سے اخلاق ذمیمہ کی جڑ اکھڑ جائے اور اوصافِ جمیلہ سے نفس مزین ہو جائے اور یہ صبر وغیرہ سے نصیب ہوتا ہے۔ ایسے ہی مجاہدہ کو مرابطہ کہا جا سکتا ہے۔

حکایت: مروی ہے کہ ایک نیک بخت ایک ہی رات میں سارا قرآن مجید ختم کرتا اور ساری رات عبادت کے لیے بیدار رہتا اُس سے کہا گیا کہ آپ اتنی بہت بڑی مشقت میں کیوں پڑتے ہو۔ اُس نے کہا دُنیا کی کل عمر کتنی ہے کہا گیا کہ سات ہزار سال اس نے فرمایا کہ قیامت کا دن کتنے سال کا ہے کہا گیا کہ پچاس ہزار سال کا۔ اس نے فرمایا کہ اگر کسی کو دُنیا کی عمر کے برابر زندگی نصیب ہو جائے تب بھی بڑے دِن کے لیے عبادت کرے پھر بھی اُسے سودا سستا حاصل ہوا کہ اتنی طویل مدت کے لیے اتنی قلیل مدت کام آ گئی۔

حکایت: بی بی معاذہ عدویہ ایک صالحہ بی بی گزری ہیں۔ اُن کی عادت تھی کہ جب دِن ہوتا تو فرماتیں یہی میری موت کا دِن ہے۔ صبح سے شام تک عبادت میں مصروف رہتیں۔ جب شام ہوتی تو فرماتیں یہی رات میری میری موت کی رات ہے پھر ساری رات عبادت میں گزار دیتیں۔ اسی طریق سے زندگی گزاری۔ یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صرف ایک دِن و رات سرحد اسلام کی حفاظت کرتا ہے تو اس کا اجر و ثواب ایک ماہ کے روزے کے برابر کہ جس میں کسی نے لگاتار روزے رکھے ہوں۔ اسی طرح ایک ماہ کی شب بیداری کا ثواب ملے گا کہ جس میں ساری رات نوافل پڑھتے گزاری اور سوائے قضائے

حوائج کے اور کوئی کام نہ کیا ہو۔

ف: یہ ثواب تو جہادِ اصغر کا ہے نا معلوم جہادِ اکبر کا کیا مرتبہ ہوگا۔ یعنی نفس کی حفاظت اور اس کی نگرانی اور اسے عبادات وطاعات میں لگا دینے میں اجر و ثواب اور دیگر درجات بے انداز نصیب ہوتے ہیں ؎

نگہ دار فرصت کہ عالم دمیست　　دمے پیش دانا بہ از عالمیست

سر از جیب غفلت بر آور کنوں　　کہ فردا نمانی بخجلت نگوں،

ترجمہ: (۱) اسی وقت کو غنیمت سمجھ اس لیے کہ یہ دنیائے عالم صرف ایک لمحہ ہے۔

(۲) ابھی غفلت کے گریبان سے سر باہر کرو ورنہ کل شرمساری سے تیرا سر نیچا رہے گا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دانا کہ زد تفرج این چرخ حقہ باز،

ہنگامہ باز چید و در گفتگو نبست

ترجمہ: وہ عاقل کہ اس چالاک فلک سے ہنسی مذاق کرتا ہے وہ تو ابھی گفتگو میں ہوگا کہ سامان لپیٹ لے گا۔

ف: حضرت بایزید رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عارف باللہ وہ ہے کہ جس کا ایک ہی مقصد ہو۔ جسے آنکھ دیکھے اور کان اس کی طرف دھیان نہ دھرے۔

حکایت: مروی ہے کہ ایک زاہد عبادت میں بہت بڑی جدوجہد فرماتے۔ یہاں تک کہ کپڑے صاف کرنے کی فرصت بھی نہ ملتی اس کے کپڑے سخت میلے ہو گئے۔ کسی نے انہیں کہا کہ اے بندہ خدا۔ کپڑے کیوں نہیں دھوتے ہو۔ اس نے کہا کہ اگر کپڑے دھووں تو پھر میلے ہو جائیں گے۔ اس نے کہا کہ پھر دھو لینا۔ عابد نے کہا کہ پھر میلے ہو جائیں گے اس نے کہا پھر دھو لینا۔ عابد نے فرمایا تو اس طرح سے ہم اپنی زندگی کپڑے دھونے میں ضائع کر دیں۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں اس لیے نہیں پیدا فرمایا کہ ہم کپڑے دھوتے رہیں۔ بلکہ ہمیں طاعت و عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

اول استعداد جنت بایدت

تا ز جنت زندگانی زایدت

ترجمہ: پہلے جنت کے داخلہ کی استعداد چاہیئے تاکہ جنت کی دائمی زندگانی سے وافر حصہ نصیب ہو۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اطاعت کی توفیق بخشے (آمین)

حدیث وحکایت اور رُوحانی علاج نبوی علیٰ صاحبہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک اعرابی نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میں پنجگانہ نماز ادا کرتا ہوں اور ماہ رمضان کے روزے پابندی سے رکھتا ہوں۔ لیکن اس سے باقی ارکان مجھ سے ادا نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ میں فقیر و محتاج ہوں بنابریں نہ زکوٰۃ دے سکتا ہوں اور نہ ہی حج پڑھ سکتا ہوں۔ جب قیامت قائم ہو گی تو فرمائیے میں بہشت کی کونسی دار میں داخل ہوں گا۔ آپ اس اعرابی کی بات سُن کر ہنس پڑے۔ آپ نے فرمایا تو اپنی آنکھوں کو محرمات سے اور خلق خدا کو حقارت کی نگاہ سے اور قلب کو کینہ اور حسد سے اور زبان کو کذب و غیبت سے محفوظ کرلے پھر بہشت میں تو میرے ساتھ ہو گا۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

ترجمہ: یہ سورہ نسآء مدنی ہے اور اُس کی ایک سو چھہتر یا پچھتر یا ایک سو ستتر آیات ہیں۔ (اور ۲۴ رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا
وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝۱ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪
وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا
تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ
خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ
وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ
هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ
فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا
النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ
اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا
فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى
بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ
نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا
وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا
لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا
خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۪ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ
اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ ع

ترجمہ: اے لوگو! اپنے اُس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اس

کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں کی نسل سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیں اور اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابداری (کے تعلقات منقطع کرنے) سے ڈرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگران ہے اور یتیموں کو ان کا مال دے دو اور (ان کی) اچھی چیزیں (اپنی) نکمی چیزوں سے نہ بدل لو اور نہ ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھا جاؤ۔ ایسا کرنا یقیناً بڑا ہی بھاری گناہ ہے اور اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم یتیم عورتوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو (ان کو چھوڑ کر) اور جو تمہیں اچھی لگیں۔ ان میں سے دو دو تین تین اور چار چار نکاح میں لے آؤ۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ تم انصاف نہ کر سکو گے تو البتہ ایک ہی بیوی پر اکتفا کر و یا لونڈی ہو۔ جو تمہارے قبضے میں ہو۔ یہ (طریق کار) تمہیں ناانصافی سے بچانے کے لیے قریب تر ہے اور عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی سے ادا کرو۔ پھر اگر وہ اپنی رضا مندی سے تمہیں اس میں سے کچھ چھوڑ دیں۔ تو اُسے خوشگواری اور مزے سے کھاؤ اور مال و دولت جسے خدا نے تمہاری معیشت کا سہارا بنا دیا ہے بے سمجھ آدمیوں کے سپرد نہ کرو۔ تم اس میں سے انہیں کھلاؤ اور پہناؤ اور اُن سے معقولیت سے گفتگو کرو اور یتیموں کو آزماتے رہو۔ حتیٰ کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچیں۔ پھر اگر تم ان میں صلاحیت دیکھو۔ تو اُن کا مال (و اسباب) اُن کے سپرد کر دو۔ اور ان کے بڑے ہونے کے خوف سے مال کو فضول خرچی اور جلدی میں نہ کھا جاؤ اور جو دولتمند ہو اُسے چاہیئے کہ وہ پرہیز کرے اور جو غریب ہو اُسے چاہیئے کہ وہ بقدر ضرورت کھائے۔ پھر جب تم اُن کا مال و اسباب واپس دو تو (چاہیئے کہ) اُس پر (لوگوں کو) گواہ کر لو اور خدا ہی حساب لینے کے لیے کافی ہے۔ جو کچھ والدین اور قرابت والے (بطور ترکہ) چھوڑ جائیں۔ اس میں مردوں کا حصّہ ہے اور (اسی طرح عورتوں کے لیے بھی اس ترکہ میں حصّہ ہے جو اُن کے والدین اور اقربا چھوڑ جائیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ (یہ) ٹھہرایا

ہوا حصّہ ہے اور جب تقسیم (ترکہ) کے وقت (دُور) کے رشتہ دار یتیم بچے اور مسکین حاضر ہوں تو انہیں بھی کچھ دے دو اور اُن سے نرمی کے ساتھ بات کرو اور اُن لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ بھی اپنے پیچھے (ایسی ہی) کمزور اور ناتوان اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں اُن کے متعلق (کیسا) فکر ہوتا۔ پس چاہیئے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور معقول بات کریں یقیناً وہ لوگ جو ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں اور جلد دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

تفسیر عالمانہ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو۔ یہ خطاب عام ہے۔ زمانۂ خطاب کے موجودین اور ان کے بعد کو آنے والے سب کو شامل ہے۔ صرف سابقہ امم کے لوگ مراد نہیں اس لیے کہ وہ ہماری شریعت پر عمل کرنے کے مکلف نہیں تھے۔ اگر یہ خطاب جمیع بنی آدم کو ہوتا تو وہ بھی ہماری شریعت پر عمل کرنے پر مکلف ہوتے حالانکہ یہ محال ہے اِتَّقُوْا رَبَّكُمْ اپنے رب سے ڈرو آپس کے حقوق کی ادائیگی میں اور ان امور کو جن کا پورا کرنا اور ان کی نگہداشت ضروری ہے انہیں ضائع نہ کرو اور جن امور کا تمہیں حکم دیا گیا ہے انہیں بجالاؤ اَلَّذِيْ خَلَقَكُمْ اس سے کہ جس نے تمہیں پیدا کیا۔ یعنی تمہاری پیدائش کو مقدر فرمایا یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف مقدر کیا کہ تم مختلف صورتوں اور مختلف رنگوں میں پیدا کئے گئے ہو مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ایک ہی نفس سے یعنی ایک اصل سے۔ اس سے حضرت آدم علیہ السلام جو تمام عالم انسانی کے باپ ہیں مراد ہیں۔

نکتہ:

اتقاء کے حکم کے بعد تخلیق کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ انسان کو صرف اپنے خالق سے ڈرنا چاہیے۔

نکتہ:

تمام عالم انسانی کے ایک باپ بتلانے میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ قطع رحمی کوئی اچھا عمل نہیں جب کہ تمہارا سب کا باپ ایک ہے وَّخَلَقَ مِنْهَا اور اس سے پیدا فرمایا یعنی اس نفس سے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض کو بعض سے پیدا فرمایا زَوْجَهَا اس کی عورت یعنی تمہاری ماں۔ اس سے مراد بی بی حوّا (رضی اللہ عنہا) ہیں جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔

بی بی حوّا کی پیدائش کا واقعہ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب بہشت میں ٹھہرایا گیا تو اُن پر نیند کا غلبہ ہوا۔ آپ کو ابھی اونگھ آئی تھی تو اُن سے بی بی حواء کو اُن کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا جب آدم علیہ السلام بیدار ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے پاس بی بی حواء موجود تھیں۔ تو اُن کی طرف ہاتھ بڑھایا اور مانوس ہونے لگے۔ اس لیے کہ بی بی حواء اُن کا ایک جز تھیں۔

سوال: بی بی حواء کی تخلیق کا ذکر اُن کی اولاد کے ذکر سے مؤخر کیوں کیا گیا۔ حالانکہ اولاد تخلیق سے بی بی کی تخلیق مقدم تھی۔

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ واؤ ترتیب کے لیے نہیں بلکہ مطلق جمع کے لیے ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے وَبَثَّ مِنْهُمَا اور پھیلایا یعنی منتشر اور منتشر کیا۔ منہما ان دونوں سے یعنی نفس اور اس کی زوجہ سے کہ جنہیں بطور توالد و تناسل کے پھیلایا۔ رِجَالًا كَثِيْرًا بہت سے مرد۔

سوال: کثیر کا صیغہ مذکر اور واحد کیوں۔

جواب : اس طرف اشارہ ہے کہ لفظ کثیر میں جمع اور عدد کا معنیٰ ہے اور اس سے کثرت مطلوب ہے ونسآءً اور عورتیں یعنی بہت لڑکے اور لڑکیاں ۔

سوال : کثیر کا لفظ رجال کی صفت تو بنائی گئی ہے اور نساء کی کیوں نہیں ۔

جواب : اس طرف اشارہ ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد زائد زیادہ ہے اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے

سوال : تقویٰ کے امر کی ترتیب اس قصہ تخلیق پر کیوں ۔

جواب : یہی تخلیق تقویٰ کی تمہید اور اس کا اصلی سبب ہے کہ اہل منزل سے معاملات میں عموماً غلطی واقع ہوتی ہے ۔ جن میں تقوی ضروری امر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد اس جنس کے بیانات لائے گئے ۔ گویا یوں حکم ہوا ہے " اے لوگو ڈرو اپنے رب سے کہ جس نے تمہیں آپس میں ملایا ۔ یعنی تمہیں ایک جیسے اور پھر مختلف اجناس بنایا کہ تم کو آپس میں احکام کی پابندی ضروری ہے ۔ جب کہ تمہارے آپس میں ایک دوسرے پر حقوق لازم ہوتے ہیں ۔ تو ان کی محافظت ضرور ہے ۔ اس لیے غفلت نہ کرو ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو یعنی دین اور نسب میں گروہ بندی نہ کرو ۔ اس لیے تمہیں معلوم ہے کہ تم ایک ہی اصل سے ہو ۔ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وہ ذات ہے کہ اس سے ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو آپس میں ۔ مثلاً ایک دوسرے کو کہتے ہو " اسألك باللّٰه " میں تجھ سے اللہ کے لیے سوال کرتا ہوں وَالْاَرْحَامَ اور ڈرو رشتہ داریوں سے ۔ مثلاً آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہو کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ کے رشتہ داری کے حقوق کا واسطہ دے کر یہ چاہتا ہوں ۔ وہ چاہتا ہوں وغیرہ وغیرہ ۔ یا یوں کہتے ہو کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں یا رشتہ داری کی قسم دیتا ہوں کہ یہ کر دے وہ کر دے وغیرہ ۔ یہ محض محبت و شفقت کی بنا پر ہوتا ہے ۔ اس لیے کہ اہل عرب کی عادت بن چکی تھی کہ جب کوئی کسی سے شفقت کا طلب گار ہوتا تو وہ اسے رشتہ داری اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ پیش کرتا تھا یہ بات بحیثیت سوال کے ہوتی ۔

ترکیب :

الارحام منصوب ہے اس کا عطف جار و مجرور کے محل پر ہے ۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ۔ مررت بزید وعمرًا یا اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے ۔ اصل عبارت یوں ہو کہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوا الْاَرْحَامَ اس سے مقصد یہ ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو ان میں تفرقہ پیدا نہ کرو ۔

مسئلہ :

آیت میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ فرمائی ہے کہ صلہ رحمی کا بہت بڑا مرتبہ ہے اس لیے اپنے اسمِ گرامی کے ساتھ ملایا ہے ۔

حدیث شریف نمبر(۱) : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رحم عرشِ الٰہی کے ساتھ ملق ہے اور کہتی

ہے جو مجھ سے اچھا سلوک کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے اپنے ساتھ ملائے گا اور جو میرے سے قطع تعلق کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ توڑے گا۔

حدیث شریف نمبر(۳): صلہ رحمی سے کوئی زیادہ بہتر عمل نہیں کہ جس کا ثواب جلد از جلد عنایت ہو اور جلد از جلد سزا کا تعلق قطع رحمی کے سوا، اور کوئی بُرا عمل نہیں۔

مسئلہ

ہر ایک بندے پر واجب ہے کہ حقوق کی پابندی کرے اور سوچے کہ ہم ایک ماں باپ سے اور بھائی بھائی ہیں۔ اور ہمارے ماں باپ آدم وحوّا (علی نبینا وعلیہما السلام) ہیں بالخصوص اہل ایمان کو تو زیادہ اخوت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے کہ ہم سب ایک اسلام کا رشتہ رکھتے ہیں یہی کیفیت تخلیقی رشتہ داری کا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر مخفی سے مخفی شئے کو جانتا ہے۔ جب اس کا سب کو یقین ہے تو انسان کو ہر وقت پُر حذر ہونا چاہیئے کہ جس عمل میں اُسے فائدہ ہو اُسے کرے ورنہ چھوڑ دے۔

ف: تقویٰ تمام اعمال سے عمدہ ہے اور یہی تقویٰ کرامات کا سبب ہے اور دنیا و عقبیٰ کے بہت بڑے مراتب کا سبب ہے۔

حکایت:

ایک شخص بصرہ میں مسکی کے نام سے بہت مشہور تھا۔ اس لیے کہ اس کے جسم سے ہر وقت خوشبو مہکتی تھی۔ اس کا سبب پوچھا گیا تو اُس نے کہا میں بہت بڑا حسین وجمیل تھا لیکن حیا بھی بیحد تھا لوگوں نے میرے والد کو مشورہ دیا کہ اسے بازار میں بیٹھاؤ تاکہ لوگوں کے میل جول سے اُس کا معاملہ درست ہو جائے گا۔ مجھے میرے والد نے ایک کپڑے والے کی دُکان پر بیٹھا دیا۔ ایک دن ہماری دکان پر ایک بڑھیا آدھمکی۔ اُس نے کہا کہ میری مالکہ گھر بیٹھی ہے اچھے اچھے کپڑے لے چلو اور جاکر اُسے دکھادو۔ ممکن ہے وہ زیادہ سے زیادہ کپڑے کی خریدار بن جائے۔ مجھے وہ اس بنگلے میں لے گئی جہاں اس کی مالکہ بیٹھی تھی۔ میں اندر گیا تو باہر سے تالے بند کر دیئے گئے۔ اور وہ بلا کی حسین تھی اور مجھ سے زنا کا مطالبہ کیا۔ میں نے اسے بہت سمجھایا۔ لیکن اُس نے ایک نہ مانی۔ میں نے سوچا کہ یہ ہرگز نہیں چھوڑے گی اس لیے میں نے بہانہ بنا کر کہا کہ میں نے بیت الخلاء میں جانا ہے فراغت پالوں پھر دیکھی جائے گی۔ جب بیت الخلاء پہنچا تو اندر جاکر پاخانہ سے تمام جسم کو مل دیا اور چہرے پر بھی پاخانے کی گندگی لیپ دی۔ اس پر اہل خانہ نے مجھے پاگل سمجھ کر گھر سے باہر نکال دیا۔ اس طرح سے مجھے غلط کاری سے حفاظت نصیب ہوئی اور میں گھر چلا آیا۔ رات کو خواب میں مجھے مبارک دی اور فرمایا کہ تُو نے حضرت یوسف ابن یعقوب علیہما السلام کا کردار ادا کیا اور یاد رکھ لے کہ میں جبریل (علیہ السلام) ہوں اُس کے بعد انہوں نے

میرے بدن اور چہرے پر ہاتھ مبارک پھیرا جس کی وجہ سے مجھ سے خوشبو مہکتی ہے۔ یہ انہیں جبریل علیہ السلام کے ہاتھ پھیرنے اور تقویٰ کی برکت ہے۔

تقویٰ اور اس کے اقسام عند الشرع تقویٰ نفس کو ان مضرتوں سے بچانا۔ جو آخرت میں نقصان پہنچا ئیں وہ تین قسم ہے۔

① شرک چھوڑ کر دائمی عذاب سے بچ جانا اسی طرف اشارہ ہے آیت والزمھم کلمۃ التقوٰی میں۔

② ہر گناہ سے کنارہ کشی کرنا۔ عرف میں یہی مراد ہے۔ آیت وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا الکفر تا میں

③ جو فعل اللہ تعالیٰ سے مشغول رکھے یہی حقیقی تقویٰ ہے۔ یہی مطلوب ہے آیت یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ میں۔

حکایت: حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک وزیر حاضر ہوا اور عرض کی مجھے بادشاہ سے بہت بڑا خطرہ ہے براہ کرم میرے لیے دعا فرمائیے۔ اور کہا کہ مجھے بادشاہ سے بہت بڑا ڈر ہے۔ آپ نے فرمایا جس طرح تو بادشاہ سے ڈر رہا ہے کاش میں بھی رب کریم سے ڈرتا تو میرا صدیقوں جیسا مرتبہ ہوتا ہے

گر نہ بودے امید راحت و رنج — پائے درویش بر فلک بودے،

در وزیر از خدا بترسیدے — ہمچناں کز ملک ملک بودے

ترجمہ: (۱) اگر راحت ورنج کی امید نہ ہوتی تو درویش آسمان پر چلے جاتے۔

(۲) اگر وزیر خدا سے اس طرح ڈرتا جیسے بادشاہ سے ڈرتا ہے تو وہ فرشتہ ہوتا۔

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور ہر لحظہ اس تصور میں رہے کہ میرا مالک مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔

تفسیر صوفیانہ ہر وقت بندے کے تصور میں ہو کہ میرا رب تعالیٰ میرے ہر عمل کو جانتا ہے اور اس پر مداومت رکھے اسے اہل تصوف مراقبہ سے تعبیر کرتے ہیں یہی ہر بھلائی کی جڑ ہے اور اس مرتبہ تک محاسبہ سے فراغت پانے کے بعد پہنچنا ہوتا ہے۔ جب بندہ اپنے گذشتہ اعمال کا محاسبہ کر لیتا ہے پھر اس وقت سے اُن کی اصلاح میں لگ جاتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ آئندہ سے ہر وقت طریق حق پر چلنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے مابین اپنی اصلاح میں لگ جاتا ہے کہ قلب کی رعایت و حفاظت کے لیے ہر سانس کو ذکر الٰہی کے سوا ضائع نہیں ہونے دیتا۔ یہاں تک کہ اپنا ہر حال اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھتا ہے اس طرح سے رقیب کا مفہوم اسے پورے طور سمجھ آجاتا ہے اور اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ میرا رب میرے بالکل قریب ہے۔ اور وہ میرے ہر حال سے باخبر ہے اور وہ میرے تمام افعال کو دیکھتا ہے اور میرے تمام اقوال کو سنتا ہے۔ جو شخص

اس طریقہ سے غافل ہے اس سے وصال کے راستے بند ہو جاتے ہیں - اور جب راستے مسدود ہو گئے تو پھر قرب کے حقائق کب نصیب ہو سکتے ہیں۔

حکایت: حضرت سلیمان بن علی نے حضرت حمید سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے - آپ نے فرمایا کہ تنہائی میں گناہ کرتے وقت یہ تصور کرنا کہ اللہ تعالیٰ تجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے تو پھر تم نے گناہ کر کے بہت بڑی جرأت کی ہے اور اگر تو نے گناہ کرتے وقت یہ تصور کیا کہ وہ اس وقت تجھے نہیں دیکھ رہا تو تو اس تصور سے کافر ہو گیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔

حکایت: ایک بزرگ سے اُن کے شاگردوں نے شکایت کی کہ آپ ہم سب میں سے صرف ایک سے خصوصی توجہ فرماتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے حالانکہ ہم سب آپ کی توجہ کریمانہ سے برابر کا استحقاق رکھتے ہیں۔ اس بزرگ نے انہیں فرمایا اس کی وجہ بتاؤں گا - چند روز ٹھہر کر ایک دن تمام شاگردوں کو علیحدہ علیحدہ پرندے دے کر انہیں ذبح کرنے کا حکم فرمایا اور شرط لگائی کہ ایسی جگہ جا کر ذبح کرو کہ جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو - اور اس شاگرد کو بھی پرندہ دے کر اسے بھی یہی فرمایا - سب کے سب تنہائی میں جا کر ان پرندوں کو ذبح کر کے واپس لوٹے - لیکن وہ شاگرد اس پرندے کو ذبح کئے بغیر واپس لایا - اسے سے ذبح نہ کرنے کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ استاد محترم کا حکم تھا کہ وہاں ذبح کرنا جہاں کوئی بھی نہ دیکھ رہا ہو - میں جہاں بھی اسے ذبح کرنے کے لیے گوشۂ تنہائی میں جاتا - مجھے اللہ کی ذات کا خیال دل پر غالب ہوتا کہ کوئی نہیں تو اللہ تعالیٰ تو یہاں پر موجود ہے اگر ذبح کروں تو پھر استاد مکرم کے ارشاد گرامی کے خلاف ہوگا اس لیے واپس لایا ہوں - استاد محترم نے اپنے شاگردوں سے فرمایا - اس کی اس نیک سیرتی کی بنا پر مجھے اس سے پیار ہے ؎

جہاں مرآتِ حسن شاہد ماست
فشاہد وجہہ فی کل ذرات

ترجمہ: یہ جہان محبوب حسن کا آئینہ ہے تو ہر ذرہ میں اسی کا مشاہدہ کر۔

تفسیر عالمانہ

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ۔
اور دو یتیموں کو ان کے اموال۔

حل لغات: الیتمٰی - یتیم کی جمع ہے - انسانوں میں ہر اس کو یتیم کہا جاتا ہے جس کا قبل از بلوغ باپ فوت ہو جائے اور حیوانوں میں جس کی ماں مر جائے۔

نکتہ: اس لفظ کا حق تو یہ ہے کہ یتیم ہر صغیر و کبیر کو کہا جائے - اس لیے کہ باپ کی زندگی پر وہ اپنے سرپرست کی سرپرستی سے محروم ہو گیا - شرعاً صرف غیر بالغ کو یتیم کہا جاتا ہے اس لیے کہ بلوغت کے بعد وہ کفیل کا محتاج نہیں رہتا۔

اس بنا پر وہ یتیمی کے استحقاق سے خارج ہو جاتا ہے ۔ یعنی انفراد کی حیثیت بالغ میں نہیں رہتی ۔

ف : یتیموں کو اموال دینے کا مطلب یہ ہے کہ مخاطبین کے لالچ کے تمام اسباب اُن کے اموال سے منقطع کر لیے جائیں اور اُن کے اموال سے ہر قسم کے ہاتھ لگانے والے کے ہاتھ روک لیے جائیں اور اُن کے اموال کو جُوں کا تُوں رہنے دیا جائے اور انہیں ہر قسم کی بالادستی سے محفوظ کر لیا جائے ۔ یہاں تک کہ وہ اس لائق ہو جائیں کہ وہ اپنے مال کو خرچ کرنے کے قابل ہو جائیں ۔ اور انہیں اُن کا مال صحیح واپس لوٹے ۔ یتیموں کو بالفعل مال دینا مراد نہیں ۔ کیونکہ اس کے لیے بلوغت، و رُشد کا پایا جانا شرط ہے ۔

سوال : اگر یتیموں کو بالفعل مال دینا شرط نہیں تو اُسے (ایتاء) یعنی مال دے دینے سے تعبیر کرنے کا کیا فائدہ

جواب : تاکہ سرپرستوں کو معلوم رہے کہ یہ مال یتیموں کو لامحالہ دینا ہے ۔ اور بالضرور یہ مال انہیں پہنچانا ہے ۔ نہ صرف اس خیال میں رہیں کہ ہم تو اُن کے اموال کا تعرض نہیں کرتے پھر اُن کے لیے بچ سکے یا نہ ۔

خلاصہ تفسیر اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے سرپرستو اور اے یتیموں کے کفیلو یتامیٰ کے اموال کی پُوری حفاظت کرو اور اُن کے نقصان کے درپے نہ رہو اور جب اُن کو اُن کے اموال واپس لوٹانے کا وقت پہنچے تو انہیں صحیح و سالم واپس لوٹا دو وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۔ اور ردی مال کو اچھے مال سے تبدیل نہ کرو ۔

حل لغات : تبدل الشیٔ بالشیٔ و استبدال الشیٔ بالشیٔ اخذ الشیٔ الاول بالشیٔ الثانی کو کہتے ہیں ۔ بعد اس کے کہ وہ شئے پہلے بھی حاصل ہو یا حاصل ہونے کو ہو ۔ یعنی اپنی حلال کی کمائی کو حرام کے غصبی مال سے تبدیل نہ کرو ۔ مطلب یہ ہے کہ یتامیٰ کے مال (جو کہ تمہارے لیے حرام ہے) کو اپنے حلال مال (جو تمہارا مباح مال ہے) سے تبدیل نہ کرو کہ حرام کو حلال کے بجائے کھاؤ ۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ اور اُن کے مال کو اپنے مال سے ملا کر نہ کھاؤ ۔

ف : یہاں پر اکل مال سے تصرف مُراد ہے ۔ اس لیے کہ جیسے یتیم کا مال کھانا حرام ہے ۔ اسی طرح اس کے مال میں ہر طرح کا تصرف (جو اُسے تباہ کر دے) حرام ہے ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ایسی صورت بھی تو ہے کہ اس سے بقدر ضرورت استعمال جائز ہے ۔

سوال : جب یتیم کے مال کا تصرف حرام ہے جو اسے نقصان دہ ہے تو پھر اسے اکل سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ۔

جواب : چونکہ تصرفات کے معظم اُمور سے اکل ہے اس لیے اس کا ذکر کیا گیا ہے ۔

ف : یہاں پر الیٰ بمعنیٰ مع ہے جیسے ارشاد ہے مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ میں الیٰ بمعنیٰ مع ہے ۔ آیت کا معنیٰ

یہ ہے کہ اُن کے اموال کو اپنے اموال میں ملا کر نہ کھاؤ اور نہ ہی انہیں اپنے مال کے برابر کر کے کھا جاؤ۔ یہی معنیٰ صحیح تر ہے اس لیے کہ تمہارا اپنا مال تمہارے لیے حلال ہے اور اُن کا مال تمہارے لیے حرام ہے۔

مسئلہ: آیت کے عموم سے وہ صورت خارج ہے کہ جب کہ یتیم کا متولی فقیر اور محتاج ہو تو اُسے اتنا قدر کہ جتنا وہ یتیم کی خدمت کرتا ہے یتیم کے مال سے خرچ کرنا جائز ہے (اس معنیٰ پر یہ آیت خص علیہ البعض ہے

مسئلہ: یتیم کے متولی کا جب کہ مال اپنا بھی ہو تب بھی اُس سے خرچ کرتا ہے تو قبیح ہے اسی لیے وَلَا تَتَبَدَّلُوا الخ کے باوجود پھر بھی بطور تاکید وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ فرمایا ہے اِنَّهٗ بیشک وہ یتیم کا مال کھانا جو کہ وَلَا تَاْكُلُوْٓا الخ کی نہی سے مفہوم كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ہے وہ بڑا گناہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت بڑا گناہ ہے فلہٰذا اس سے بچ کے رہو۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ قبیلہ بنی غطفان کے ایک مرد کے ہاں یتیم بھتیجے کا بہت سامال تھا جب وہ یتیم جوان ہوا تو اپنے چچا سے مال کا مطالبہ کیا تو وہ منکر ہو گیا یہ معاملہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں پیش ہوا تو یہی آیت نازل ہوئی۔ جب اس کے چچا نے یہی ارشادِ باری تعالیٰ سنا تو کہا ہم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری قبول کرتے ہوئے بہت بڑے گناہ سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہ کہہ کر اپنے بھتیجے کو تمام مال واپس لوٹا دیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نفس کے بُخل سے محفوظ ہو کر اپنے رب تعالیٰ کی اس شخص کی طرح اطاعت کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی بہشت میں داخل ہو گا۔ اُس کے بعد جب اس نوجوان نے اپنا مال قبضے میں لے لیا تو اُس نے اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کے راہ میں لُٹا دیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اجر ثابت ہوا اور گناہ باقی رہا۔ آپ سے پُوچھا گیا یہ کیسے۔ آپ۔ آپ نے فرمایا لڑکے کو تو ثواب ملے گا ہی لیکن اُس کے باپ پر اس لیے گناہ رہا کہ اُس نے مال کا حق ادا نہ کیا تھا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

از زر و سیم راحتی برساں — خویشتن ہم تمتع برگیر

چونکہ ایں خانہ از تو خواہد ماند — خشتی از سیم و خشتے از زر گیر

ترجمہ: (۱) زر و سیم سے حق تعالیٰ کا حق ادا کر اور خود بھی اس سے نفع اٹھا۔

(۲) یہ گھر یہاں رہ جائے گا فلہٰذا اس سے ایک سونے کی ایک چاندی کی اینٹ اٹھا لے۔

تفسیر صوفیانہ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ یعنی یتامیٰ کو حرص و حسد اور کمینگی اور خسیس ہونے کی عادت اور طمع وغیرہ خرابیوں سے پاک و صاف کرو۔ اور امانت و دیانت اور سینہ کی صفائی سے آراستہ کرو۔ اس لیے کہ مذکورہ بالا رذائل بہت بڑا گناہ ہیں یعنی بہت بڑے حجابات ہیں۔ دانا پر لازم کہ وہ اپنے نفس کو ردی اخلاق سے

پاک صاف کرے۔ کسی ایک کا طمع اور لالچ نہ کرے تھوڑی چیز ہو یا بڑی اُسے سخی ہونا چاہیئے اور اپنا مال بے شوہر عورتوں اور یتیموں پر خرچ کرنا چاہیئے بلکہ حتی الامکان اُن کے حقوق کی ادائیگی میں کوشش کرے۔

فہرست کبائر۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں چھ گناہ تباہ کن ہیں۔ کہ اُن کی توبہ بھی قبول نہیں۔

① یتیموں کا مال کھانا۔
② پاک عورتوں پر تہمت لگانا۔
③ جنگ سے بھاگنا۔
④ جادوگری۔
⑤ اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔
⑥ نبیوں میں سے کسی نبی علیہ السلام کو شہید کرنا۔

ف: وہ گھر بہت بڑا بابرکت ہے جس میں یتیم ہے اور خرابی ہو اس گھر میں کہ جہاں یتیم نہ ہو۔ یعنی اُن گھر والوں کیلئے بہت بڑی خرابی ہے کہ وہ یتیم کے حقوق پورے نہیں کرتے اور مبارکباد کے مستحق ہیں وہ گھر والے جو یتیم کی عزت و احترام میں کمی نہیں کرتے۔

حکایت منظوم

یکے خار پائے یتیمے بکند   بخواب اندرش دید صدر خجند
کہ میگفت و در روضہائی چمید   کزاں خار برمن گلہا دمید

ترجمہ: کسی نے کسی یتیم کے پاؤں سے کانٹا نکالا۔ کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ بہت بڑے اُونچے مقام پر فائز المرام ہو کر بہترین باغات میں ٹہلتا ہوا کہتا تھا کہ (اس یتیم کے) کانٹے نے میرے لیے کیسا بہترین باغ بویا ہے۔

حدیث شریف ایک شخص نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میرے ہاں یتیم ہے آپ فرمائیے کہ میں اسے کس بات پر سزا دوں اور کس بات پر سزا نہ دوں۔ آپ نے فرمایا جن سے تم اولاد کو سزا دے سکتے ہو یعنی جیسے اپنے بچے کو ادب سکھانے کے لیے واجبی سزا دی جاتی ہے۔ ایسے ہی یتیم کو بھی سزا دی جا سکتی ہے یعنی جتنا باپ بیٹے کو مار سکتا ہے اُتنی قدر یتیم کو بھی

مسئلہ: صرف ایک لقمہ یتیم کو دینا بہت سے طعام دوسروں کو کھلانے سے زیادہ ثواب ہے۔

مسئلہ: حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ تنبیہ الغافلین میں لکھتے ہیں کہ یتیم کو اگر مارے بغیر ادب سکھلایا جا سکتا ہے تو اسے نہ مارنا ہی بہتر ہے اس لیے کہ یتیم کو مارنا ایک شدید امر ہے۔

یتیم کے فضائل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یتیم کو مارا جاتا ہے تو عرش معلیٰ کانپ جاتا ہے جب کہ وہ روتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اسے کون رلاتا ہے جس کے باپ کو میں نے مٹی میں دبا دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ ہمیں تو اس کا علم نہیں پھر فرماتا ہے جو یتیم کو خوش رکھتا ہے میں اسے قبر میں خوش رکھوں گا۔

چو بینی یتیمے سر افگندہ پیش[1] ... مدہ بوسہ بر روئے فرزند خویش
یتیم ار بگرید کہ بارش برد ... وگر خشم گیرد کہ نازش خرد
الا تا نہ گرید کہ عرش عظیم ... بلرزد ہمی چوں بگرید یتیم
اگر سایہ خود برفت از سرش ... تو در سایہ خویشتن پرورش

ترجمہ: (۱) جب تم اپنے ہاں یتیم کو پاؤ تو اس کے سامنے اپنے بیٹے کو بوسہ نہ دو۔

(۲) اگر وہ غصہ کرے تو اس کا ناز کون اٹھائے گا۔

(۳) خبردار یتیم نہ روئے ورنہ عرش عظیم لرز جائے گا۔

(۴) اگر اس کا سایہ اس کے سر سے اٹھ گیا تو تم اپنے سایہ لے لو۔

حدیث داؤدی: اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو فرمایا یتیم کے ساتھ باپ جیسا برتاؤ کرو۔

ف: جیسی کھیتی بوؤ گے اسی کا پھل اٹھاؤ گے۔

ف: جس کی عورت نیک بخت ہو وہ اس بادشاہ کی طرح آسودہ ہے جس کا تاج سونے سے مرصع ہو کہ جب بھی وہ اپنی عورت کو دیکھتا ہے تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور جس کی عورت بدبخت ہے اس کی مثال اس بوڑھے ضعیف کی ہے کہ جس کے سر پر بہت بڑا بوجھ رکھ دیا جائے ؎

کرا خانہ آباد و ہمخوابہ دوست ... خدا را برحمت نظر سوئے اوست
دلا رام باشد زن نیک خواہ ... ولیک از زن بد خدایا پناہ
تہی پائے رفتن بہ از کفش تنگ ... بلا سفر بہ کہ در خانہ جنگ

ترجمہ: جس کا گھر آباد اور عورت موافق ہو اللہ کی اس پر رحمت کی نگاہ ہے۔

---

[1] جب تم اپنے ہاں یتیم کو پاؤ تو اس کے سامنے اپنے بیٹے کو بوسہ نہ دو۔

(۲) خیر خواہ بیوی محبوب ہوتی ہے لیکن بری بیوی سے خدا بچائے۔
(۳) تنگ جوتی سے ننگے پاؤں چلنا بہتر ہے گھر میں جھگڑا ہو اس ذلت سفر کی مصیبت جھیلنا بہتر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى ۔
اور اگر تم خوف میں ہو کہ یتیموں کے متعلق انصاف نہیں کر سکو گے۔

حل لغات: لَاتُقۡسِطُوۡا الا قسالا سے ہے بمعنے۔ العدل اور خوف سے مراد علم ہے۔

سوال: علم کو خوف سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب: علم کا مفعول یعنی جو شئے معلوم ہے وہ خوفناک اور ڈراونی ہے اس لیے علم (یعنی علمتم) کے بجائے خوف (خفتم) استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں خوف اپنے حقیقی معنے میں نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس خوف سے جس کا جواب معلق کیا ہے وہ علم بوقوع الجور المخوف کرنا ہے۔

شان نزول زمانۂ جاہلیت میں عادت تھی کہ وہ یتامیٰ کی ماؤں سے نکاح کر لیتے۔ جس سے نکاح کرنا اُن کے لیے جائز ہوتا۔ یتامیٰ کی پرورش کی نیت پر نہیں بلکہ یتامیٰ کے ملک و مال کے لالچ میں۔ پھر ان عورتوں کو ذلیل و خوار کرتے اور اُن کا معاشرہ تنگ کر دیتے۔ پھر اس تمنا میں رہتے کہ کہیں یہ مر جائیں تاکہ ہم اُن کی وراثت سنبھالیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو ان یتیم لڑکیوں کے نکاح کے شوق میں رہتے خواہ اُن یتیم لڑکیوں کا سن اُن سے مطابقت بھی نہ رکھتا ہو۔ اس سے انہیں روکا گیا کہ ان سے نکاح نہ کرو۔ ہاں اگر اُن کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کر سکو کہ حق مہر بھی ادا کرو اور معاشرہ بھی اچھا رکھو۔ دوسرے قول کے مطابق انہیں حکم ہوا کہ یتیم لڑکیوں سے نہیں بلکہ اُن کے ماسوا کسی اور عورت سے نکاح کرو۔ اگر اس سے انصاف نہیں کر سکتے ہو تو ورنہ کوئی حرج نہیں۔

خلاصہ تفسیر آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اگر تمہیں خوف ہے کہ یتیمی سے انصاف نہیں کر سکو گے جب کہ تم اُن سے نکاح کرتے ہو کہ ان سے معاشرہ صحیح نہیں ہو گا یا ان کی حق مہر پوری ادا نہیں ہو گی فَانۡكِحُوۡا مَا تو نکاح کرو اُن سے یہ ما موصولہ یا موصوفہ ہے۔ یہاں وہ وصف مراد ہے جس کو مرد اور عورت دونوں اختیار کریں گے یعنی نکاح۔ طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ تمہارے لیے خوش لگے عورتوں میں سے۔ یعنی یتیمی کے بغیر جیسے مقام حال سے یا قرینہ سے معلوم ہوتا ہے پس اجنبی عورتوں میں سے جن کو تم چاہو۔ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ دو دو۔ تین تین۔ چار چار۔ یہ طاب کے فاعل سے حال ہے یعنی پاکیزہ طبع اور گنتی کی چند عورتوں سے نکاح کرو اور یہ گنتی دو دو۔ تین تین۔ چار چار جیسے تم چاہو۔ معنیٰ یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے ان میں سے جس عدد کو چاہے نکاح کرے یہ معنیٰ نہیں کہ تم میں سے بعض اُن کے بعض کو اختیار کرے اور دوسرے بعض دوسرے وغیرہ وغیرہ۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا ۔ پس اگر تمہیں خوف ہے کہ عدل نہیں کر سکو گے یعنی ان کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکے گا اگرچہ مذکورہ اعداد میں تھوڑے عدد کے مطابق نکاح کرو ۔ جیسے تمہیں بنا ملی سے نکاح یا اس سے زائد نکاح کرنے میں تمہیں عدم انصاف کا خطرہ ہے فَوَاحِدَۃً پس ایک سے یعنی لازم پکڑ دیا ۔ اختیار کرو ایک کو زیادہ کا ارادہ بالکل ترک کر دو اَوْمَا ۔

سوال: یہاں لفظ من کیوں ترک کیا گیا ۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ لونڈیوں کا رتبہ آزاد عورتوں سے کم ہے ۔ یعنی وہ جو کہ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مالک ہو تمہارے سیدھے ہاتھ جتنی مقدار تمہارے قبضہ میں آئی ہیں یعنی مقدار اعداد میں سے ۔ اس کا عطف واحدۃً پر ہے یہ لزوم و اختیار لونڈیوں کو خدمت گاری کے لیے ہے نہ کہ نکاح کرنے میں کہ اس پر عطف ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ لونڈیوں کا نکاح ملک یمین پر موقوف اگرچہ دونوں جگہوں پر مخاطب ایک ہیں ۔

سوال: ایک حرہ اور متعدد لونڈیوں کا سہولت و آسانی میں ایک حکم کیوں ۔

جواب: پہلے تو ان کا تابع ہونا قلیل ہوتا ہے دوسرا ان کے اخراجات وغیرہ معمولی ہوتے ہیں تیسرے ان میں برابری کی تقسیم ضروری نہیں ہوتی ۔ (ذٰلِکَ) یہ اشارہ ایک سے نکاح کرنے کے اختیار پر ہے اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ زیادہ قریب ہے کہ تم کسی عورت پر ظلم نہیں کرو گے ۔

حل لغات: لاتعولوا العول سے مشتق ہے یعنے المیل ۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں عَالَ الْمِیْزَانُ عَوْلًا یہ اس وقت کہتے ہیں جب ترازو کسی طرف جھک جائے اور کہتے ہیں عال فی الحکم ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی حکم میں ظلم کرے ۔ یہاں پر وہ میل مراد ہے ۔ جو شرعًا ممنوع ہے جو عورتوں سے عدل کے بالمقابل ہو کر مستعمل ہوتا ہے ۔

نکتہ: عورت حرہ یا لونڈیوں سے نکاح میں اختیار میں نکتہ یہ ہے کہ بہ نسبت دوسری عورتوں کے جھگاڑے میں میں زیادہ قریب ہے کہ تم ظلم کے مرتکب نہیں ہو گے کہ جس ظلم سے تم روکے گئے ہو ۔ اس لیے کہ ایک عورت سے نکاح سے دوسری جب ہے نہیں تو پھر جھگاڑے سے ظلم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔ اور لونڈیوں میں برابر کی تقسیم کا حکم ہی نہیں بخلاف متعدد آزاد عورتوں سے نکاح کرنے میں کہ اس میں میلان ممنوع ممکن ہے کہ اس صورت میں میلان کا محل بھی ہے اور رکاوٹ کے حکم کے وقوع کا بھی امکان ہے وَاٰتُوا النِّسَآءَ اور ان عورتوں کو دو کہ جن کے ساتھ نکاح کی تمہیں اجازت ہے صَدُقٰتِهِنَّ ان کی مہریں (صدقات) صدقۃ کی جمع ہے بمعنی مہر نِحْلَةً وہ عطیہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اوپر فرض ہے ۔ اس لیے کہ یہ بھی منجملہ ان فرائض میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر نحلہ میں فرض فرمایا ہے نحلہ بمعنی ملت و شریعت و دیانت ہے ۔ اس کا منصوب ہونا

صدقات سے حال واقع ہونے کی وجہ سے ہے یعنی انہیں اُن کی حق مہر ادا کرو درانحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے
تمہارے اُوپر فرض ہے یا انہیں بطور دیانت کے ادا کرو اس دوسرے معنیٰ پر اس کا منصوب ہونا مفعول لہ کی بنا پر
ہے ۔یعنی ان کو حق مہر دو بطور دیانت و شریعت کے یا بطور ہبہ اور اللہ تعالیٰ سے عطیہ کے اور ان پر بطور تفضل و احسان
کے اس معنیٰ پر اُس کا منصوب ہونا بوجہ حال کے یا یہ عطیہ ہے شوہروں کی طرف سے ۔یہ مشتق ہے "نحلہ" سے تب اس
وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی کسی کو بطیب خاطر کچھ دے ۔ نحلۃً اور نُحلٌ ہر دونوں مصدر ہیں۔

سوال : حق مہر کو نحلہ (عطیہ) سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ یہ تو واجب ہے۔

جواب : اس طرف اشارہ ہے کہ اس وجوب کو چٹی نہ سمجھے بلکہ شوہروں کو چاہیے کہ یہ وجوب کمال رضا اور طیب
خاطر سے دے ۔ اس بنا پر اس میں ایتاء کا معنیٰ ہوگا ۔ اور نحلہ کا منصوب ہونا بوجہ مصدریۃ (مفعول مطلق) کے ہے
گویا یوں کہا گیا ہے اَعْطُوْهُنَّ مُهُوْرَهُنَّ یعنی انہیں حق مہر بخوشی و رضا عطا کرو ۔ اس بنا پر یہ خطاب شوہروں
کو ہوگا ۔ بعض کے نزدیک یہ خطاب مقولیوں کو ہے اس لیے کہ وہ اپنی لڑکیوں کا حق مہر لیا کرتے ۔ یہ حق مہر لیکر کہتے
تجھے مبارک ہو ۔ عظمت والی سے یہ اس کے لیے کہا جاتا ہے ۔ جیسے لڑکی پیدا ہو ۔ وہ اس لیے کہ وہ اس لڑکی کا حق مہر لیتے تھے
اس بنا پر وہ لڑکی کا متولی معظم سمجھا جاتا فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ پس وہ اگر خوش ہو کر اُس سے کچھ دیں
منہ کی ضمیر صدقات کی طرف لوٹتی ہے ۔

سوال : صدقات کی جمع مؤنث ہے پھر ضمیر واحد اور مذکر ۔ یہ کیوں ۔

جواب : چونکہ یہ صدقات مہر کے قائم مقام ہیں اس بنا پر یہ ضمیر واحد مذکر کی لائی گئی ہے اور کبھی اس واحد مذکر ضمیر سے
متعدد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور لام فعل کے متعلق ہے اور اسی طرح اس کا صلہ عن بھی آتا ہے لیکن اس وقت
یہ فعل تجافی و تجاوز کے معنے کو متضمن ہوگا ۔ اور منہ کا متعلق محذوف ہے اور یہ شئی کی صفت ہے یعنی وہ جو کہ حق مہر سے ہو۔
مسئلہ : اس میں عورتوں کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ مردوں کے قلیل عطیہ سے راضی برضا رہیں نَفْسًا طبن سے تمیز ہے

سوال : پھر نفساً واحد ہے اور وہ صیغہ جمع ہے باقتضائے قیاس نفوساً ہونا چاہیئے (جواب) اس سے جنس مطلوب ہے اب معنیٰ یہ ہوا
وہ تمہیں اپنی حق مہر سے کچھ نفسانیت سے خالی ہو کر عطا کریں اور اُس میں وہ پاکیزہ کردار ادا کریں نہ کہ خباثت کا مظاہرہ
کریں کہ مجبور ہو کر دے دیں لیکن پھر اس کے بعد تمہاری بداخلاقی اور گندے معاشرہ کی شکایت کرتی پھریں فَكُلُوْهُ ۔
پس اسے کھاؤ یعنی وہ شئے جو وہ خوش ہو کر دیں تو وہ لے لو اور مالک ہو کر جس طرح چاہو تصرف کرو ۔

سوال : اکل (کھانے) سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ۔

جواب : اس لیے کہ مالی تصرفات میں سے (اکل) کھانا معظمات میں سے ہے هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا رچتا پچتا ۔ یہ
دونوں صفتیں ہیں هَنِيْٓئًا هنأ الطعام سے اور مریئاً مرأ الطعام سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں ۔ جو خوشگوار طعام ہو اور

اُس میں کسی قسم کی نفرت طبعی نہ ہو۔ اُن کا منصوب ہونا اکلاً محذُوف کی صفت ہونے کی وجہ سے بہ بنائے مصدریّۃ (مفعول مطلق) ہے۔

مسئلہ: اس عبارت کا اضافہ فرمایا ہے کہ عورتیں حق مہر سے مَرد کو جو کچھ دیں وہ مرد کے لیے حلال اور مُباح ہے اور بہ ایں معنٰی ہے کہ وہ اباحۃ علی طریق الاصالۃ ہے نہ کہ بطریق تبعیت۔

شانِ نزُول: اہل عَرب عورت کی واپس کردہ حق مہر کو لینا گناہ سمجھتے تھے۔ اُن کے اس خیال فاسد کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ: آیت میں دلیل ہے کہ اس میں احتیاط واجب ہے کہ خواہ مخواہ عورت کے کہنے سے اُس کی حق مہر لے لے بلکہ پوری تحقیق و تجسس کے بعد لے اس لیے اُسے حرفِ شرط سے مشروط کیا گیا ہے۔ کہ اگر وہ بخوشی و رضا دیں تو لو ورنہ نہ اور اُس کی خوشی و رضا صرف لفظوں سے نہیں بلکہ دیگر قرائن کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔

مسئلہ: عورت کو حق مہر ہبہ کر کے اس سے رجوع کرنا بھی اس کے لیے جائز ہے۔ اگرچہ حیلہ بہانہ کے طور سہی لیکن ایسے کرنا اسے مناسب نہیں۔

مسئلہ: آیت میں عورتوں کو بھی سمجھایا گیا ہے کہ وہ شوہروں سے نیک سلوک کریں۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ مرد و عورت آپس میں احسن معاشرہ کا مظاہرہ کریں۔ اس لیے کہ وہ شخص بہترین انسان سمجھا جاتا ہے جو اپنے اہل و عیال سے نیک سلوک رکھے۔ اور انہیں زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ عورت کا جہاد یہ ہے کہ وہ شوہر سے نیک سلوک رکھے۔

حدیث و حکایت: مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں ایک عورت تھی کہ جب اُس کا شوہر سفر سے واپس لوٹتا تو وہ استقبال کے لیے آگے حاضر ہو کر کہتی "مرحبا بسعیدی" یعنی میرے اور سارے کنبہ کے سردار تشریف لائے ہو۔ پھر آگے بڑھ کر اُس کے کاندھے پر سے چادر اُتارتی پھر پاؤں پر گر کر اُس کا جوتا اتارتی۔ اگر اسے غمگین دیکھتی تو دعائیں دیتی ہوئی کہتی کہ تجھے کسی بات نے غمگین کیا ہے۔ اگر تیرا غم بوجہ آخرت کے ہے تو اللہ تعالیٰ برکت دے اور دُنیا کا کوئی غم ہے تو اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا۔ گھبراتے کیوں ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس عورت کے شوہر سے فرمایا۔ تیری عورت تیرے حق میں بہت بڑی نیک اخلاق ہے میری طرف سے اُسے سلام کہہ دینا اور ساتھ ہی خوشخبری سُنا دینا کہ اُسے اس عمل کی وجہ سے آدھے شہید کا ثواب نصیب ہوگا۔

نیکبخت عورت کے علامات: نیک بخت عورت کے چند علامات ہیں۔

(۱) دل میں خشیتِ الٰہی ہو۔

(۲) اُس کا غنا قناعت ہو۔

(۳) اس کے زیور پاکدامنی ہوں۔ یعنی وہ شرور و مفاسد سے محفوظ ہو۔
(۴) اُس کی عبادت فرائض کے بعد اپنے شوہر کی بہترین خدمت ہو۔ اس کا ارادہ ہر وقت موت کی تیاری کا ہو ؎

اگر پارسا باشد و خوش سخن — نگہ در نکوئی و زشتی مکن
زن خوب خوش طبع گنجست و مار — رہا کن زن زشت ناسازگار

ترجمہ: (۱) اگر بیوی نیک اور خوش سخن ہے تو پھر اس کے حسن و قبح کو نہ دیکھ۔
(۲) بیوی حسین بھی اور خوش خلق بھی تو وہ تیرا خزانہ ہے ہاں وہ بیوی سانپ ہے جو بدشکل کے باوجود تیرے ساتھ ناموافق ہے۔
یعنی اس عورت کو چھوڑ دے کہ جس میں نہ تو حسن و جمال ہے اور نہ ہی تیرے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتی ہے۔

حکایت: حضرت سکندر کے ہاں ایک دن تمام ارکینِ دولت جمع تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ اے سکندرِ اعظم آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا ملک عطا فرمایا ہے اور شان و شوکت کی بھی کمی نہیں فلہذا آپ بہت زیادہ عورتوں سے نکاح فرمائیے تاکہ آپ کی اولاد کا دائرہ وسیع ہو۔ اور تیرے بعد تیرا نام بلند کریں گے۔ حضرت سکندر نے فرمایا، اولاد وہ نہیں جو تو نے بیان کی ہے۔ انسان کی اولاد اُس کی نیکیاں اور اچھے اخلاق ہیں۔ اور پھر بہادر مرد کے لائق نہیں کہ اُس پر عورتیں غالب ہوں جب کہ وہ تمام عالم دنیا پر غالب ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎
یغلبن الکرام ویغلبھن اللئام ممتاز شخصیتوں پر عورتیں غالب ہو جاتی ہیں لیکن اُن پر کمینے آدمی غلبہ پا جاتے ہیں ؎

چو نیست پیش پدر ایں قدر یقین کہ پسر — زخیل بے خرد انست یا خردمنداں
بس ست سیرت نیکو حکیم را فرزند — زبوں زن چہ شود بر امید فرزنداں

ترجمہ: (۱) جب باپ اپنے بیٹے پر یقین نہ ہو کہ وہ بے وقوفوں سے ہے یا داناؤں سے۔
(۲) حکیم (دانا) کو بیٹے نیک سیرۃ اتنا کافی ہے یہ ارکا اس کی بیوی نیک ہو ورنہ بری بیوی سے نیک اولاد کی امید کیسی۔
حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے بوستان میں فرماتے ہیں ؎

حکایت منظوم:

چہ نغز آمد ایں یک سخن زاں دو تن — کہ سرگشتہ بودند از دست زن
یکے گفت کس را زن مباد — دگر گفت زن در جہاں خود مباد

ترجمہ: (۱) دو شخصوں سے یہ بات کیسی عجیب سنی گئی اور وہ دونوں عورتوں کے ستائے ہوئے تھے۔

(۲) ایک نے کہا کاش بری عورت نہ ہوتی دوسرے نے کہا یہ خود پیدا نہ ہوتی ۔

زنِ نوکُن اے دوست ہر نو بہار
کہ تقویم پارین نیاید کار

ترجمہ: اے دوست ہر نئی بہار نئی عورت سے نکاح کر اس لیے کہ پرانی تقویم بیکار ہو جاتی ہے ۔

خلاصہ ترجمہ: دو شخص آپس میں محو گفتگو تھے ۔ ایک نے کہا سرے سے جہاں میں عورت پیدا نہ ہوتی ۔ دوسرے نے کہا پیدا تو ضرور ہوتی لیکن بدعادت نہ ہوتی ۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہر نئے سال نئی عورت سے نکاح چاہیئے ۔ اس لیے کہ پرانی تقویم بیکار ہو جاتی ہے ۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ میری اُمت کے تین ایسے شخص ہیں کہ وہ دُنیا کی عمر کے برابر یعنی سات ہزار سال کے مطابق تین بار جہنم میں رہیں گے ۔

① موٹے لیکن دُبلے ۔
② کپڑے پہننے والے لیکن ننگے ۔
③ اہل علم لیکن جاہل ۔

عرض کی گئی یا رسول اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں ۔ فرمایا موٹے لیکن دُبلے ان عورتوں کی مانند ہیں جو با اعتبار گوشت کے موٹی تازی ہیں لیکن دینی اُمور کے لحاظ سے کمزور ہیں ۔ اور وہ جو کہ کپڑے پہننے والے لیکن ننگے ان عورتوں کی طرح ہیں جو کپڑے تو پہنتی ہیں لیکن حیا سے خالی ہیں ۔ اور اہلِ علم لیکن جاہل ہیں ۔ اُن اہل علم کی اُن تاجروں جیسی مثال ہے ۔ جو دنیوی کاروبار میں بہت بڑے چُست و چالاک ہیں اور دنیوی معاملات کو خوب جانتے ہیں ۔ لیکن آخرت کے اُمور سے بالکل بے خبر ۔ اسی طرح وہ عُلما ۔ جو دنیوی اُمور کے تو حافظ ہیں لیکن اُمور آخرت سے اتنے غافل ہوتے ہیں کہ انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ یہ مال کہاں سے جمع کر رہے ہیں ۔ وہ حلال مال سے سیر نہیں ہوتے اور نہ ہی معاذ اللہ حرام مال کھانے سے چوکتے ہیں ۔ وَلَا تُؤْتُوا اور اے یتیمی کے سرپرستو! نہ دو السُّفَهَاءَ بے وقوفوں کو یعنی اسراف کرنے والوں کو وہ مرد ہوں یا عورتیں اور وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں (یہ یتیموں کے متعلق ہے ۔

اَمْوَالَكُمُ اپنے مال ۔

سوال: اَموال کی اضافت اُولیاء (متولیوں) کی طرف کیوں گئی ہے ۔

جواب: سرپرستوں کے عارضی قبضے کے لحاظ سے ۔ اَب اُن سے یہ مال ایسا مخصوص ہُوا ہے کہ گویا یہ اُن کا اپنا مال ہے ۔ علاوہ ازیں ان میں اتحاد جنسی و نسبی بھی ہے ۔ اس میں مبالغہ بھی ہے کہ وہ اس مال کو اپنا مال سمجھ کر محافظت کریں

چنانچہ اُس کی آنے والے جملہ سے بھی تائید ہوتی ہے کہ یتامیٰ کے معاش کو متولیوں کی معاش پر موقوف فرمایا چنانچہ فرمایا اَلَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیٰمًا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اسے قیام کا سبب بنایا۔ یعنی اموال کو ایسی شئے بنایا ہے کہ جس پر تمہارا قائم ہونا اور نشوونما موقوف ہے۔ اگر تم اُسے ضائع کر دو گے تو خود ضائع ہو جاؤ گے۔ چونکہ مال قیام و استقلال کا سبب ہے اس لیے قیام سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے عام قاعدہ ہے کہ بطور مبالغہ کے سبب پر سبب کا اطلاق ہوتا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنی ضروریات کے اعتبار سے اپنے قائم ہونے کے لیے اموال کا اتنا محتاج نہیں کہ گویا وہی خود قیام ہیں بہر حال اس میں مجاز ہے وَّارْزُقُوْھُمْ فِیْھَا وَاکْسُوْھُمْ۔ اور انہیں رزق دو اور کپڑے پہناؤ۔

حل لغات: رزق اللہ تعالیٰ سے اس عطیہ کو کہتے ہیں کہ جس کا حد و حساب نہ ہو اور جو بندوں سے ملے اُسے موقت اور مختلف عطیہ کہتے ہیں۔ یعنی تم ان یتامیٰ کو انہی اموال سے کھلاؤ پلاؤ وغیرہ۔

سوال: وَارْزُقُوْھُمْ فِیْھَا کے بجائے منہا کیوں نہیں فرمایا۔

جواب: تاکہ منہا کہنے سے یہ امر نہ سمجھا جائے کہ اس اموال سے بعض مال کھلاؤ پلاؤ بلکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اُن کے اموال کو اپنے اموال جیسا سمجھ کر اسے تجارت پہ لگاؤ اور خوب بڑھاؤ پھر انہیں اس مال کے منافع سے میٹھے بول بولو۔ یعنی اُن سے ایسی گفتگو کرو کہ جس سے اُن کے جی خوش ہو جائیں۔

مسئلہ: حضرت قفال مرحوم فرماتے ہیں کہ متولی یتیم کے مال کو یوں سمجھے کہ حقیقتاً مال تو اس کا ہے میں تو اس کا صرف خزانچی ہوں۔ جب یتیم سن رشد کو پہنچے تو اسے اس کا مال بلاکم وکاست واپس لوٹا دے۔

مسئلہ: اگر متولی کی سرپرستی میں بیوقوف پرورش پا رہا ہو تو اسے افہام و تفہیم کرے کہ فضول خرچی میں یہ خرابیاں ہیں فلہذا اسراف و تبذیر سے بچ کے رہنا۔ نماز و عبادت کی ترغیب و ترہیب دلائے پھر سمجھائے کہ اسراف و تبذیر کا نتیجہ افلاس و تنگ دستی ہے۔ پھر در در کے دھکے کھاؤ گے اس طرح کی باتیں اسے گاہے گاہے بتائے۔

مسئلہ: جب وہ یتیم سن رشد کو پہنچے اور وہ اپنا مال اپنے سرپرست سے طلب کرے تو اگر وہ اسے نہیں دیتا تو گنہگار ہو گا۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ مال ایک خطرناک شئے ہے اگرچہ اس کے اندر منافع بھی ہیں۔

مسئلہ: اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مال مؤمن کا ہتھیار ہے کہ اسے تنگدستی سے بچاتا ہے جو تنگدستی انسان کے دین کو برباد کر دیتی ہے۔ اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تجارت کا پیشہ اختیار کرو اور کسب حلال کی عادت ڈالو۔ اس لیے کہ تم ایسے نازک دور سے گزر رہے ہو کہ جب تم تنگدستی کا شکار ہو گے تو سب سے پہلے تمہارا دین برباد جائے گا۔ جب وہ کسی کا جنازہ اٹھتا دیکھتے تو فرماتے اب تم دکان میں جا کر بیٹھو گے (یعنی دنیا میں جو کچھ

کما کے جاؤ گے وہی تمہیں قبر میں ملے گا۔

مسئلہ: حضرت امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت مُدانیہ میں مال کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔ مثلاً ہمیں حکم فرمایا ہے کہ لین دین کے وقت لکھائی اور گواہی اور رہن ضروری ہے۔

عقلی دلیل تقریر مذکور کی عقل بھی تائید کرتی ہے۔ وہ اس طرح کہ انسان اگر فارغ البال نہیں ہوگا تو اس سے نہ دنیوی امور طے ہو سکیں گے اور نہ اُخروی اور یہ فراغت مال و اسباب سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ منافع کا حصُول اور نقصانات کا دفعیہ اس پر موقوف ہے ۔

شب پراگندہ خسپد آنکہ بدید　　　بُود وجہ بامداد نش
معذ گردِ آور دبنا بستاں　　　تا فراغت بود در مستانش

ترجمہ: ① رات کو پریشان ہو کر سوتا ہے جو سمجھتا ہے کہ صبح کو کیا کھاوں گا۔
۲ چیونٹی سرما کا خرچہ گرما میں جمع کر لیتی ہے تاکہ سرما میں آرام سے کھائے گی۔

تفسیر صوفیانہ جو شخص دنیا کو مذکورہ غرض کی بنا پر حاصل ہے تو اُسے ایسی دنیا سعادت دارین کے حصول پر معین و مددگار ثابت ہو گی۔ اور جو شخص دُنیا کی غرض پر حاصل کرتا ہے تو وہی دُنیا اُس کے لیے سعادتِ اُخرت کے لیے سدِّراہ بن جائے گی۔ انسان کا بہترین مال وہ ہے جو اُسے منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔

ف: انسان پر ضروری ہے کہ مال کو اللہ تعالیٰ کے راہ میں اس قدر لٹائے کہ وہی مال اُسے آخرت اور جنت اور قربتِ الٰہی نصیب فرمائے ۔

چو دخلت نیست خرج آہستہ ترکن　　　کہ ملا حال ہمی گو یند سرودے
اگر باراں بکوہستاں نبارد　　　بسالے دجلہ گرد د خشک رودے
درخت اندر خزانہا بر فشاند　　　زمستاں لاجرم بے برگ ماند

ترجمہ: ① جب تیرے پاس آمدنی نہیں تو خرچ کم کر دے کیونکہ کشتبانوں کا یہ مقولہ مشہور ہے۔
② اگر بارش نہ ہو تو اس سال دجلہ پانی نہیں دے گا۔
③ درخت گرما میں پھل دیتا ہے لیکن سرما میں تو اس کے پتے بھی جھڑ جاتے ہیں۔

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال انسان کو اس لیے عطا فرمایا ہے کہ وہ اپنی دنیا و آخرت کو سنوارے۔ اس بنا پر دانا وہ ہے جو مال کو حتی الامکان اس لیے خرچ کرے کہ اُسے آخرت میں بہت بڑے مراتب نصیب ہوں اور امور میں بھی اتنا قدر خرچ کرتا ہے جس قدر اسے ضرورت ہے اور بیوقوف وہ ہے جو دینوی اغراض پر تو اَن گنت خرچ کرتا ہے لیکن دینوی امور میں معمولی طور۔ اس لیے ایسے بیوقوفوں کے لیے روکا گیا ہے کہ اے

متویو۔ یعنی مشائخ کرام ایسے بیوقوفوں کو مال مت سپرد کرو۔ منجملہ بیوقوفوں کے انسان کا اپنا نفس بھی ہے جو کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو انسان اپنے نفس پر مال خرچ کرتا ہے اس میں ہزاروں مفاسد ہوتے ہیں۔ اس سے اس کا دین بھی برباد اور دنیا بھی خسارے میں۔ ہاں اس سے ایک خرچ مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ انہیں اتنا قدر مال دو جتنا وہ اپنی بھوک کا انسداد کر سکیں اور انہیں اتنا قدر کپڑے دو جتنا قدر ستر عورت کر سکیں۔ اس سے کچھ زاید دو گے تو وہ اسراف و تبذیر میں شامل ہوگا۔ یعنی نفس کے حق میں اسراف و تبذیر ہوگا۔ جس سے شرع نے روکا ہے یعنی اسراف و تبذیر سے وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا نفس کے لیے قول معروف کا طریقہ یہ ہے کہ اسے سمجھائے کہ تو نے اللہ تعالیٰ کا رزق اور اس کی نعمتیں کھائی ہیں فللہذا تجھے اس کی نعمت کا شکر ادا کرنا ضروری ہے کہ اس کے ارشادات کو بجالا اور اس کے منہیات سے باز رہ اور کھائے ہوئے طعام اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہضم۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا طعام کو ذکر اور نماز سے ہضم کرو۔ اس کا کم از کم ایک دوگانہ ضروری ہے یا ایک سو بار تسبیح پڑھے یا ایک پارہ قرآن مجید کا پڑھ لے۔ یعنی کھانے کے بعد کم از کم مذکورہ وظائف ادا کرے۔

نکتہ: طعام کھا کر سوجانا اور ذکر الٰہی یا نماز وغیرہ نہ پڑھی جائے تو اس سے دل پر زنگ چڑھ جاتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دل کی قساوت سے پناہ مانگتے ہیں۔

نسخہ روحانی: ذکر الٰہی و نماز وغیرہ کی ادائیگی سے ایک طرف قساوتِ قلبی دور ہوگی اور دوسری شکر کی بجاآوری ہوگی۔

دوسری صوفیانہ تقریر وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ الخ دوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ علوم کے اموال اور معارف کے خزانے نااہل کو سپرد نہیں ہونے چاہئیں۔ اور نہ ہی ان کے متعلق انہیں کچھ افہام و تفہیم فائدہ دیتی ہے۔

حکایت: بعض بزرگوں نے بعض کرامت کسی کو بیان کی۔ کسی نے سن کر کسی نااہل مجلس میں جا کر بیان کر دی سننے والوں نے یکسر انکار کر دیا۔ جب اس صاحب کرامت کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ اونٹوں کی خرید و فروخت مرغیوں کے بازار میں نہیں چاہیئے۔ یعنی نااہل کے سامنے ایسی باتیں نہ سنائی جائیں ؎

در بغست با سفلہ گفت از علوم
کہ ضائع شود تخم در شورہ بوم

ترجمہ: کمینے کو علم پڑھانا ایسے ہے جیسے شور زمین میں بیج ضائع کرنا ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى - اور یتیموں کو آزماؤ - یعنی اے یتامیٰ کے متولیو! اور سرپرستو! پوری جانچ پڑتال کرلو کہ وہ یتیم صاحب سمجھ ہے یا بیوقوف ہے اُن کے حالات کے تجسس سے کہ ان میں دین کی کتنی صلاحیت ہے اور مال کو ضبط مال اور اس میں حُسن تصرف کی ان میں کیسی اہلیت ولیاقت ہے اُن کے حالات کو دیکھ کر تجربہ کرلو - اگر وہ تجارت کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں تو انہیں دہی مال دے دو ــــ تاکہ وہ بیع وفروخت کریں - اگر اُن کے نام جاگیریں ہیں یا نوکر وچاکر ہیں تو انہیں نوکروں چاکروں کے اخراجات ان کے حوالے کردو تاکہ وہ اُن پر خرچ کریں اس سے تمہیں اُن کے حالات کا جائزہ ہوگا - حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ یہاں تک کہ نکاح کے وقت تک کو پہنچیں - یعنی اُن کو احتلام ہو جائے - اس لیے کہ اس سے معلوم ہوگا کہ اب وہ بالغ ہو گئے ہیں - فلہٰذا اب وہ نکاح کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں فَاِنْ اٰنَسْتُمْ پس اگر تم اُن سے محسوس کرو یعنی مشاہدہ کرکے دیکھ لو اور تمہیں اُن کے بالغ ہونے کا یقین ہو جائے - مِّنْهُمْ رُشْدًا اُن سے صلاحیت کو - یعنی اُن کے دین کی صلاحیت محسوس ہوتی ہے اور تصرفات کے طریقے میں انہیں پوری مہارت معلوم ہوتی ہے کہ ان میں نہ عاجز ہیں اور نہ ہی فضول خرچی کرتے ہیں فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ حدودِ بلوغ کے بعد بلا تاخیر انہیں اُن کے اموال دے دو -

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ جو لڑکا بالغ تو ہو گیا ہے - لیکن اس سے بیوقوفی نہیں گئی کہ مال میں یا تو فضول خرچ کرتا یا اس کے تصرف سے عاجز ہے تو اسے اس کا مال ہمیشہ تک نہ دو - یہی مذہب حضرت امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا پچیس سال اس کا انتظار کرنا چاہیئے اس کے بعد پھر اُسے مال دے دیا جائے - اس لیے کہ بلوغت کا سن زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال ہے پھر اس پر جب سات سال بڑھ گئے اور یہی سات سال کا عرصہ انسان کے حالات کے تغیر میں اعتبار کیا جاتا ہے - جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو - بہر حال امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پچیس سال کی عمر کے بعد اسے اس کا مال دے دینا چاہیئے - اُسے سمجھداری محسوس ہو یا نہ - وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا اور یتیموں کے مال ناحق نہ کھاؤ - اسرافاً حال ہے بمعنی مسرفین -

مسئلہ: اس سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ زیادہ کھانا تو حرام ہے لیکن قلیل کھانا جائز ہے - بلکہ مقصد یہ ہے کہ یتامیٰ کے مال سے کچھ بھی نہ کھاؤ وَّبِدَارًا اور جلدی جلدی کرکے اس کے خرچ کرنے میں - اس خوف سے کہ - اَنْ يَّكْبَرُوْا وہ بڑے ہو جائیں - اس بنا پر تم اُن کے مال میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرتے جاؤ اور دل میں خیال ہو کہ یتامیٰ کا مال ہپ ہپ کرکے کھاؤ جیسے چاہو - اور اسے جلدی ختم کرنے کی کوشش کرو - اس خوف سے کہ وہ جب بالغ ہو گئے تو پھر وہ ہم چھین لیں گے - اور جو کچھ بچ جائے گا وہ ہمیں واپس دینا پڑے گا - وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا

اور وہ جو کہ دولتمند ہو یعنی متولیوں اور سرپرستوں میں کوئی دولتمند ہو۔ فَلْيَسْتَعْفِفْ پس چاہیئے کہ بچ کے رہے اور یتیموں کے مال کو نہ کھائے۔ اور جو اسے اللہ تعالیٰ نے اپنا مال اور دولت اور رزق عطا کیا ہے اسی پر اکتفا کرے۔ یتیموں کے حال پر شفقت کرکے اور مال کو باقی رکھنے کی نیت پر اور استعفف عف سے زیادہ بلیغ ہے گویا وہ عفت کی زیادتی طلب کرتا ہے وَمَنْ كَانَ اور وہ جو متولیوں اور سرپرستوں میں سے۔ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ محتاج ہو تو بطریق معروف کھا سکتا ہے یعنی اُس طریقہ سے جو شرع مطہرہ نے اجازت بخشی ہے کہ یعنی حاجت ضروریہ کے مطابق اور جتنا وہ یتیم کے معاملات میں سعی کرتا ہے اور اس کی خدمت کرتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ متولی کا یتیم کے مال میں اُس کی خدمات کی وجہ سے حق ہوتا ہے۔ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ پس جب کہ تم انہیں اُن کے مال دفع کردو۔ بعد اس کے کہ تم نے مذکورہ شرائط پورے کر لیے فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ پس اُن پر تم گواہ بناؤ کہ تم نے اُن کے اموال سپرد کر دیئے اور وہ اُن پر قابض بھی ہو گئے اور تم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے۔ گواہ بنانے میں ایک فائدہ یہ ہو گا کہ تہمت سے بچاؤ ہو گا اور آئندہ کی مخالفت سے حفاظت ہو گی۔ اور امانت کا صحیح طریقہ یونہی ہے اور ذمہ داری سے براءت کا بہترین ذریعہ ہے۔

مسئلہ: ہمارے نزدیک متولی کو مال دیتے وقت گواہ بنانا واجب نہیں۔ اس لیے کہ وہ قسم کھا کر جتنا مال چاہے دے سکتا ہے لیکن امام مالک و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا متولی اپنے دعویٰ میں اُس وقت سچا سمجھا جائے گا جب بینہ پیش کرے وَكَفٰى بِاللّٰهِ یہ باء صلہ کی ہے حَسِيْبًا اور اللہ کافی ہے محاسب اور اپنی مخلوق کے اعمال کا محافظ ہے۔ للہذا اے بندگانِ خدا اس کے احکام کی مخالفت نہ کرو اور جو تمہارے لیے حد بیان فرمائی ہے اس سے تجاوز نہ کرو۔

مسئلہ: دانا پر لازم ہے کہ حقوق الغیر سے بچتا رہے۔ خصوصاً یتیم کے حق سے اس لیے کہ وہ اُسے جہنم میں لے جائیں گے۔

مسئلہ: یتیم کا حق کھانا کبائر سے گناہ ہے۔

مسئلہ: جو شخص غیر کے حقوق میں مبتلا ہو جائے اسے چاہیئے کہ دار سوال میں پہنچنے یعنی مرنے سے پہلے حلال خواری کی جدوجہد کرے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کا کسی پر کوئی حق ہو اور وہ معمولی سے معمولی شئے بھی کیوں نہ ہو تو اُسے اس سے بخشوا لے۔ اُس وقت سے پہلے کہ جس دن نہ درہم ہوں گے نہ دینار۔ اس لیے اگر اس کے پاس نیک عمل ہوں گے تو اُس سے اس کے اعمال صاحبِ حق کو دیئے جائیں گے۔ جس قدر اُس کا اس پر حق ہو گا اگر اس کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو صاحب حق کی برائیاں اُس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔

مسئلہ: جس شخص پر حقوق العباد ان گنت ہوں لیکن اس سے توبہ کر لی ہے۔ اور پھر انہیں ان کا ادا کرنا مشکل ہو گیا ہو تو اسے چاہیئے کہ قصاص کے دن کے لیے عبادت کا بہت زیادہ سرمایہ جمع کرے۔ اور بہت سے ایسے اعمال بھی کمال اخلاص سے بجالائے کہ انہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانے۔ وہ ہی نیکیاں اسے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب کرائیں گی۔ انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس خاص نصف کا مستحق ہو جائے گا۔ جو یوم حساب مخصوص بندوں سے فرمائے گا۔ اس سے حقوق العباد کے بخشوانے کا بھی خود انتظام فرمائے گا۔ کہ صاحب حق کو اس پر کچھ عطا فرما کر اس بندہ سے راضی کرائے گا۔

مسئلہ: علماء فرماتے ہیں کہ جس نے کسی عورت سے زنا کیا ہو (معاذ اللہ) اور اس کا شوہر بھی زندہ ہے تو جب تک اس کا شوہر اسے معاف نہیں کرے گا زانی کی بخشش نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ حقوق العباد سے ہے لیکن اس سے بخشوانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے یہ نہ کہے کہ میں نے تیری عورت سے زنا کیا تھا فلہذا مجھے معاف فرما دے بلکہ کہے کہ تیرے جتنے میرے اوپر حقوق ہیں وہ سب معاف فرما دے۔ جب وہ معاف کر دے گا۔ اب اس گناہ سے سچے دل سے بھی توبہ کرے تو پھر اس کی بخشش ہو جائے گی۔ اسے صلح بالمعلوم علی المجہول سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ جائز ہے اور یہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت سے مخصوص ہے اس لیے کہ امم سابقہ جب تک اپنے گناہوں کا صاف طور پر اعتراف نہ کرتے ان کے گناہ معاف نہ ہوتے۔

مسئلہ: یہی طریقہ تمام اموال مغصوبہ اور جملہ حقوق العباد کے متعلق ہے خواہ وہ کھانے پینے کا معاملہ ہو یا مارنے اور گالی دینے کا ہو یا قتل کرنے کا ہو وغیرہ وغیرہ کہ جن میں بندوں کو راضی کرنے اور توبہ کرنے سے تعلق رکھتے ہیں ان سے آئندہ بچنے کے لیے اعمال صالحہ وافعال حسنہ کی کثرت کی ضرورت ہے۔

مسئلہ: اگر توبہ اور حق والوں کو راضی کئے بغیر مر گیا تو اس جیسا خائب و خاسر کوئی نہ ہوگا اور قیامت میں اعمال صالحہ سے یکسر خالی ہو جائے گا۔ جب کہ احکم الحاکمین کے سامنے پیش ہوگا ۔

نماند ستمگار بد روزگار — بماند برو لعنت پائدار

چناں ئی کہ ذکرت بتحسین کنند — چو مردی کہ برگو نفرین کنند

نباید برسم بد آئیں بہاد — کہ گویند لعنت براں کیں نہاد

ترجمہ: ① ظالم دنیا میں نہ رہے گا لیکن اس پر تاقیامت لعنت برستی رہے گی۔

② اس طرح زندگی بسر کر کہ تیرے مرنے کے بعد لوگ تیری تعریف کرتے رہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے مرنے پر تیری بدگوئی کریں۔

③ بری رسم کی بنیاد نہ رکھ کیونکہ ایسے بنیاد رکھنے والے کا نام لے کر لعنت کرتے رہیں گے۔

مسئلہ: ظالم پر لازم ہے کہ وہ ظلم سے توبہ کرے اور دُنیا میں مظلوم کو راضی کرلے۔ اگر اسے راضی کرنے پر قادر نہیں (مثلاً وہ مرگیا یا کہیں نہیں ملتا) تو اس کے لیے استغفار کرے اور اس کی بہتری کی دعائیں مانگے۔ اس سے امید رکھے کہ شاید بخشش ہو جائے۔

مسئلہ: حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قرآنِ پاک کی ایک آیت پڑھ کر اس پر عمل کرنا میرے نزدیک لاکھ بار قرآن پاک پڑھ کر عمل نہ کرنے سے افضل ہے۔

مسئلہ: عمر بھر عبادت کرنے سے ایک مومن کو جائز طور خوش کرنا افضل ہے۔

مسئلہ: ترکِ دُنیا اور اُسے بالکل چھوڑ دینا آسمان و زمین کے برابر عبادت کرنے سے افضل ہے۔

مسئلہ: حرام کا ایک پیسہ ترک کرنا حلال سے دو سو حج پڑھنے سے افضل ہے۔

حکمت کی باتیں حضرت ابوالقاسم حکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تین چیزیں بندے سے ایمان چھین لیتی ہیں
① ترکِ شکر علی الاسلام۔
② ذہاب اسلام پر ترکِ خوف۔
③ اہلِ اسلام پر ظلم۔

حکایت: حضرت ابو میسرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرد کے سامنے قبر میں ایک ڈنڈا لایا گیا جب کہ اُسے دفنایا گیا یعنی اُس کے ہاں جب منکر نکیر تشریف لائے تو اُسے کہنے لگے کہ ہم تمہیں پورا ایک سو کوڑا ماریں گے وہ کہنے لگا کہ میں دُنیا میں ایسا تھا۔ یعنی اُس نے اپنی نیکیوں کا اظہار کیا تو منکر نکیر نے کہا ان نیکیوں کی وجہ سے تجھے دس کوڑے معاف ہیں پھر وہ مارنے کے لیے تیار ہوئے پھر اُس نے اور نیکیوں کا اظہار کیا اسی طرح اس سے کوڑے کم کرتے گئے یہاں تک کہ باقی جب ایک کوڑے تک نوبت پہنچی انہوں نے کہا اب ہم نہیں چھوڑیں گے۔ ایک کوڑا ضرور ماریں گے چنانچہ جب انہوں نے ایک کوڑا مارا تو اس کی قبر آگ سے بھر گئی۔ اُس نے پوچھا اس کوڑے کے مارنے کا موجب کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک دِن تیرا ایک مظلوم پر گزر ہوا۔ اُس نے تجھ سے فریاد چاہی۔ لیکن تو نے اس سے لاپرواہی کی۔

سبق: یہ تو اس کی سزا ہے جس نے مظلوم کی فریاد پر لاپرواہی کی پھر اُس کا حال خود سمجھئے جو مظلوم پر ظلم کرتا ہے۔

مسئلہ: ہمارے اسلاف کا طریقہ تھا کہ وہ مشتبہات سے بھی بچتے تھے۔ چہ جائے کہ وہ حرام کا ارتکاب کریں اس لیے کہ لقمہ حلال کو اجابت دُعا میں بڑا دخل ہے۔

دُعا کی قبولیت کے شرائط حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اجابت دُعا کے شرائط میں سے پہلی شرط یہی ہے کہ انسان اپنے باطن کو لقمہ حلال سے اصلاح کرے اور آخری شرط اخلاص و

حضور قلب ہے جسے توجہ احدی کہا جاتا ہے اس لیے کہ حضور قلبی حق کے حضور میں اس بندے کے لیے سفارش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین انسان کو صرف زبان سے ذکر جاری رکھنا جب قلب حاضر نہ ہو تو اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کسی کے دروازے پر آواز دے یا اس کی مثال یوں ہے کہ چھت پر کھڑے ہو کر شور مچائے۔

ف: دانا کے لیے ضروری ہے کہ وہ مشتبہات سے بچے تاکہ خلوات میں اس کی دعائیں مستجاب ہوں۔

تفسیر عالمانہ

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ

شانِ نزول مروی ہے کہ اوس بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوئے تو ان کے پیچھے ان کی زوجہ ام کجہ اور تین لڑکیاں رہ گئیں۔ ان کے دو چچازاد سوید اور عرفطہ نے ان کی میراث کو جاہلیت کے طریقہ پر تقسیم کر دیا۔ ان کا طریقہ تھا کہ وہ میت کی عورتوں اور اس کی اولاد کو میراث نہیں دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کی میراث کا حقدار وہ ہے جو جنگ لڑ سکے۔ اور گھر کی حفاظت کر سکے۔ بی بی ام کجہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئی۔ آپ مسجد فضیخ میں رونق افروز تھے کہ آپ کو شکایت پیش کی گئی۔ آپ نے فرمایا اب چلی جائیں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرتا ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں اسی طرح تیرا فیصلہ کروں گا۔ چنانچہ یہی آیت اتری حضور علیہ السلام نے اوس بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائیوں کو حکم دیا کہ اس کی میراث تقسیم نہ کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں عورتوں کا حصہ بھی مقرر فرمایا ہے۔ لیکن یہ نہیں فرمایا کہ وہ کتنا ہے۔ اس کے بعد پھر حکم نازل ہوا جس میں ان کے حصے کی تفصیل بھی تھی یعنی آیت يُوصِيكُمُ اللّٰهُ (اس کی تفصیل ابھی آتی ہے (انشاء اللہ تعالیٰ)۔

اس پر حضور نے آٹھواں حصہ ام کجہ اور دو تہائیاں مال لڑکیوں کو باقی تمام مال اوس بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائیوں کو دیا اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ میت کی اولاد نرینہ کے لیے بھی حصہ ہے۔

مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ اس میں سے جو مال باپ اور دیگر اقرباء چھوڑ جائے۔ یعنی میت کے ذی قرابت میں سے۔ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو وراثت کے حق دار ہوتے ہیں نہ کہ جو محجوب یعنی محروم عن الارث ہوتے ہیں وارثت کے حقدار یہ حضرات ہیں۔ ① ماں

② باپ

③ زوج

④ زوجہ (ابن) بنت۔

وَالنِّسَآءِ اور عورتوں کے لیے یعنی عورتوں کی جماعت کے لیے نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ حصہ ہے اس میں سے جو ماں باپ اور دیگر اقربا چھوڑ گئے ہیں۔ تھوڑا مال ہو ہو یا زیادہ۔ پھلا مّا پہلے مّا سے بدل ہے اور لفظ ما کی طرف ضمیر لوٹتی ہے جو منہ کی مجرور ضمیر ہے اور یہی بدل مراد ہے یعنی پہلے جملہ میں بھی مقصود یہی بدل ہے۔ لیکن وہاں محذوف کیا گیا ہے۔ اس مذکور پر اعتماد کرکے اس سے توہم کا دفعیہ مطلوب ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ بعض اموال بعض ورثہ سے مخصوص ہیں۔ مثلاً کسی کے خیال میں ہو کہ گھوڑے اور آلات حرب مردوں کے لیے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ قلیل مال ہو یا کثیر اس میں سے ہر فریق کا حصہ ہے۔ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا حصہ مقرر کیا ہوا۔ اس کا منصوب ہونا علی وجہ الاختصاص ہے۔ یہاں اَعْنِی محذوف ہے اَیْ اَعْنِیْ نصیبا مفروضا یعنی میری مراد یہ ہے کہ اُن پر ہر ایک کا حصہ یقیناً مقرر اور واجب ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی وارث اس ترکہ سے لاپرواہی کا اظہار کرے۔ تب بھی اُس کا حق ساقط نہیں ہوگا وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اور جب کہ حاضر ہوں تقسیم ترکہ و میراث کے وقت اُولُوا الْقُرْبٰى میت کے اُن رشتہ داروں میں سے کہ جن کا حصہ شرعاً مقرر نہیں وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ غیر وارثوں میں سے کوئی یتیم اور مسکین فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ تو اس مال مقسوم میں سے جس کی تقسیم ہو رہی ہے تو انہیں بھی اس میں سے کچھ عطا کرو یا اس ترکہ میں سے جو میت کے ماں باپ اور کوئی رشتہ دار چھوڑ گئے ہیں۔

مسئلہ: یہ امر مندوب ہے اس کا حکم اس لیے دیا گیا تاکہ اگر تقسیم کے وقت مذکورہ صاحبان آجائیں تو انہیں کچھ دے دیا جائے تو اُن کا دل خوش ہوگا۔ اور بطورِ صدقہ کے دیا جائے گا تو بہت بڑا ثواب ہوگا۔

واقعہ دربارہ آیت مذکورہ اہل اسلام یونہی کرتے تھے جب کہ ورثہ ترکہ کی تقسیم کرتے اور یہ صاحبان مذکورہ ترکہ کی تقسیم کے وقت آجاتے تو ورثہ کے حصہ میں سے کچھ نہ کچھ انہیں دے دیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ترغیب دلائی ہے۔ محض ثواب کے حصول کی غرض پر نہ کہ یہ حصہ بھی فرض ہے۔ اگر فرض ہوتا تو تقسیم ترکہ کے وقت یہ حصہ بھی دوسرے ورثہ کے ساتھ نکالا جاتا۔ لیکن شرعاً ان کا حصہ مقدر اور واجب نہیں۔

وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا اور اُن کے ساتھ میٹھا بول بولو۔ مثلاً دیتے وقت اُلٹا اُن کو دُعائیں دو یا یوں کہو بارک اللہ علیکم۔ اور جو کچھ انہیں دو اپنے تئیں معمولی سمجھ کر اُلٹا اُن سے معذرت چاہو۔ نہ یہ کہ اُن پر احسان جتلاؤ جس نیک عمل سے نفس کو سکون نصیب ہو اور دل سے چاہے اُسے شرعاً و عقلاً معروف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ قول ہو یا نہیں۔

مسئلہ: جس بُرے عمل سے نفس نفرت کرے اُسے شرعاً و عقلاً منکر کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ ہر معروف صدقہ ہے اور مثال مشہور ہے نیکی کر اور دریا میں ڈال۔ اگرچہ اُسے مچھلیاں بھی

نہ جانیں وہ تو جانتا ہے جو خالق السموات ہے ۔

تو نیکی کن بآب انداز اے شاہ
اگر ماہی نداند داند اللہ

ترجمہ: اے دوست نیکی کر اور دریا میں ڈال مچھلی کو معلوم نہ ہو تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے ۔

حکایت: مشہور ہے کہ سانپ بھاگتا ہوا ایک نیک مرد کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی فی سبیل اللہ میرے دشمن سے مجھے پناہ دیجئے ۔ اس نیک بخت نے چادر کھولی اور اندر چھپا دیا ۔ پھر بھی سانپ نے کہا اگر نیکی کرنی ہے تو منہ کھولیے میں اندر داخل ہو جاؤں ۔ اس لیے کہ اگر میرے دشمن نے مجھے دیکھ لیا تو وہ مجھے مار ڈالے گا ۔ سانپ نے کہا ۔ اللہ تعالیٰ اور آسمان و زمین کے باشندے شاہد ہیں کہ آپ کو ضرر نہیں پہنچاؤں گا ۔ بزرگ نے منہ کھولا وہ سانپ اس کے اندر چلا گیا ۔ اس کے بعد سانپ کا دشمن آگیا ۔ نیک بخت سے پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا ۔ جب سانپ کا خوف مندفع ہو گیا تو اندر سے بولا اے احمق اب اپنے جگر یا دل کی خیر منائیے ۔ نیک بخت نے فرمایا تیرے وہ وعدے اور قسمیں کہاں گئیں ۔ سانپ نے کہا تیرے جیسا اور بھی کوئی احمق ہو گا ۔ تجھے تیرے باپ آدم سے ہماری عداوت ازلی یاد نہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ نا اہل کے ساتھ نیکی کرنا اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارنا ہے ۔
بزرگ نے سانپ سے فرمایا اچھا تھوڑی سی مجھے مہلت دیجئے تاکہ میں اس پہاڑ تک پہنچ جاؤں ۔ جب پہاڑ کے نیچے پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے تاکہ اس بلا سے نجات نصیب ہو ۔ ان کی اس عجز و انکساری سے اللہ تعالیٰ ایک نیک بخت بندہ جو نہایت حسین و جمیل اور خوشبو سے مہکتا ہوا نمودار ہوا اور ایک سپید پتہ عطا فرمایا اور فرمایا کہ اسے تناول فرمائیں ۔ انہوں نے وہ پتہ کھا لیا ۔ اور جونہی کھایا تو پیٹ سے وہی سانپ ٹکڑے ہو کر باہر نکلا ۔ اس سے انہیں نجات نصیب ہوئی ۔ بزرگ نے اس شخص سے پوچھا آپ کون ہیں ۔ انہوں نے فرمایا میں تیری نیکی ہوں اور میرا مسکن چوتھا آسمان ہے ۔ جب تم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو ساتوں آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و انکساری سے گڑگڑائے میں چوتھے آسمان سے اتر کر بہشت میں پہنچا اور وہاں سے درخت طوبیٰ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سبز پتہ لیا ۔

سبق: نیکی کی عادت ڈالیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا ۔ اگرچہ جس سے نیکی کی جائے الٹا نقصان بھی پہنچائے ۔

نکو کارے از مردمے نیک را
یکے را بدہ مینویسد خدا

ترجمہ: نیک آدمی سے نیکی سرزد ہوتی ہے اسی لیے اس کی ایک نیکی پر دس لکھی جاتی ہیں ۔

نیکیوں کی فہرست: ① کسی سے میٹھا بول بولنا۔

② کسی کے لیے نیک سفارش کرنا۔

③ حاجتمند کی جائز حاجت پوری کرنا۔

④ بیمار پرسی۔

⑤ جنازہ کے ساتھ چلنا۔

⑥ کسی مسلمان کا دل خوش کرنا وغیرہ وغیرہ

تفسیر صوفیانہ صوفیاءِ کرام کے نزدیک اَلرِّجَال وہ قوی مرد ہیں جو سچے طلب گار اور راہِ سلوک پر چلنے والے ہیں۔ انہیں اُن کی طلب صادق اور راہ سلوک میں قوت کے ساتھ چلنے کے مطابق حصہ نصیب ہوگا۔ اس میں سے جو مشائخ اور عارف باللہ حضرات چھوڑ گئے ہیں اُن کا ترکہ اُن کی برکت اور اُن کی سیرت اور بلند ہمتی اور ولایت کے منجانب اللہ عنایت کردہ عطیات کو کہا جاتا ہے۔ اور "النساء" سے مُراد وہ کمزور لوگ ہیں جو انہی حضرات میں سے شمار ہوتے ہیں اُن کا بھی اُن کے حصص سے حصہ مقدر ہے یعنی اُن کی سچی التجا اور طلبِ حق کی جدوجہد اور فیض ولایت کو قبول کرنے کی احسن استعداد کے مطابق ان کا بھی حصہ معلوم اور متعین ہے۔ پھر یہی حال ہے اُن لوگوں کا جو طلبِ حق میں جدوجہد کرنے والے ہیں یہی مشائخ کے حقیقی وارث ہیں۔ باقی رہے وہ صاحبان جو اولیاء کرام و مشائخ عظام کے ارادتمند اور ان کی ولایت سے خوش عقیدت رکھتے ہیں اور ان کے انوار و برکات سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور اُن کی سیرت و صورت بنانے کے درپئے رہتے ہیں اور اُن کے فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں اُن کے بھی مختلف درجات ہوتے ہیں۔ انہیں تصوف اولی القربیٰ اور یتامیٰ و مساکین سے تعبیر کیا جاتا ہے اُن کا حکم ہے کہ وہ مشائخ کرام کی مبارک صحبتوں کی محفلوں اور اُن کی گفت و شنید کی مقدس مجموعوں اور ان کے مجموعوں اور ان کے حلقۂ ذکر کی مجلسوں میں حاضر ہو جائیں تو اُن کے لیے بھی مشائخ کرام کے برکات و خیرات سے بھی حصے ہیں فلہٰذا انہیں بھی مشائخ کی ولایت اور اُن کے آثار ہدایت و عنایات کی شفقت اور اُن کی خصوصی رعایت سے کچھ نہ کچھ عطا کرو اور انہیں عالم قدس کے حصول کے شوق دلانے اور ارشاد طریق اور طلبِ حق کی ترغیب اور توجہ الی الحق اور اعراض عن الخلق والدنیا اور اس کے خواہشات سے نفرت اور اہل دنیا کے خسارہ کی باتیں اور اہل اللہ کی دارین کی عزت و عظمت اور اُن کے دنیا و آخرت کی بلند منازل و مراتب کی میٹھی میٹھی باتیں سناؤ۔

سبق: اے سالک جب تمہیں یہ راز و اسرار معلوم ہو جائیں تو سر کی بازی لڑا دے تاکہ تجھے حقیقت کی میراث اور معرفت کے ترکہ سے محرومی نہ ہو۔ کیا خوب کہا گیا ہے ؎

میراثِ پدر خواہی تو علم آموز
کیں مالِ پدر خرچ تواں کرد بدہ روز

ترجمہ: باپ کی وارثت چاہتا ہے تو علم سیکھو اس لیے کہ مال تو چند دنوں کے بعد خرچ کرنے پر ختم ہو جائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ اور چاہیے وہ لوگ کہ جن کی صفت اور حال یہ ہے ڈریں لَوْ تَرَكُوا اگر چھوڑیں جب کہ نزع طاری ہو اور وہ چھوڑنے پر ہیں مِنْ خَلْفِهِمْ اپنے پیچھے یعنی اپنی موت کے بعد ضِعٰفًا کمزور اولاد یعنی عاجز بچے کہ اُن کے پاس مال و دولت نہ ہو۔ یہ اس وقت ہے جب کہ نزع طاری ہو۔ خَافُوا عَلَيْهِمْ اُن پر انہیں خوف ہے۔ یعنی مرنے کے بعد اُن کے ضائع ہونے کا خوف ہو کہ اُن کا کوئی کفیل نہ ہو گا اور نہ اُن کا کوئی سرپرست اور اُن کی تنگی اور معاش کی عُسرت کا خطرہ ہو ولیخشن الذین میں الذین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالٰی سے ڈرنے پر مامور ہیں۔ یعنی وہ ان یتیموں پر خوف کرتے ہیں جو اُن کی گود میں پرورش پا رہے ہیں۔ ان پر ایسی شفقت کریں جیسے اپنے بچوں سے کرتے ہیں اگر انہیں کمزور چھوڑ دیں تو یہی تصور ہو اور سوچ لیں جیسے ہم ایسے بیکار اپنی اولاد کو نہیں چھوڑیں گے ایسے ہی انہیں بھی فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ بس اللہ تعالٰی سے ڈریں اپنے غیروں کی اولاد میں وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا اور چاہیئے یتیموں سے ایسے ہی مناسب بات کریں جیسے اپنی اولاد سے کرتے ہیں شفقت کر کے اور اچھی بات سکھانے پر اور مرحبا کہہ کر۔ مثلاً کہیں اے میرے بیٹے اے میرے بچے۔ خلاصہ یہ کہ انہیں کسی قسم کا دکھ اور تکلیف نہ پہنچائیں اِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى بلاشک وہ لوگ جو یتیموں کا مال بطور ظلم کے کھاتے ہیں یعنی درالحالیکہ وہ ظالم ہیں یا ظلم کے طریق سے جیسے بُرے سرپرستوں اور غلط کار متولیوں کی عادت ہے۔

مسئلہ: ظلماً کی قید سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر یتیم کے مال سے بطور حکم شرعی اور بقدر ضرورت یا یتیم کی خدمات کی وجہ سے حاکمِ وقت نے اسے سرپرست مقرر کر کے لینے کا حکم دیا ہے تو اُس پر کوئی سزا نہیں اِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ بلاشک وہ اپنے پیٹ میں بھرتے ہیں یاکلون فی بطونہم بمعنے پیٹ بھرنے کے ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں اَكَلَ فِيْ بَطْنِهٖ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ اُسے حد سے زائد بھر دے۔ اور جب کہیں اَكَلَ فِيْ مِعَاهُ تو اس وقت اُن کی مراد ہوتی ہے کہ اُس نے اُس کی حد پر کھایا نَارًا آگ سے۔ یعنی وہ چیزیں جہنم کی طرف کھینچ کرلے جائیں۔ گویا درحقیقت وہ کردار خود جہنم ہیں وَسَيَصْلَوْنَ اور وہ عنقریب قیامت میں داخل ہوں گے سَعِيْرًا جہنم میں یعنی ایسی آگ میں جو جلانیوالی اور ہولناک اور ڈراونی صورت والی ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ یتیم کا مال کھانے والے کو جب قیامت میں اٹھایا جائے گا تو اُس کی قبر اور منہ اور

ناک اور دونوں کانوں اور آنکھوں سے دُھواں نکل رہا ہوگا۔ اس سے لوگوں کو اُس کی پہنچان ہوگی کہ یہی دُنیا میں یتیموں کا مال کھاتا تھا۔

شانِ نزُول مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں پر شاق گزرا کہ یتامیٰ کے مال میں اپنا مال ملانے سے بالکل رُک گئے اس سے انہیں سخت تکلیف ہوئی۔ اُس کے بعد یہ آیت اُتری و ان تخالطوھم فاخوانکم فی الدین الایۃ اگر تم انہیں ملا دو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔

حدیث معراج شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شبِ معراج ایک قوم کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹ جیسے ہیں ایک حصہ ناک کو چمٹا ہوا اور دوسرا حصہ پیٹ کو اور جہنم کے فرشتے ان کے مُنہ میں انگارے اور چٹان ڈال رہے ہیں یعنی انگارے وغیرہ کھلا رہے ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں انہوں نے فرمایا یہ وہ لوگ جو یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے تھے۔

کسے کز صرصر ظلمش دمادم چراغ عیشِ مظلوماں بمیرد
نمی ترسد ازیں کایزد تعالیٰ اگرچہ دیر گیرد سخت گیرد

ترجمہ: (۱) جس کے ظلم کی آندھی مظلوموں کے چراغ عیش کو بجھاتی ہے۔

(۲) اس سے وہ نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ پکڑتا ہے لیکن دیر سے اور سخت سے سخت طریقہ سے۔

سبق اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ یتامیٰ سے میٹھی میٹھی بات کہو اور انہیں ایذاء نہ دو۔ پھر نا معلوم اس کا کیا حال ہوگا جو اسے ایذا پہنچاتا ہے اسی طرح عام لوگوں اہلِ ایمان کی ایذاء کا حال ہے۔ ایسے ہی جو شخص بطور غصب اور ظلم کے اُن کا مال کھاتا ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے جہنم میں دریاؤں کے سواحل کی طرح بعض بعض مقامات ہیں جن میں بختی اونٹوں کی طرح سانپ اور بچھو پڑے ہیں۔ ان کے ہونٹوں اور چہروں کی موٹائی اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ کتنی مقدار پر ہیں۔ وہ ظالموں کے چمڑے اتارنے پر مامور ہوں گے۔ ظالم لوگ اُن سانپوں اور بچھوؤں کے خوف سے کہیں بھاگنے کی کوشش کریں گے تو انہیں پھر جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ جب وہ جہنم کے اندر جا کر گریں گے تو ان پر خارش کا مرض مسلّط کر دیا جائے گا۔ وہ اپنے جسم کو کھجلاتے ہوئے اپنے چمڑوں کو ادھیڑ دیں گے۔ جس سے اُن کی ہڈیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ ظالم سے پوچھا جائے گا کیا تجھے یہ خارش تکلیف دے رہی ہے کہے گا (ہاں) جواب ملے گا یہ تجھے اس کی سزا ہے جو تو اہلِ ایمان کو ستاتا تھا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ لوگوں کو ایذا دینے اور انہیں دُکھ پہنچانے سے بچے۔ اس لیے کہ مظلوم کی بددُعا موذی اور ظالم کے حق میں جلد تر قبول ہوتی ہے ؎

خرابی کند مرد شمشیر زن | نچنداں کہ دود دل طفل و زن
ریاست بدست کسانے خطا است | کہ از دست شاں دستہا بر خدا است
مکافات موذی بمالش مکن | کہ بیخش آورد باید زبن
سرگرگ باید اول برید | نہ گوسفنداں مردم درید

ترجمہ:(۱) بیشک مرد تلوار مارنے والا تلوار سے تہلکہ مچادیتا ہے لیکن بیوہ اور یتیم کی آہ اس سے بڑھ کر ہے۔

(۲) ان لوگوں کے ہاتھ حکومت دینا خطا ہے جن کے ظلم کی وجہ سے لوگ بد دعا کرتے ہوں۔

(۳) موذی کا منہ مال کی ہڈی سے نہ بھر بلکہ جڑ سے اس کی بیخ اکھیڑ دے۔

(۴) بھیڑیئے کا سر پہلے سے کاٹ دے نہ اس وقت جب کہ لوگوں کی بکریاں لے کر بھاگے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھ سے چھ باتیں مان لو۔ تمہارا بہشت کا میں ذمہ دار ہوں۔

(۱) بات کرنے میں جھوٹ نہ بولو۔

(۲) وعدہ کے بعد خلاف نہ کرو۔

(۳) امانت میں خیانت نہ کرو۔

(۴) اجنبی عورت کے دیکھنے سے آنکھیں بند رکھو۔

(۵) اپنی شرمگاہوں کو اجنبی (مرد و عورت) سے بچاؤ۔

(۶) حرام کے مال سے اپنے ہاتھوں کو روکو۔ پھر بہشت میں داخل ہو جاؤ۔

مسئلہ: حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ صرف ایک پیسہ حرام کے مال سے بچ جانا لاکھ بار اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

حکایت: حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالےٰ حدیث شریف کی کتابت کر رہے تھے کہ اُن کا قلم ٹوٹ گیا۔ کسی ساتھی سے قلم بطور عاریت لیا۔ جب حدیث شریف کی کتابت سے فارغ ہوئے تو بھول کر وہی قلم اپنے قلمدان میں رکھ لیا۔ جب مرو (نام علاقہ) میں واپس لوٹے تو دیکھا بیگانہ قلم قلم دان میں پڑا ہے تو اس کو لوٹانے کیلیے شام کو روانہ ہو گئے۔

حدیث شریف: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم نماز پڑھو تو پڑھتے پڑھتے کیڑے کی طرح ہو جاؤ۔ اور روزے رکھو تو اتنا کمزوری ہو جائے کہ تاروں کی طرح ہو جاؤ یہ سب کچھ تقویٰ و پرہیزگاری کے بغیر بیکار ہے۔

زُہد کے اقسام : حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ زہد تین قسم ہے ۔

① زہد فرض ۔

② زہد فضل ۔

③ زہد سلامتہ۔ زہد فرض یعنی حرام مال سے بچنا (۲) زہد فضل یعنی حلال مال کو بقدر ضرورت خرچ کرنا (۳) زہد سلامت یعنی شبہات سے کنارہ کشی کرنا ۔

حکایت : حضرت حسان بن ابی سنان ساٹھ سال تک نہ لیٹ کر سوئے اور نہ ہی پیٹ بھر کر اچھی غذا کھائی ۔ اور نہ ہی ٹھنڈا پانی پیا۔ جب وہ مر گئے تو اُن کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پُوچھا ۔ کہ کیسے گزری کہنے لگے سب خیر ہے لیکن مجھے بہشت میں ایک سُوئی کا بار بار سوال ہوتا ہے جو کہ میں نے ایک ہمسایہ سے عاریتاً لی تھی لیکن مرنے سے پہلے اُسے لوٹا نہ سکا ۔

حکایت : حضرت عیسٰی علیہ السلام ایک گورستان سے گزرے تو آپ کو کسی نے قبر کے اندر سے پکارا۔ آپ نے اسے زندہ کرکے قبر سے باہر نکالا اور پُوچھا تو کون ہے عرض کی میں ایک بار بردار مزدور ہوں کہ لوگوں کے سامان اُٹھا کر مختلف مقامات پر پہنچاتا تھا ۔ ایک دِن میں نے لکڑی کا گٹھڑا اٹھا کر لے گیا تو اس میں سے صرف ایک خلال دانت صاف کرنے کے لیے لے لیا ۔ اب جب سے مرا ہوں ۔ اس وقت سے تا حال مجھ سے اس کا مواخذہ ہو رہا ہے ؎

خوف داری اگر از قہر خدا
نروی راہ حرام دنیا

ترجمہ : اگر قہر خدا سے تجھے کچھ خوف ہے تو دنیا کی حرام چیزوں کے راستہ پر نہ جا ۔



يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ
فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۗ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ
مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ
فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِيْ بِهَآ
اَوْ دَيْنٍ ۗ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ
وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِيْنَ بِهَآ اَوْ
دَيْنٍ ۗ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ
الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ
كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا
اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ
مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ○ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ○ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۖ
وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ ع

ترجمہ: تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصوں کے برابر حصّہ ہے اگر لڑکیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں۔ تو ترکے میں اُن کا دو تہائی (حصّہ) ہے اور اگر ایک ہی ہو تو وہ نصف کی مالک ہوگی اور مرنے والے کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصّہ ملے گا۔ اگر وہ صاحبِ اولاد ہو۔ اور اگر اُس کے اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ اُس کے (وارث) ہوں تو اُس کی ماں کو تیسرا حصّہ ملے گا (اور باقی باپ لے گا) اگر اس کے بہن بھائی ہوں تو پھر ماں چھٹا حصّہ لے گی (یہ تقسیم مرنے والے کی وصیّت کی تعمیل اور اس کے قرضہ (کی ادائیگی) کے بعد (عمل میں لائی جائے) تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد، تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون نفع رسانی کے لحاظ سے تم سے قریب تر ہے یہ اللہ کی طرف سے مقرر شدہ ہے۔ یقین جانو کہ اللہ مصلحتوں سے واقف اور حکمت والا ہے اور جو

بہ کچھ تمہاری بیویاں (ترکے میں) چھوڑ جائیں اس میں سے نصف کے تم حقدار ہو بشرطیکہ ان سے اولاد نہ ہو اگر ان کے اولاد ہے تو تمہیں جو کچھ وہ چھوڑیں اس کا چوتھائی ملے گا (یہ تقسیم) مرنے والی کی وصیت کی تعمیل اور اس کے قرضے (کی ادائیگی) کے بعد (عمل میں لائی جائے) اور اُن کے لیے جو کچھ تم چھوڑ جاؤ اس کا چوتھائی حصہ ہے بشرطیکہ تمہارے اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے اولاد ہو تو اُن کے لیے تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ہو گا (یہ تقسیم) تمہاری وصیت کی تعمیل اور قرضہ نکال کر ہو گی اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا پھر اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں میت کی وصیت اور دین نکال کر جس میں اُس نے نقصان نہ پہنچایا ہو یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ علم والا حلم والا ہے یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی کل حدوں سے بڑھ جائے اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے خواری کا عذاب ہے اور تمہاری عورتیں جو بدکاری کریں ان پر خاص اپنے میں چار مردوں کی گواہی لو پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو اپنے گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھا لے یا اللہ ان کی کچھ راہ نکالے اور تم میں جو مرد عورت ایسا کام کرے ان کو ایذا دو پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نیک ہو جائیں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا ہے وہ انہی کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھے پھر تھوڑی دیر میں توبہ کر لیں ایسے پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور وہ توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی جو کافر مریں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اے ایمان والو تمہیں حلال نہیں کہ عورتوں کے وارث بن جاؤ زبردستی اور عورتوں کو روکو نہیں اس نیت سے کہ جو مہر ان کو دیا تھا ان میں سے کچھ لے لو مگر اس صورت میں کہ صریح بے حیائی کا کام کریں اور ان سے اچھا برتاؤ کرو پھر اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اس میں بہت بھلائی رکھے اگر تم ایک بی بی کے بدلے دوسری بدلنا چاہو اور اسے ڈھیروں مال دے

چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو کیا اسے واپس لو گے جھوٹ باندھ کر اور کھلے گناہ سے اور کیونکر ایسے
واپس لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہو لیا اور تم سے گاڑھا عہد لے چکیں اور
باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو مگر جو ہو گزرا وہ بے شک بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بہت
بری راہ حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور
بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان
کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بیبیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو پھر اگر تم نے ان سے صحبت
نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیبیاں اور دو بہنیں اکٹھی کرنا مگر جو ہو گزرا
بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ يُوصِيكُمُ اللهُ ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتا ہے اور وعدہ لیتا ہے فِيٓ اَوْلَادِكُمْ تمہاری
اولاد کے متعلق۔ تمہاری ہر ایک اولاد کے بارے میں۔ یہ اُن کی میراث کے متعلق اجمال ہے۔
اس کی تفصیل یوں ہے کہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ج مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے مثل ہے۔
یعنی اُن میں سے ایک مرد کا حصہ دو عورت سے دوہرا ہو۔ یہاں پر منہم محذوف ہے۔ ہر ایک معلوم ہونے
کی بنا پر اسے حذف کر دیا گیا ہے یعنی تقسیم وراثت کے وقت ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر قرار دیا جائے جب
کہ ورثہ میں سے دو قسمیں جمع ہو جائیں تو مرد کو عورت کے حصہ سے دوہرا دیا جائے فَاِنْ كُنَّ ۔ پس اگر
ہو اولاد۔

سوال: یہاں مؤنث کے صیغے لانے میں کیا فائدہ ہے۔

جواب: چونکہ اُس کی خبر مؤنث ہے اس لیے یہ مؤنث کے صیغے لائے گئے۔ نِسَآءً ۔ عورتیں یعنی میّت
کے ورثہ میں صرف عورتیں ہیں کہ اُن کے ساتھ کوئی لڑکا نہیں فَوْقَ اثْنَتَيْنِ دو سے اُوپر یہ دوسری خبر ہے۔
فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ پس عورتوں کے لیے میّت کے ترکہ سے دو تہائی حصہ ہے۔ یعنی متوفی جو کہ قرینہ مقام
سے معلوم ہوتا ہے اس کے ترکہ سے۔

مسئلہ: دو اور دو سے زائد لڑکیوں کا ایک حکم ہے وَاِنْ كَانَتْ اور اگر ہو اولاد (لڑکی) وَاحِدَةً
یعنی ایک میّت کے ورثہ میں سے صرف ایک لڑکی ہے اور اس کے ساتھ بھائی اور بہن کوئی نہیں فَلَهَا النِّصْفُ
تو اس کی ایک لڑکی کو میت کے ترکہ سے نصف حصہ ملے گا۔

وَلِاَبَوَيْهِ اور میت کے ماں باپ کو لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۔ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ

چھٹا حصہ ملے گا یعنی میت کے ترکہ سے ان ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ چھٹا حصہ دیا جائے گا مِمَّا تَرَكَ اس سے جو کہ میّت نے چھوڑا اِنْ كَانَ لَهٗ اگر ہو میت کی وَلَدٌ ۔ اولاد یا بیٹے کی اولاد نر ہو وہ اولاد کا یا مادہ ایک ہوں یا ایک سے زائد۔

مسئلہ:

اگر میت کی اولاد میں سے نرینہ اولاد نہ ہو بلکہ لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں تو باپ اپنا چھٹا حصہ (ذوی الفروض کے لحاظ سے بھی لے گا۔ اور تقسیم کے بعد جتنا مال بچے گا تو تمام مال کا مالک بھی ہوگا (بوجہ عصبہ ہونے کے)۔ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ پس اگر میّت کی کوئی اولاد نہ ہو اور نہ ہی اُس کے بیٹے کی اولاد وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ ۔ اور اُس کے وارث صرف ماں باپ بنے ہیں۔ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ تو میّت کے ترکہ سے اس کی ماں کی تہائی ہے اور باقی اُس کے باپ کا ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ میت کی زن/شوہر نہ ہوں۔ ہاں جب ان میں سے کوئی ہو تو اُن کا حصہ نکال کر ماں کو باقی مال سے تہائی ملے گی نہ کہ کُل مال سے اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسے نہ کیا جائے تو پھر ترکہ کی تقسیم میں میت کی ماں کا حصہ اس کے باپ سے بڑھ جاتا ہے حالانکہ وارثت میں باپ کو ماں پر فضیلت حاصل ہے چنانچہ معلوم ہوا کہ اگر میّت کے زن/شوہر نہ ہوں تو تقسیم وارثت میں میّت کے باپ کو ماں سے دُوہرا حصہ ملتا ہے علاوہ ازیں وہ ذوی الفروض بھی ہے اور عصبہ بھی بنا بریں میت کی ماں کو باپ پر وارثت میں فضیلت دی جائے تو شرع کی وضع کے خلاف ہوتا ہے فَإِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ پس اگر میت کے وارث صرف بھائی ہی بھائی ہوں یعنی اس کے بھائی گنتی میں متعدد ہوں دو ہوں یا تین یا اس سے زائد۔ وہ حقیقی بھائی ہوں یا مادری فقط یا پدری فقط وہ نر ہوں یا مادہ (یعنی بہنیں ہوں) یا مختلط ہوں۔ یعنی بھائی بھی ہوں اور بہنیں بھی۔ وہ ترکہ سے حصہ لے سکتے ہوں یا باپ کی وجہ سے محروم ہو چکے ہوں فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ تو ہر حالت میں ماں کا ترکہ میت سے چھٹا حصہ ہے۔

مسئلہ:

اس چھٹے حصے کے بعد باقی جتنا بچے گا وہ باپ کا ہے۔

مسئلہ:

اگر باپ نہ ہو تو بھائیوں کو ملے گا یہی جمہور کا مذہب ہے مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ ۔ وصیت پورا کرنے کے بعد یہ تقسیم میراث کے متعلق ہے یعنی وہ مضمون جو پہلے گزرا ہے یہ اس کے متعلق ہے کہ ورثہ مذکور کو حصص مذکورہ وصیت کے اجراء کے بعد ملیں گے۔ يُّوْصِيْ بِهَآ وہ وصیت جو میّت نے مرتے وقت کی تھی۔

نکتہ :

وصیّت کو یوصی بہا سے موصُوف کرنے میں وصیت کی ترغیب اور اُس کے مَندُوب ہونے کی طرف اشارہ ہے اَوْ دَیْنٍ یا قرضہ۔ اس کا وصیتہ پر عطف ہے۔ لیکن یہ کسی وصف سے مقید نہیں۔ جیسے وصیّت ایک صفت سے مقید ہے۔ بلکہ قرضہ مطلق ہے۔ خواہ بینہ سے ثابت ہو یا اقرار سے۔

سوال : یہ عطف واؤ سے کیوں نہیں اور لفظ اَوْ سے کیوں۔ حالانکہ وہ تو مباح اور یہ واجب ہے۔

جواب : تاکہ دلالت ہو کہ وصیّت اور قرض ہر دونوں وجوب میں برابر ہیں اور اس بات میں مساوی ہیں۔ کہ ان ہر دونوں کو تقسیم وراثت پر مقدم کرنا واجب ہے۔ خواہ ہر دونوں ہوں یا صرف ایک۔

سوال : وصیت کو قرضہ پر کیوں مقدم کیا گیا ہے حالانکہ اجرائے احکام میں قرض وصیّت سے پہلے ادا کیا جاتا ہے۔

جواب : اس لیے کہ وہ میراث کے مُشابہ اور اس کی ادائیگی ورثہ پر شاق بھی ہے اور پھر قرض کا وقوع نادر ہوتا ہے اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا تمہاری اولاد اور آباء میں سے تمہیں معلوم نہیں کہ ان میں کون سا اَقرب اِلی النَّفع ہے یہ خطاب ورثہ کو ہے یعنی تمہارے وہ اُصُول اور فروع جو فوت ہو چکے ہیں تم نہیں جانتے ہو کہ ان میں تمہارے لیے کون زیادہ مفید ہے مثلاً ایک وہ ہے کہ مرتے وقت اپنے مال کے تہائی حصہ کو صدقہ کرنے کی وصیت کر جاتا ہے اس طرح وہ تمہیں آخرت کے ثواب کا مُستحق بنا گیا ہے کہ اگر اس کے تہائی مال سے صدقہ کرو گے تو ثواب پاؤ گے دوسرا وہ ہے کہ مرتے وقت اُس نے کسی قسم کی وصیت نہیں کی تو اُس کی وَصیّت نہ کرنے سے تمہیں ترکہ سے وراثت کا مال کچھ زیادہ ملے گا۔ لیکن ثواب نہیں اِن دُونوں میں سے اگر انصاف سے جواب دُو تو تمہارے لیے زیادہ مفید پہلا ہے کہ جس نے مرتے وقت اپنے تہائی مال کے صدقہ کرنے کی وصیت کی ہے۔ اس لیے کہ تمہیں مرتے ہی اُس کی اجرائے وصیّت کا ثواب نصیب ہوگا۔ اور پھر [illegible] کے ثواب کے حصول سے منفعت بھی بیحد۔ اس لیے کہ مُورث و وارث کے موت کے مابین چنداں مُدت بھی نہیں۔ یعنی دنیا میں رہنے کا تھوڑا وقفہ نصیب ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں دنیوی مُنفعت جو اُس سے ملی ہے وہ چند رُوزہ پھر جلد تر ختم ہونے والی ہے۔ بلکہ معمولی سے وقفہ سے وہی مال ختم ہو جائے گا۔ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۔ تقسیم وراثت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اُوپر فرض ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا بیشک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق اور اُن کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے حَكِيْمًا جو فیصلہ اور جیسے ہی مقدار اور جس طرح کی تدبیر فرمائے اُن کے لیے بہت بڑی حکمتوں کا مالک ہے۔

خلاصہ تفسیر: آیت میں تنبیہ ہے کہ بندے پر لازم ہے کہ وہ افراط و تفریط سے بچ کر رہے باعتبار رائے کے یا باعتبار عمل کے بلکہ مضبوط اور پختہ رسّی کو مضبوط پکڑے جسے عدالت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ تمام امور مذکورہ کے متعلق ہے۔ دراصل ضعیف و قوی کے پرکھنے کے لیے یہ بہترین ترازو ہے لیکن یہ بھی ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی بلکہ اُس کی قسمت میں ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہے اور انہیں دل سے مانتا ہے کہ اُس کا ہر فیصلہ انجام بخیر کی حیثیت سے ہوتا ہے بنابریں یہ اُس کے جملہ فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔ اور یہ بھی اسے یقین ہے کہ وہ اپنی شانِ کریمی اور حکمت کی مصلحت کے تحت ہر شئے کو وہ اپنی شانِ کریمی اور حکمت کی مصلحت کے تحت ہر شئے اس کے مناسب مقام پر رکھتا ہے۔ فلہٰذا بندوں پر لازم ہے کہ وہ بھی عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اس لیے کہ یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اور ظلم سے دُور رہنے کی جدوجہد کریں۔ ہر معاملہ میں ظلم کو اپنے میں نہ گھسنے دیں بالخصوص عزیز و اقارب کے معاملات میں اس لیے کہ انہیں غیروں پر ہر طرح سے فضیلت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں انہیں صلہ رحمی کی حیثیت بھی ہے اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کو اپنے ذاتی احکام کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہیں کَمَا قَالَ تَعَالٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ۔ پس بندوں پر لازم ہے کہ اپنے اصول و فروع کے حقوق کی پاسداری کو لازم سمجھیں اور صاحبِ حق کی ادائیگی حقوق میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کمی نہ کریں۔

فہرست حقوق الوالدین

والدین کے حقوق یہ ہیں۔

(۱) اولاد پر واجب ہے کہ ماں باپ کے سامنے اُف تک نہ کریں۔

(۲) حتی الامکان ان کی مروت و احسان میں کمی نہ کریں۔

(۳) اُن کے ساتھ نہایت نرم اور لطیف لہجہ سے بات کریں۔

حدیث شریف: میں ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کے متعلق پھر والدین کے حقوق کے بارے میں پرسش ہوگی۔ اسی طرح عورت سے سب سے پہلے نماز کے متعلق پھر اس کے شوہر کے حقوق کے بارے میں سوال ہوگا۔ اسی طرح عبد سے پہلے نماز کے متعلق پھر اس کے مولیٰ کے حقوق کے بارے میں۔

مسئلہ:

والدہ حقوق کے لحاظ سے والد پر فوقیت رکھتی ہے اس لیے کہ وہ اولاد کی تربیت میں زیادہ دکھ اٹھاتی ہے اور پھر اُسے بہ نسبت باپ کے اولاد سے زیادہ محبت و رحمت بھی ہے۔

حکایت:

ایک شخص نے عرض کی یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ بہت بوڑھی ہوگئی ہے اب

میں اُسے اپنے ہاتھ سے کھلاتا پلاتا ہوں اور اُسے مونڈھے پر اُٹھا کر اس کی تضائے حوائج کراتا ہوں کیا اس طرح سے مَیں نے اپنی ماں کے حقوق ادا کر لیے۔ آپ نے فرمایا نہیں اس کے حقوق میں سے ایک بھی نہ۔ اُس نے عرض کی یہ کیسے۔ آپ نے فرمایا۔ والدہ نے تیری خدمت اس وقت کی جب کہ تو بالکل ضعیف و ناتوان تھا۔ اور اس نیت پر کہ تیری عمر دراز ہو اور تو اس نیت پر خدمات کرتا ہے کہ وہ کب مرے گی۔ لیکن ماں کی ایسی خدمت سے تجھے شاباش۔ اس پر اللہ تعالیٰ تمہیں بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔ ایسی حالت میں ماں (باپ) کی خدمت سے (تھوڑی ہو یا زیادہ) بہت بڑا ثواب نصیب ہوتا ہے۔

حکایت:

ایک شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور مجھے جنگ کو جانے کی اجازت بخشئے۔ آپ نے پوچھا۔ کیا تیری والدہ زندہ ہے۔ اُس نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا ماں کی خدمت کرتے رہو۔ اس لیے کہ بہشت تیری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ یہ حدیث احیاء العلوم شریف میں ہے کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

جنت کہ سرائے مادرانست — زیر قدمات مادرانست،
روزی بکن اے خدائے مارا — چیزے کہ رضائے مادرانست

ترجمہ: (۱) جنت ماں کی جاگیر ہے وہ ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔
(۲) اے اللہ ہمیں وہ دن دکھا دے جو ماں کی خوشنودی کا ہو۔

مسئلہ:

دینِ اسلام میں جو امور مباح ہیں اُن تمام میں والدین کی اطاعت ضروری ہے خواہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔

مسئلہ:

اگر وہ شرک یا کسی گناہ پر مجبور کریں تو اُن کا کہنا نا ماننا بے فرمانی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

جاھداك على ان تشرك بی ما لیس لك به علم فلا تطعھما۔

چوں نبود خویش را دیانت و تقوی
قطع رحم بہتر از مودّتِ قربیٰ

ترجمہ: جب رشتہ دار میں دیانت و تقویٰ نہ ہو تو ایسے رشتہ داروں سے قطع رحمی بھلی۔

مسئلہ:

ہر وہ امر کہ جس سے بے خبری میں ہلاکت اور تباہی ہو تو اس کا جاننا فرض عین ہے۔ خواہ امور اعتقادیہ سے ہوں جیسے معرفۃ الصانع اور معرفۃ صفاتہ۔ اسی طرح حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اقوال وافعال کی تصدیق یا اعمال حسنہ میں سے ہوں۔ خواہ ظاہر سے متعلق ہوں۔ جیسے نماز روزہ وغیرہ یا باطن سے جیسے نیت صاف رکھنا۔ اور اخلاص کرنا اور توکل وغیرہ یا وہ اعمال سیئہ میں سے ہوں۔ خواہ اُن کا تعلق ظاہر سے ہو۔ جیسے شراب پینا۔ سود کھانا اور شہوت سے بیگانی عورت کی طرف دیکھنا۔ یا باطن سے جیسے کبر۔ عجب اور حسد۔ اسی طرح نفس کے تمام رَدی عادات۔ ان تمام اُمور کا جاننا فرض عین ہے یعنی ہر عاقل بالغ کو ان کا جاننا واجب ہے۔ اگرچہ ان کے حصول کا علم سے اس کے والدین منع فرمائیں۔ تب بھی اُن کے رُدکنے سے نہ رُکے۔

مسئلہ: مندرجہ بالا عقائد و مسائل کے علاوہ دیگر علوم و فنون کے حصول سے اگر والدین روکیں تو بعض کے نزدیک ان کا حکم ماننا ضروری ہے کہ اُن کے حصول کے لیے والدین کو چھوڑ کر کہیں باہر نہ جائے جب تک کہ والدین کی اجازت نہ ہو۔

مسئلہ

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ اگر کوئی مرد علم کے حصول کے لیے والدین کی اجازت کے بغیر باہر چلا جائے تو یہ والدین کی بے فرمانی میں داخل نہ ہوگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ جانے والا نوجوان باریش ہو۔ اگر وہ بچہ اور بے ریش ہو اور پھر حسین و جمیل بھی ہو تو پھر اگر اسے والدین روکتے ہیں تو باہر نہ جائے بلکہ والدین کو چاہیئے کہ اسے ایسے آوارہ نہ چھوڑ دیں۔

فہرست اَولاد کے حقوق والدین پر۔ ماں باپ پر اولاد کا ایک حق یہ ہے کہ اُن کا اچھا نام رکھیں مثلاً انبیاء علیہم السلام کے اسماء کے مطابق یا اللہ تعالیٰ کے کسی نام سے منسوب کر کے۔ اس لیے کہ قیامت میں ہر انسان کو اُس کے باپ کے نام سے پکارا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ قیامت میں تم اپنے اور اپنے آباء کے اسماء سے بلائے جاؤ گے لٰہذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔

مسئلہ: قبیح اَسماء کا تبدیل کرنا مستحب ہے۔

حدیث شریف: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مسمّیٰ عاصی کو مطیع سے تبدیل فرماتے۔ آپ کی خدمت میں ایک

شخص حاضر ہوا۔ اُس کا نام مضطجع تھا۔ آپ نے اس کا نام مُنبعث رکھا۔

مسئلہ: والد پر اولاد کا دوسرا حق یہ ہے کہ اس کا ختنہ کرائے۔

مسئلہ: ختنہ کرنا سُنت ہے۔

مسئلہ: ختنہ کے وقت میں اختلاف ہے بعض فرماتے ہیں کہ بالغ ہونے کے قریب ختنہ کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ بھی ایک طہارت ہے اور بندے پر قبل از بلوغ طہارت کا حکم نہیں ہے بعض نے فرمایا کہ جب بچہ دس سال کا ہو اور بعض نے کہا کہ جب نو سال کا ہو۔

مسئلہ: افضل یہ ہے کہ جب تک بچے کے دانت ظاہر نہ ہوں اس سے پہلے ختنہ نہ کرانا چاہیئے۔ اس لیے کہ اس طرح سے یہودیوں کی مخالفت ضروری ہے کہ وہ بچوں کا ولادت کے بعد ساتویں دن ختنہ کرتے ہیں۔

مسئلہ: والد پر اولاد کا حق ہے کہ رزقِ حلال سے تربیت کرے۔

مسئلہ: اولاد کے حقوق میں یہ بھی ہے کہ اولاد کو علم دین پڑھائے اور اُس کی اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی سیرت پر تربیت فرمائے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

بخردی درش زجر و تعلیم کن　　به نیک و بدش وعدہ و بیم کن

بیاموز پرورده را دست رنج　　دگر دست داری چو قارون گنج

بپایاں رسد کیسۂ سیم و زر　　نگردد تہی کیسۂ پیشہ ور

ترجمہ: (۱) بچپن سے ہی اسے تعلیم دے اور اس وقت اسے نشیب و فراز سمجھا۔

(۲) اپنے پروردہ کو کاروبار میں لگا دے اگرچہ تیرے ہاتھ قارون کا خزانہ ہے۔

(۳) کیونکہ بالآخر سیم و زر کی تھیلی ختم ہو جائے گی لیکن پیشہ والے کی جیب ختم نہ ہوگی۔

مسئلہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ کہ بچے کا ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور اُس کے سر کے بال اُتارے جائیں۔ پھر جب چھ سال کا ہو جائے تو اُسے آداب سکھائے جائیں اور جب وہ سات سال کا ہو جائے تو اُسے دوسروں کے ساتھ سونے سے علیحدہ سلایا جائے اور جب وہ سترہ سال کا ہو جائے تو اُس کی شادی نکاح کیا جائے پھر وہ اپنے کسبِ حلال سے روزی کمائے تو اسے سمجھائے کہ میں نے تیری تربیت کی اور تجھے علم پڑھایا اور تیری شادی نکاح کیا۔ میں تیرے لیے دُعا اور دُنیا کے فتنوں سے پناہ مانگتا ہوں اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی بھی

دُعا کرتا ہوں ۔

مسئلہ: انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی رائے پر اعتماد نہ کرے بلکہ اپنا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے ۔ اس لیے کہ وہ ہر معاملہ کو زیادہ جانتا ہے اور تمام امور میں بہت زیادہ حکمتیں رکھتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مشائخ بمنزلہ آباء کے اور مُریدین بمنزلہ اولاد کے ہیں ۔ جیساکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ شیخ اپنے مریدوں کے لیے ایسے ہے جیسے نبی علیہ السلام اپنی اُمت کے لیے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں ۔ اُولُوا الْاَرْحَامِ الآیۃ میں اشارہ ہے کہ مشائخ و مریدین کی وصیتیں اور وراثتیں قربت دینی کی وجہ سے ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ جیسے دنیوی وراثت دو قسم ہوتی ہے ۔

(۱) سببی ۔

(۲) نسبی ۔

اسی طرح دینی وراثت بھی دو قسم کی ہوتی ہے سببی وراثت دینی مریدین کا نیک ارادہ اور اپنے مشائخ سے خرقہ خلافت حاصل کرنا اور ان کے لباس سے تبرک لینا اور اُن سے مشابہت پیدا کرنا اور نسبی وراثت دینی یہ ہے کہ اُن کے تصرفات ولایت کے سامنے ظاہراً و باطناً سرِ تسلیم خم کرکے اُن کی صحبت سے صدق نیت اور خلوص قلبی سے فیض حاصل کرنا اور اُن کے احکام پر بصدق دِل چلنا اور ان کی تربیت پر جان و دِل سے عمل کرنا تاکہ اسے اس سے نشأۃ ثانیہ کا درجہ نصیب ہو اس لیے کہ ولادت دو قسم ہے نشأۃ اُولیٰ جسے ولادت جسمانیہ کہا جاتا ہے وہ اس طرح کہ عورت کے رحم سے بچہ عالم شہادت میں قدم رکھے اسے عالم دُنیا کہتے ہیں ۔ نشأۃ ثانیہ اسے ولادت روحانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس سے صاحب ولایت (سالک) رحم قلب سے عالم غیب میں ظہور پذیر ہوتا ہے ۔ اسے عالم ملکوت کہا جاتا ہے ۔ جیساکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ملکوت السموات والارض میں پہنچنا نصیب نہیں ہوتا جب تک دو ولادتیں حاصل نہ ہوں ۔ اس اعتبار سے شیخ روحانی باپ ہوتا ہے اور مریدین اُن کی صلب ولایت سے پیدا ہوتے ہیں ۔ اسی وجہ سے مریدین مشائخ کی روحانی اولاد کہلاتی ہے ۔ اس بنا پر مشائخ و مریدین آپس میں ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوتے ہیں ۔ اُن کے بعض دوسرے بعض سے افضل ہوتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی اولوا الارحام بعضہم اولیٰ ببعض یہی مفہوم ہے ۔ دوسرے مقام پر فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور حضور علیہ السلام نے فرمایا انبیا علیہم السلام آپس میں مادری بھائی نہیں کہ اُن کے طور و اطوار تو مختلف ہیں لیکن ان کا دین ایک ہے ۔ اس بنا پر حضور علیہ السلام نے فرمایا ۔ کہ ہر حسب و نسب منقطع ہو جائے گا سوائے میرے حسب و نسب کے ۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ حسب و نسب

سے مُراد آپ کا دینِ اسلام ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کی آل کون ہیں آپ نے فرمایا پرہیزگار مؤمن میری آل ہے۔ بہرحال مُومن ایک دوسرے کا وارث ہے یا بمعنی بوجہ تعلقات نسبی وسبی اور ذکورۃ و الوثنۃ اور اجتہاد اور حسن استعداد کے وارث ہوتے ہیں اور اُن کی وراثت بھی علوم دینی اور اسرارِ لدنی ہی ہیں۔ جس نے کسی سے یہی حاصل کئے اُسے بہت اور بڑا اچھا حصہ نصیب ہوا۔ حضرت مولانا روم قدس سرہ نے فرمایا۔ ؎

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش ۔۔۔ سُست و ریزندہ چوں آب و گل مباش

چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو ۔۔۔ ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

گر تو سنگ صخرہ و مرمر شوی ۔۔۔ چو بصاحب دل رسی گوہر شوی

یار خنداں باغ را خنداں کند ۔۔۔ صحبت مرادنت ازمرداں کند

ترجمہ: ① جب پیر کا دامن پکڑا ہے تو نازک طبع نہ ہو سست اور گارے کی طرح گرنے والا (بیکار نہ ہو)
② مرشد کا دامن پکڑا ہے تو تسلیم ورضا اختیار کو جیسے موسیٰ خضر علیہ السلام کے زیرِ حلم کر دیئے گئے۔
③ اگر تو پتھر و چٹان اور سنگ مرمر سے ہے جب صاحب دل کے ہاں پہنچوں گا تو تو گوہر ہو جائے گا۔
④ یار خوش مذاق باغ کو خوش کر دیتا ہے تجھے جوانمردوں کی صحبت جوانمرد بنا دے گی۔

تفسیر عالمانہ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ۔ اور تمہارے لیے تمہاری عورتوں کے ترکہ سے آدھا حصہ ہے جب کہ وہ مر جائیں اور کچھ مال چھوڑ جائیں تو تمہیں اُن کی وراثت سے آدھا حصہ ﷺ۔ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ اگر اُن کی کوئی اولاد نہ ہو یعنی اُن کی صلبی یا اُن کے بیٹوں یا پوتوں کی اسی طرح نیچے تک اولاد نہ ہو نرینہ یا مادہ۔ ایک یا ایک سے زائد۔ تمہارے سے ہو یا تمہارے غیر سے۔

مسئلہ: بقایا آدھا حصہ اس کے اُس کے ذوالفروض والعصبات وغیرھم کو ملے گا۔ یا بیت المال کو۔ اگر کوئی بھی اُس کا وارث نہ ہو فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ پس اگر اُس کی کوئی اولاد ہو۔ جس کی تفصیل ابھی گزری ہے۔

فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ۔ تو تمہارے لیے اے شوہر و تمہاری عورتوں کے ترکہ سے چوتھا حصہ ملے گا۔ اور باقی دوسرے وارثوں مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ بعد وصیت کے یہ ہر دونوں صورتوں کے متعلق ہے يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ جو اس کے لیے وصیت کر کے مر جائیں یا قرضہ ادا کرنے کے بعد جب کہ وہ قرضہ بینہ سے ثابت ہو یا وہ خود اقرار کر کے مریں وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ۔ اور ان کے لیے چوتھا حصہ ہے جو کچھ تم مرنے وقت چھوڑ جاؤ اور وہ تمہارے بعد زندہ بچ جائیں۔

إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ۔ پس اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو بتفصیل مذکور فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم۔ بس اُن کے لیے تمہارے چھوڑے ہوئے ترکہ سے آٹھواں حصہ ہے۔ باقی ترکہ دوسرے وارثوں کے لیے ہے۔

مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ تُوْصُوْنَ بِھَآ اَوْ دَیْنٍ ط بعد وصیت کے جو کہ تم وصیت کر کے مرجاؤ یا بعد ادائگی قرض کے یعنی ترکہ کی تقسیم سے پہلے وہ تمہاری وصیت اور قرضہ کو پورا کریں۔ پھر جائیداد تقسیم کریں۔

مسئلہ: یہ اس وقت ہے جب کہ مانع عن الارث کوئی نہ ہو اور عن الارث چار ہیں۔

(۱) قتل۔

(۲) اختلاف (جیسے مسلمان کے مرزائی اور پرویزی۔ شیعہ۔ وہابی۔ دیوبندی وارث نہیں ہو سکتے۔

(۳) بندہ ہونا۔

(۴) اختلاف دار یعنی دارالاسلام کا باشی دار الحرب میں رہنے والا وارث نہیں ہو سکتا وَ اِنْ کَانَ رَجُلٌ اور اگر میت مرد ہو یُوْرَثُ اس کی وراثت کا حق دار یعنی اس کی وراثت اسے دی جائے گی جو اس کا وارث ہے شاید کہ جس کا یہ وارث ہوا یہ یورث رجل کی صفت ہے کَلٰلَۃً یہ کان کی خبر ہے کلالہ اسے کہا جاتا ہے کہ کی اولاد نہ ہو اور نہ ہی اس کا والد زندہ موجود ہو یہ دراصل مصدر ہے بمعنے الکلال کے اہل عرب ہر اس شخص کو کہتے ہیں جسے بولنے میں رکاوٹ ہوتی ہو اور اسکی قوۃ تکلم میں نقص ہو۔ پھر بطور استعارہ ہر شخص کو کہتے ہیں کہ جس کی اولاد نہ ہو اور نہ ہی اس کا والد زندہ موجود ہو۔ وجہ مناسب یہی ہے کہ وہ قرابت میں دونوں جہتوں سے ناقص ہے۔ اَوِ امْرَاَۃٌ۔ یا عورت ہو۔

وَلَہٗ یعنی ان میت کے لیے کہ جس کا ترکہ تقسیم ہونا ہے وہ مرد ہے یا عورت اَخٌ اَوْ اُخْتٌ کا بھائی زندہ موجود ہے یا بہن۔

مسئلہ: شرط یہ ہے کہ وہ ہر دونوں مادری بہن بھائی ہوں اور یہ مسئلہ اجماع سے ثابت ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں کے غیر کا حکم برابر جو اسی سورۃ کے آخر میں بیان ہوگا فَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا پس ہر ایک ان دونوں مادری بہن و بھائی میں سے السُّدُسُ چھٹا حصہ ہے۔

مسئلہ: اس صورت میں مرد کو عورت پر کوئی نفضیلت نہیں یعنی بہن و بھائی اس چھٹے حصہ میں برابر کے حصہ دار ہیں اس لیے کہ یہاں میت کی طرف قرابت کی نسبت انوثت (عورت) یعنی ماں کی وجہ سے ہے فَاِنْ کَانُوْآ پس اگر وہ مادری اولاد اکثر زائد موجود ہوں مِنْ ذٰلِکَ اس سے یعنی ایک بھائی یا ایک بہن سے یعنی وہ ہوں یا دو سے زائد فَھُمْ شُرَکَآءُ فِی الثُّلُثِ تو وہ سب کے سب تہائی میں برابر کے شریک ہیں اس تہائی کو آپس میں تقسیم کر لیں۔ اس میں مرد کو عورت پر کسی قسم کی ترجیح نہیں۔ ان کے بعد باقی ترکہ اصحاب الفرض والعصبات کو ملے گا مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصٰی بِھَآ اَوْ دَیْنٍ غَیْرَ مُضَآرٍّ وصیت کے جو وصیت کی جائے یا بعد قرض کے اس میں کسی کو نقصان نہ دیا جائے۔ غیر مضار کا منصوب

ہونا بہ بنائے حال ہے جو یُوصی کے فائل سے رائع ہے اور وہ فاعل اس یوصٰی میں مقدر ہے جب کہ یوصٰی بصیغہ مجہول سے دلالۃً ثابت ہوتا ہے۔ یعنی اُس کی وصیت کرکے مرجائے۔ یعنی وہ وصیت جو مضمون میں مذکور ہے یا اس نے کسی کا قرض دینا ہو درانحالیکہ ورثہ کو کسی قسم کا نقصان نہ دیا جائے۔ مثلاً وصیت زائد علی الثلث وصول کی جائے یا وصیت صرف ورثہ کو ضرر دینے کی بنا پر از خود بنائی جائے یا میت خواہ مخواہ وصیت کرکے مرے تاکہ ورثہ کو جائداد سے نقصان پہنچے یا مرتے وقت کسی جعلی قرضہ کا اقرار کرکے مرے۔ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ سے تمہیں وصیت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی وصیت فرماتا ہے۔ کہ جس میں کسی قسم کا تغیر نہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ میراث کو کاٹتا ہے یعنی ورثہ کا حصہ کم کرلے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اُس کا حصہ بہشت میں کم کردے گا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ نقصان دینے اور نہ دینے والے کو خوب جانتا ہے حَلِيْمٌ۔ اور بہت بڑے حوصلہ والا ہے۔ وہ کسی کی سزا دینے پر جلدی نہیں فرماتا۔ لہٰذا کوئی اس مہلت دینے پر دھوکہ نہ کھا جائے۔ تِلْكَ یہ احکام جو یتامیٰ اور وصیتوں اور میراث کے متعلق مذکور ہوئے ہیں حُدُوْدُ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی حدیں اور اُس کی مقرر کردہ شریعتیں ہیں جو اُن حدود کی طرح ہیں کہ اُن سے تجاوز کرنا ناجائز ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ان تمام اوامر ونواہی میں کہ جن کی تفصیل بیان ہوئی ہے اطاعت کرتا ہے۔ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اللہ تعالیٰ اسے اُن باغات میں داخل فرمائے گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ خالدین کا صیغہ جمع باعتبار معنی ہے کہ لفظ مَن لفظاً مفرد ہے اور معنی جمع ہے وَذٰلِكَ اور یہ ثواب۔ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ بہت بڑی کامیابی ہیں۔ یعنی قیامت میں بہت بڑی نجات اور ایسی کامیابی کہ اس جیسی اور کوئی کامیابی نہیں ہوسکتی وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے اگرچہ بعض اوامر ونواہی میں سہی وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ اور اُس کے حدود سے تجاوز کرتا ہے۔ یعنی اُس کی متعین کردہ احکام کے حدود سے متجاوز ہوتا ہے يُدْخِلْهُ نَارًا تو اُسے جہنم میں داخل کرے گا۔ اور وہ جہنم بہت بڑا عظیم عذاب ہے کہ جس کا کوئی بھی اندازہ نہیں کرسکتا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے اہانت کرنے والا عذاب ہوگا یعنی اُس کے لیے اس جلانے والے عذاب جسمانی سے کوئی اور عذاب ہوگا کہ جس کی کنہہ کو کوئی نہیں جانتا اور وہ عذاب روحانی ہوگا۔ جیسا کہ عذاب کی صفت مہین سے معلوم ہوتا ہے اور وَلَهٗ عذاب مہین جملہ حالیہ ہے۔

نکتہ: اہل جنت کے لیے صیغہ جمع خالدین فیہا اور اہل نار کے لیے صیغہ مفرد یعنی خالدًا فیہا میں اس طرف اشارہ

ہے کہ جہنم کے ایک ہی عذاب میں نفس کے دُکھ درد بے پایاں ہے پھر باقی کیا کہنا ۔

تفسیر صوفیانہ طاعتِ الٰہی مطالب دُنیوی و آخری کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے اور اطاعت کے فوائد کے لیے اصحاب کہف کے کُتّے کا قصہ ہی کافی ہے کہ وہ اَولیاء اللہ تعالیٰ کی صحبت میں طاعت الٰہی کے طور رہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہشت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے

بابداں یار گشت ہمسر لوط ۔۔۔ خاندان نبوتش گم شُد
سگ اصحاب کہف روزے چند ۔۔۔ پے مردم گرفت مردم شُد

ترجمہ: ① بُروں کی صحبت میں لوط (علیہ السلام) کی اہلیہ بیٹھی تو اس کا خاندان نبوت سے رشتہ ٹوٹ گیا ۔

② اصحاب کہف کا کتا ایک عرصہ اللہ والوں کا دامن پکڑا رہا تو انسان بن گیا ۔

سبق: جب اطاعت گزار لوگوں کے صحبت یافتہ لوگوں کا یہ مرتبہ ہے تو پھر خود اہل طاعت کی کیا شان ہو گی ۔

روحانی نسخے حضرت حاتم اصم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اپنے مولیٰ کی خدمت بجالانا چاہیئے۔ پھر دیکھئے دُنیا قدم چومے گی اور آخرت تیری طالب ہو گی ۔

① اُنہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص تین چیزوں کا تین چیزوں کے بغیر دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے ۔
جو شخص بہشت کا طالب ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال نہیں لٹاتا وہ جھوٹا ہے ۔

② جو شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرتا ہے لیکن اَولیاء اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی ہے وہ بھی جھوٹا ہے ۔

③ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرکے اس کے محارم سے نہیں بچتا وہ بھی جھوٹا کذاب ہے ۔

④ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں بڑھتا ہے اسے قرب الٰہی میں اضافہ نصیب ہوتا ہے اور شیطان کے مکر و فریب سے دُور ہوتا ہے ۔

⑤ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے حضرت معروف کرخی قدس سرہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے کس عمل کے ذریعے طاعتِ الٰہی پر توفیق دیئے جاتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا جب اُن کے دِلوں سے دُنیا کی محبت نکل جائے ۔ اگر اُن کے دِل میں ذرہ برابر بھی دُنیا کی محبت ہو تو اُن کا ایک سجدہ بھی قابلِ قبول نہیں حضرت مولانا روم قدس سرہ نے فرمایا ہے

بند بگسل باش آزاد اے پسر چند باشی بند سیم و بند زر
ہر کہ از دیدار برخوردار شد ایں جہاں در چشم او مردار شد
ذکر حق کن بانگ غولاں را بسوز چشم نرگس را ازیں کرگس بدوز

ترجمہ: ① تعلق توڑ اے بیٹے اور آزاد ہو جا کب تک اس سیم و زر کا عاشق بنا پھرے گا۔
② جو بھی دیدار الٰہی سے سرشار ہوتا ہے اسے یہ جہان مردار نظر آتا ہے۔
③ ذکر حق سے غول کو جلا دے نرگس کی آنکھ سے گدھ کی آنکھ بند کر دے۔

سبق: جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اپنی عظمت کی معرفت سے نوازتا ہے تو وہ اس کی اطاعت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

حکایت: بنی اسرائیل کے ایک نوجوان کا واقعہ ہے کہ تارک الدنیا ہو کر اُس نے لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور آبادی سے دور ایک مقام پر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گیا۔ اُسے گھر لانے کے لیے اس کی برادری کے دو بزرگ اُس کے پاس گئے اور کہا کہ بھائی تم نے ایسا عمل اختیار کیا ہے کہ جس کی شدت سے دِل کانپ اٹھتا ہے۔ نوجوان نے کہا میرا اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ سخت ہے تم کس کس بات کا میرے لیے ترس کھاؤ گے۔ انہوں نے کہا تیرے تمام گھر والے تیری زیارت کے مشتاق ہیں تمہارا واپس لوٹنا تمہاری اس عبادت سے افضل ہے۔ نوجوان نے کہا جب میرا رب تعالیٰ میرے اوپر راضی ہو جائے گا تو تمام گھر والے میرے اوپر راضی ہو جائیں گے۔ پھر اُنہوں نے کہا تو ابھی نوجوان ہے تجھے اس کا تجربہ نہیں ہم نے گرم و سرد آزمایا ہے ہمیں خطرہ ہے کہ تو اپنی اس عبادت میں عجب سے مارا جائے گا۔ نوجوان نے کہا جسے اپنے نفس کی مکاریوں کا علم ہو جاتا ہے اُسے عجب (خود بینی) کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ وہ بزرگ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ کر کہنے لگے چلو بابا اس نوجوان کو جنت کی خوشبو نصیب ہو گئی ہے۔ اَب یہ کسی کی بات نہیں مان سکتا۔

حکایت: حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے لیے ایک پروگرام بنا رکھا تھا۔ کہ ایک دِن عبادت میں مصروف رہتے۔ ایک دن اپنے اہل و عیال اور اولاد کے لیے لیکن وہ بھی تمام رات عبادتِ الٰہی میں گزار دیتے۔ اور ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ ایک دن عبادت پر نظر کی تو دل میں خیال گزرا۔ آپ کے قریب نہر چلتی تھی اس سے ایک مینڈک بولا اور کہا کہ قسم ہے مجھے اُس ذاتِ اقدس کی جس نے آپ کو نبوت سے نوازا کہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں اُس وقت سے اس نہر میں ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں اور ایک پل بھی آرام نہیں کیا ہے لیکن مجھے اس عبادت پر نہ ثواب کی اُمید ہے اور نہ ہی عذاب سے خطرہ۔ لیکن آپ چند روز عبادت کر کے اپنی عبادت پر نظر رکھنے لگ گئے۔

سبق : اس سے معلوم ہوا کہ نیک انسان وہ ہے جو عبادت بجالانے کے باوجود بھی اپنے آپ کو گنہگار سمجھے اور عبادت پر کسی قسم کا بھروسہ نہ کرے۔ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمل صالح میں زندگی بسر کرے اور ان برائیوں سے دور رہے جو اسے (عجب) یعنی خود بینی میں مبتلا کر دیں بلکہ تمام روحانی امراض سے بچنا رہے یہی وجہ ہے کہ اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ تھا کہ وہ گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے

روحانی نسخے : حضرت امام جعفر صادق اور حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا - یہ دور خاموشی اور عزلت نشینی کا ہے۔

حکایت : حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ اگر ہم گوشہ نشینی اختیار کر لیں تو پھر ہمیں رزق کہاں سے ملے گا۔ آپ نے فرمایا تقویٰ پیدا کرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ متقین کو غیب سے روزی دیتا ہے - چنانچہ فرمایا وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ راہ کھول دیتا ہے اور اسے اس طرح روزی دیتا ہے کہ اسے معلوم بھی نہیں ہوتا۔

حضرت جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بر دلِ خود کم نہ اندیشہ معاش ،
عیش کم ناید تو بر درگاہ باش ،

ترجمہ :

تو دل میں معاش کا خیال بھی نہ لا
روزی کم نہ ہوگی جب تم درگاہِ حق پر پڑے رہو

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ
شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ○
وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ○ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَی اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ
یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ○ وَ
لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ
اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا
اَلِیْمًا ○ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ
لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ وَعَاشِرُوْهُنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ○
وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا
مِنْهُ شَیْـًٔا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ○ وَكَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰی
بَعْضُكُمْ اِلٰی بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ○ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ
اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ
سَبِیْلًا ○

ترجمہ: اور تمہاری عورتیں جو بدکاری کریں ان پر خاص اپنے میں چار مردوں کو گواہی لو پھر اگر وہ
گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو اپنے گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھا لے یا اللہ ان کی
کچھ راہ نکالے اور تم میں جو مرد عورت ایسا کام کرے ان کو ایذا دو پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نیک ہو جائیں تو
ان کا پیچھا چھوڑ دو بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے
فضل سے لازم کرلیا ہے وہ انہی کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھے پھر تھوڑی دیر میں توبہ کرلیں ایسوں
پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور وہ توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں
لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی اور
نہ ان کی جو کافر مریں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اے ایمان والو تمہیں حلال نہیں کہ

عورتوں کے وارث بن جاؤ زبردستی اور عورتوں کو روکو نہیں اس نیت سے کہ جو مہر ان کو دیا تھا ان میں سے کچھ لے لو مگر اس صورت میں کہ صریح بے حیائی کا کام کریں اور ان سے اچھا برتاؤ کرو پھر اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اللہ اس میں بہت بھلائی رکھے اگر تم ایک بی بی کے بدلے دوسری بدلنا چاہو اور اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو۔ تو اس میں کچھ واپس نہ لو کیا اسے واپس لوگے جھوٹ باندھ کر اور کھلے گناہ سے اور کیونکر ایسے واپس لوگے حالانکہ تم میں ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہو لیا اور تم سے گاڑھا عہد لے چکیں اور باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو مگر جو ہو گزرا وہ بے شک بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بہت بری راہ۔

تفسیر عالمانہ

وَالّٰتِیْ یہ الّتی کی جمع ہے یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ۔

حل لغات: یاتین اِتیان سے مشتق ہے بمعنے فعل اور کوئی عمل کرنا۔ الفاحشۃ یعنی وہ فعل جو قبیح ہو۔ اس سے زنا مُراد ہے کہ بہت بڑے قبائح سے بھی قبیح تر ہے یعنی وہ عورتیں جو کہ زنا کا فعل کرتی ہیں جو کہ وہ۔ مِنْ نِّسَآئِکُمْ تمہاری عورتوں ہیں سے فَاسْتَشْھِدُوْا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ تو اُن پر اپنے سے چار گواہ لاؤ۔ یعنی اُن پر گواہی دینے کے لیے اپنے سے چار آزاد مرد گواہ بناؤ فَاِنْ شَھِدُوْا پس وہ چار اگر اُن پر زنا کی گواہی دیں فَاَمْسِکُوْھُنَّ فِی الْبُیُوْتِ پھر انہیں اپنے گھروں میں مقید کر کے بند رکھو حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ یہاں تک کہ انہیں موت آجائے اور وہ اِسی قید میں مر جائیں۔ اس میں موت سے ڈرانا مطلوب ہے کہ وہ ایک سخت امر ہے کہ رُوح قبض ہونے کے وقت معلوم ہو گا۔ یا اس سے وہ فرشتہ مُراد ہے جو روح قبض کرنے پر مامور ہے اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا یا اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی اور راستہ بتلائے کہ وہ اس گھر کی قید سے نکل جائیں کہ انہیں نکاح کرنے کی اجازت مِل جائے اس لیے کہ نکاح زنا کی برائی سے بچاتا ہے وَالَّذٰنِ یہ الّذی کا تثنیہ ہے یَاْتِیٰنِھَا وہ دو شخص یعنی مرد اور عورت جو زنا کرتے ہیں مِنْکُمْ تم میں سے یعنی زانی مرد اور زانیہ عورت۔

ف: تغلیباً عورت بھی اس میں داخل ہے۔

ازالہ توہم حضرت سدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے غیر شادی شدہ مرد و عورت مُراد ہیں۔ جیسا کہ اُن کی سزا سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی سزا مذکورہ بالا عورت سے کم ہے کہ اُسے دائمی طور قید میں رکھنے کا

حکم ہے ۔ اس تقریر سے وہ وہم دور ہو گیا کہ جب زانیہ کا حکم پہلے بیان ہو چکا ہے پھر اب دُوبارہ کیوں بیان کیا جا رہا ہے ۔ اس میں تکرار لازم آتا ہے فَاٰذُوْهُمَا پس انہیں ایذاء دو مثلاً انہیں جھڑکیاں دو اور ان کی مذمت کرو اور انہیں کہو کہ تمہیں ایسے گندے عمل سے حیاء و شرم کرنی چاہیے یا کہو تمہیں خدا تعالیٰ کا خوف بھی نہیں آیا لیکن یہ اُس وقت ہے جب کہ اُن سے واقعی زنا سرزد ہو اور اُن پر عینی شہادت یا قوی قرائن یا اُن کا خود اپنا اقرار ہو فَاِنْ تَابَا پس اگر وہ اپنے کئے سے تائب ہو جائیں کہ تمہاری زجر و توبیخ اور ملامت وغیرہ کرنے سے وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے آئندہ نہ کرنے کا پورا اعتماد دلاتے ہیں وَاَصْلَحَا اور نیک بن گئے ہیں اور اپنے غلط رویہ کو تبدیل کر چکے ہیں تو فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا تو تم بھی اُن سے درگزر کرو کہ اب انہیں نہ اذیت دو اور نہ ہی زجر و توبیخ کرو ۔ اس لیے کہ توبہ کے بعد اب وہ زجر و توبیخ اور ملامت کے مستحق نہیں رہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول کرنے میں بہت بڑا کریم ہے رَّحِيْمًا ۔ اور بہت بڑا رؤف و رحیم بھی ہے ۔

مسئلہ : عورت و مرد سے زنا سرزد ہو ۔ اگر وہ دونوں شادی شدہ ہیں تو اُن کی سزا سنگسار ہے ۔

مسئلہ : اگر وہ غیر شادی شدہ ہیں تو اُن کی سزا سَو سَو کوڑے ہیں ۔

مسئلہ : اگر ان میں ایک شادی شدہ ہے اور ایک غیر شادی شدہ تو شادی شدہ کو سنگسار اور غیر شادی شدہ کو سَو کوڑا ۔

مسئلہ : المحصن ۔ شریعت میں اس عاقل ۔ بالغ ۔ مسلمان ۔ آزاد کو کہتے ہیں جس نے بالغہ ۔ عاقلہ ۔ آزاد مسلمان عورت سے نکاح صحیح سے جماع کیا ہو ۔

قاعدہ تفسیریہ تورات میں سنگساری کا حکم ثابت تھا ۔ پھر قرآن میں آیت ایذاء مذکورہ سے منسوخ ہوا ۔ پھر آیت ایذاء آیت جلس سے منسوخ ہوئی ۔

سوال : آیت ایذاء تو آیت جلس سے ترتیب اور نظم قرآن میں بعد کو ہے ۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پیچھے والی آیت پہلی آیت کی ناسخ ہو جائے ۔

جواب : اگرچہ ترتیب و نظم میں آیت ایذاء بعد کو ہے لیکن نزول کے لحاظ سے آیت جلس سے پہلے ہے اور یہ اصول قرآنی کے لحاظ سے جائز ہے[1] ۔

قاعدہ : پھر آیت جلس حدیث عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ سے منسوخ ہوئی ۔

[1] اس کی مفصل بحث نیز اُدلبی غفرلہ کی کتاب ورا حسن البیان فی اصول تفسیر القرآن جلد اول میں دیکھئے ۱۲ ۔

حدیث شریف در بار حد زنا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ باکرہ اور غیر شادی شدہ مرد زنا کریں تو سو کوڑا مارو اور ایک سال تک انہیں شہر بدر کرو (اگر مناسب ہو) اور ثیب عورت اور شادی شدہ مرد زنا کریں تو سو کوڑا مارو اور سنگسار بھی کرو۔

قاعدہ: پھر اس حدیث مذکور کا حکم بھی آیت جلد "یعنی الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ زانی عورت اور زانی مرد ہر ایک کو سو سو کوڑا مارو۔ اس آیت کے نزول کے بعد ہر زانی مرد و عورت کی سزا سو کوڑا متعین ہوئی۔

قاعدہ: اس کے بعد صرف شادی شدہ مرد و عورت کا حکم حدیث ماعز صحابی رضی اللہ عنہ سے منسوخ ہوگیا۔

قاعدہ: آیات و احادیث کی ترتیب نسخ یونہی ہے۔ جیسے ہم نے بیان کی ہے پھر اسی پر حکم برقرار رہا (کذافی تفسیر التیسر)۔

سبق ہر اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ زنا سے توبہ کرے۔ بلکہ دوسرے بھائیوں کو اس برائی سے روکے۔ اس لیے کہ جس علاقہ میں زنا واقع ہو وہ علاقہ وباء و طاعون میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور وہاں کے لوگ فقر و فاقہ میں شکار ہو جاتے ہیں۔

زنا کی مذمت از حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یا حضرت! کونسا گناہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت برا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا۔ حالانکہ وہ سب کا خالق ہے۔ میں نے عرض کی پھر کون۔ آپ نے فرمایا۔ اولاد کو اس خیال پر قتل کرنا کہ وہ کیا کھائیں گے۔ پھر میں نے عرض کی اس کے بعد۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنا۔ اور سب سے بڑا زنا رہ عجیب زنا پر اصرار کیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی عورت کو طلاق دیکر پھر اسے اپنے پاس رکھ لے اس شرم پر کہ لوگ شرمسار کریں گے۔

ف: جیسے آج لوگوں کی مذمت سے اتنا خطرہ ہے تو پھر اس کا قیامت میں کیا حال ہوگا۔ جب کہ تمام لوگوں کے اعمال بر سر میدان آجائیں گے۔ یعنی سب کے سب اسرار کھل جائیں گے۔

سبق اس دن کی فضیحت و رسوائی کا ہر ایک کو خیال رکھنا ضروری ہے بالخصوص اور پھر اس پر اصرار سے بچنا لازمی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو برداشت کرنے کی کسے طاقت ہے بلکہ ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ توبہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ تواب و رحیم ہے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مرکب توبہ عجائب مرکبست | بر فلک تازد بیک لحظہ زپست
چون برآمد از پشیمانی انین | عرش لرزد از انین المذنبین

ترجمہ:(۱) توبہ ایک عجیب سواری ہے وہ ایک لمحہ میں زمین سے آسمان تک دوڑ سکتی ہے۔
(۲) جب کوئی پریشانی سے روتا ہے تو عرش الٰہی مجرموں کے گریہ سے کانپ جاتا ہے۔

عمر اگر بگذشت بیخش ایں دم است | آب توبہ اش دہ اگر او بے نمست
بیخ عمر ترا بدہ آب حیات | تا درخت عمر گردد بانبات
جملہ ماضیہا ازیں نیکو شوند | زہر پارینہ ازیں گردد چو قند

ترجمہ: (۱) اگر عمر گذر گئی تو اس کی جڑ بھی لمحہ ہے اگر اس میں نمی نہیں تو اسے توبہ کا پانی دے۔
(۲) اپنی عمر کی جڑ کو آبحیات کا پانی دے تاکہ تیری عمر کا درخت پھل دے۔
(۳) تمام گزشتہ لوگ اسی سے نیک نام ہوئے۔ بہت زہریں اس سے کھانڈ بنی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الخ میں بلکہ نفوس امارہ مراد ہیں بالفاحشۃ سے وہ ظاہری قبائح مراد ہیں جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا اور اسی طرح وہ باطنی قبائح جنہیں طریقت نے حرام فرمایا۔ طریقت کے باطنی قبائح حرام کردہ۔ صرف یہی ہے کہ غیر اللہ تعالیٰ کی طرف میلان نہ ہو۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حضرت) سعد (صحابی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیرتمند ہیں۔ لیکن اُن سے زیادہ غیور اور مجھ سے بڑھ کر میرا اللہ تعالیٰ غیور ہے۔ اس لیے اس سے ظاہری و باطنی ہر طرح کی برائیوں کو بندوں پر حرام فرمایا۔ فَاسْتَشْهِدُوْا الخ پس تم اپنے نفوس امارہ کی برائیوں کے ارتکاب پر اپنے اربع عناصر کو جس سے تم مرکب ہو کر گواہ لاؤ۔

(۱) مٹی کے خواص سے ہے خستہ۔ اکاکہ۔ ذلت۔ طمع رسوائی ملامت۔
(۲) پانی کے خواص سے ہے نرمی۔ عجز۔ سستی۔ انوثتہ کھانے پینے کی اشیاء میں حرص۔
(۳) ہوا کے خواص سے ہے حرص حسد۔ بخل۔ کینہ۔ عداوت۔ شہوت۔ زینت۔
(۴) نار کے خواص سے ہے اترانا تکبر۔ فخر۔ شور کرنا۔ غضب تیزی طبیعت۔ بد خلقی اور دیگر وہ بدعادتیں جو نفس کے متعلق ہوتی ہیں اور ان سب کی جڑ حُبِ دُنیا اور حُبِ ریاست (اقتدار) اور نفس کی لذات و شہوات کی تکمیل کے درپئے رہنا فَاِنْ شَهِدُوْا الخ پس اگر وہ گواہی دیں۔ یعنی اگر نفس کی بعض صفات ظاہر ہو جائیں تو انہیں گھر دل میں روک رکھو۔ یعنی نفوس کو تمتعات دینوی سے رکاوٹ کی قید میں محبوس رکھو اس لیے کہ دُنیا مومن کے لیے جیل خانہ ہے اور ان نفوس امارہ پر خواس خمسہ کے دروازے بند کر دو یہاں تک کہ انہیں موت مار دے۔ یعنی اُن سے اُن کے حظوظ مٹ جائیں نہ کہ اُن کے حقوق اسی طرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا

مرنے سے پہلے مرجاؤ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا یا اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی راستہ بنائے۔ یعنی عالم غیب سے اُن کے قلوب کے لیے دریچے کھول دے۔ پھر اس سے الطاف حق و جذبات الوہیت کی ہوا اُسے نصیب ہو کہ اس کا مقابلہ ثقلین کے عمل بھی نہیں کر سکتے۔ وَالَّذٰنِ الخ اس سے نفس اور جسم مُراد ہیں۔ کہ اگر ظاہری افعال و اعمال کے فواحش کا ارتکاب کریں یا باطنی احوال کے بدعادتوں کے مُرتکب ہوں تو انہیں ظاہری حدود سے ایذا دو اور ترک حظوظ اور کثرت ریاضات و مجاہدات سے انہیں سخت سزا دو۔ پس اگر وہ ظاہراً و باطناً توبہ کریں اور اپنی پوری طور اصلاح کریں تو اُن سے سختی کے بعد نرمی اور دُکھ پہنچانے کے بعد آرام پہنچاؤ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا کا یہی مطلب ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ الخ۔ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور نیک طریقہ لوگوں کے لیے رحیم ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ بیشک اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول کرنا یعنی بندوں کی توبہ قبول کرنا گویا واجب ہے (اگرچہ اس پر کوئی چیز واجب ہے ہی نہیں لیکن یہ اُس کا فضل و کرم ہے کہ وہ بندوں کی توبہ قبول کرنا ہے لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ ان لوگوں کی جو بُرا عمل کرتے ہیں وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ انما التوبۃ الخ مبتدا ہے۔ اور اس کی خبر اس کا ما بعد بجہالۃ یعنی وہ بُرائی کا عمل کرنے والے ایسے ہیں جو جہالت سے متلبس ہیں یعنی وہ جاہل اور سفیہ ہیں۔ اس لیے جو ارتکاب ذنب جہالت کا مُقتضی ہے اس لیے کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہے جب تک کہ وہ اس گناہ سے باز نہ آجائے۔

مسئلہ: تفسیر تیسیر میں ہے کہ اس جہالت سے لاعلمی مُراد نہیں اس لیے کہ گناہ کی لاعلمی تو ایک عذر ہے۔ بلکہ وہ غفلت اور گناہ کرتے وقت لاپرواہی اور انجام سے بے فکری مُراد ہے۔ گویا یہ شخص گناہ کرتے وقت اُس کے انجام سے بے خبر اور لاعلم ہے ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں۔ یعنی موت سے پہلے یا سکرات کے طاری ہونے سے پہلے۔

سوال: جب موت یا سکرات الموت مراد ہے تو پھر اُسے نزدیک ہونے سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب: حیاۃ دنیا کے لمحات نہایت مختصر ہیں۔ آنکھ جھپکنے سے پہلے ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ متاع دُنیا نہایت قلیل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دُنیا کے لمحات جلد تر ختم ہونے والے ہیں۔ جب تمام دُنیا کے لمحات کی یہ کیفیت ہے پھر فرد واحد کی عمر کے لمحات کی بات ہی کیا ہے مِنْ قریب میں مِن تبعیضیہ ہے یعنی توبہ کرتے ہیں اپنے لمحات زندگی کے کسی لمحہ میں گویا گناہ اور موت کے مابین کے لمحات کو قُرب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اُن کے مابین جس لمحہ میں بھی توبہ کرے گا۔ اُس کی توبہ قبول ہو گی۔ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ انہی لوگوں کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو

اور اُن کی توبہ کے اخلاص کو حکیماً وہ اپنی تمام مصنوعات کی حکمتوں کو خوب جانتا ہے۔ اور ایسا دانا توبہ کرنے والے کو سزا نہیں دیتا۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ مرنے سے پہلے اپنی تمام غلطیوں سے توبہ و استغفار کرے اور اپنے مالک کو قبل از موت راضی کرنے کی جدوجہد کرے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کے بعد فرماتا ہے کہ آپ کی اُمت سے جو بھی قبل از موت ایک حملہ اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگتا ہے۔ تو میں اُسے معاف کر دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ وقت تو بہت زیادہ ہے۔ جبریل علیہ السلام لوٹے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ایک لمحہ پہلے توبہ کرے گا تو بھی قبول کروں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ وقت بھی بہت زیادہ ہے پھر جبریل علیہ السلام واپس بارگاہ حق میں حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے محبوب علیہ السلام کو سلام کے بعد کہو کہ آپ کی اُمت کے لیے اگر یہ وقت بھی زیادہ ہے تو اگر ان میں کوئی نزع رُوح کے وقت بھی اپنے گناہوں کی معافی چاہے۔ اگرچہ وہ زبان سے نہیں کہہ سکتا لیکن مجھ سے حیاء کرکے دِل ہی دِل میں نادم ہو تو بھی اُسے معاف کر دوں گا۔ اس سے میرا کچھ بگڑتا بھی نہیں اور نہ ہی مجھے اس کی پرواہ ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُس کی رُوح حلقوم تک پہنچ جائے۔ یعنی جب تک اُس کی رُوح حلقوم کے نزدیک پہنچ جائے وہ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نظارے دیکھ رہا ہوتا ہے یا پھر اسے اپنی غلطیوں کی سزا کا منظر سامنے ہوتا ہے اس بنا پر اُس کی اس وقت توبہ نامنظور ہوتی ہے اور نہ ہی اس وقت ایمان لانا کام دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلم یک ینفعھم ایمانھم لما راوا باسنا پس اُس وقت انہیں ایمان نفع نہیں دیتا۔ جب کہ انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا۔

مسئلہ: توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے یہاں تک کہ رُوح نکالنے والا فرشتہ نظر آجائے اُس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی اور یہ فرشتہ سکرات طاری ہونے کے وقت سامنے آجاتا ہے اور سکرات اُس وقت طاری ہوتی ہے جب حلقوم کی رگ کاٹی جاتی ہے تو روح سینہ سے نکل کر حلقوم میں پہنچ جاتی ہے پھر یہی رُوح کے قبضہ کرنے والے کے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام کے معائنہ کا وقت ہوتا ہے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ فرشتے کو دیکھنے اور سکرات کے طاری ہونے سے پہلے توبہ کرے یہی مطلب ہے ارشاد باری تعالیٰ کا کہ فرمایا۔ ثم یتوبون من قریب الخ

نکتہ: چونکہ اس وقت بندہ کی اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اُمید وابستہ ہو سکتی ہے فلہٰذا اگر اُس وقت بھی ندامت کا اظہار

کہہ دے اور پختہ ارادہ کر لے۔ کہ اگر زندگی رہی تو گناہ ہرگز نہیں کروں گا تو بھی اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

طریقے بدست آر و صلحے بجوی ۔۔۔ شفیعی برانگیز و عذرے بگوی،

کہ یک لحظہ صورت نہ بندد اماں ۔۔۔ چو پیمانہ پر شد بدور زماں

ترجمہ: (۱) اچھا طریقہ ہاتھ میں لے کر صلح کیجیے۔ سفارشی لے کر گناہ کا عذر پیش کیجیے۔

۲ کہ ایک لمحہ بھی مہلت نہ ملے گی جب دور زمانہ کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا

مسئلہ: توبہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ توبہ قبول ہونے کی چار شرطیں ہیں۔

① قلبی طور نادم ہونا۔

② اسی وقت سے گناہ سے باز آجانا۔

③ آئندہ پختہ ارادہ کرنا کہ ایسا پھر نہیں ہوگا۔

④ اللہ تعالیٰ سے قلبی طور حیاء اور صرف اُس کا خوف دل میں ہو۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہماری استغفار کو بھی استغفار کی ضرورت ہے یعنی جب ہم گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں تو اس استغفار میں بھی کئی خامیاں ہوتی ہیں۔ اس لیے پھر اُن کے لیے بھی استغفار کرنی پڑتی ہے۔

ف: اپنے تذکرہ میں حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اُن کے زمانہ کا حال تھا۔ اب ہمارا حال اس سے بھی گرا ہوا ہے۔ کہ اس میں ہر شخص ظلم پر تلا ہوا ہے اور گناہوں پر حریص ہے اور پھر دھوکہ یہ کہ تسبیح ہاتھ میں اس گمان میں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کر رہا ہوں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھلا استہزاء ہے اور اس کی شان کو حقیر سمجھنے کے مترادف ہے اس سے زیادہ بڑا ظالم اور کون ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کے آیات سے استہزا کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان سچے دل سے توبہ و استغفار کرے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ ملائکہ کرام بندے کے گناہ لکھ کر آسمانوں پر جاتے ہیں۔ جب لوح محفوظ پر نظر دوڑاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس بندے کے گناہوں کی بجائے اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں ہی نیکیاں لکھی ہوئی ہیں ملائکہ کرام عرض کرتے ہیں یا الٰہ العالمین یہ کیا ماجرا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اس بندے نے گناہ کے بعد فوراً توبہ کر لی ہے اور ندامت کے مارے دو آنسو بہا دیئے اور رو پڑا۔ مجھے اس کے حال پر رحم آیا۔ میں نے اپنے فضل و کرم سے اُس کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دیا ہے۔ اور میرے سے بڑھ کر کریم اور کون ہو سکتا ہے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

آخر ہر گریہ آخر خندہ ایست | مرد آخر بیں مبارک بندہ الست
ہر کجا آب رواں سبزہ بود | ہر کجا اشک رواں رحمت شود
تا نگرید طفل کے جوشد لبن | تا نگرید ابر کے خندہ چمن

ترجمہ: (۱) رونے والے کو کبھی ہنسنا نصیب ہوتا ہے۔ انجام بخیر پر نظر رکھنے والا مبارک بندہ ہے۔
(۲) جہاں پانی چلتا ہے وہاں سبزہ اگتا ہے۔ جہاں آنسو بہتے ہیں بالآخر رحمت نصیب ہوگی۔
(۳) جب تک بچہ نہ روئے دودھ جوش نہیں کرتا۔ جب تک بادل نہ روئے چمن پھول نہیں لاتا۔

حکایت: حضرت احمد بن عبد مقدس رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ آپ اپنا ابتدائی حال بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے شاہی محل کی کھڑکی سے نیچے دیکھا کہ شاہی محل کے قریب ایک فقیر نے روٹی پانی اور نمک سے کھائی ہے اور کھا کر آرام سے سونے لگا۔ میں نے اُسے بُلایا اور کہا کہ کیا تو اس ایک روٹی سے سیر ہوگیا۔ پھر نیند کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔ اُس نے کہا ہاں ایسے ہی ہے اس فقیر کے کے حال سے میں نے شاہی محل سے توبہ کی اور اسی رات کو ہی صوفیانہ لباس پہن لیا اور سر پر فقیرانہ ٹوپی اوڑھ لی اور پیدل مکہ معظمہ کی طرف چل پڑا۔

سبق: جب کسی بندے کو اللہ تعالیٰ اپنے لیے پسند فرمایا ہے تو اس کے دل میں ایک نورانی گیس روشن کر دیتا ہے جس سے اسے حق و باطل کا امتیاز ہو جاتا ہے اور اسے اپنے عیوب فوراً نظر آجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دُنیا کے گورکھ دھندوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا رومی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

ملک برہم زن تو ادہم وار زود | تا بیابی ہمچو او ملک خلود،
ایں جہاں خود حبس جانہائے شماست | ہین روید آں سو کہ صحرائے شماست

ترجمہ: ادہم کی طرح ملک کو ختم کرتا کہ تمہیں دوسرا دائمی ملک نصیب ہو۔
(۲) یہ جہاں الٹا تمہاری ارواح کے لیے قید ہے ادھر چلو کہ وہیں تمہاری رہائش گاہ ہے۔

حضرت عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

نقاب از رد چوں خورشید بردار | اگر ہستی زر دئے خود خبر دار
زکوہ قاف جسمانی گذر کن | بدار الملک روحانی سفر کن

ترجمہ: (۱) چہرہ سے سورج کی طرح نقاب ہٹا۔ اگر تو کچھ ہے تو اپنی خبر لے۔
(۲) جسمانی کوہ قاف سے گزر جا۔ روحانی دار الملک کا سفر کر۔

مشو مغرور ایں ملک مزوّر — نہ عزت ماند و نہ مال و نہ زر،
اگر رنگت فرو شوبند زرخسار — خریدارت نیاید پیش کس بازار

ترجمہ: (۱) اس دھوکہ باز ملک سے دھوکہ نہ کھا نہ یہ عزت رہے گی نہ مال نہ زر۔
(۲) اگر تیرے چہرہ سے تیرا رنگ دھو ڈالیں تو کوئی بھی بازار میں تیرا خریدار نہ آئے گا۔

تفسیر عالمانہ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو گناہ کرتے کرتے حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ یہاں تک کہ انہیں موت گھیرے میں لے یعنی نزع روح اور ملک الموت کو دیکھ کر۔

مسئلہ: موت کے آثار نمودار ہوتے وقت تک توبہ قبول ہو جاتی ہے قَالَ نزع روح اور فرشتے کو دیکھ کر کہے اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ بیشک ابھی میں نے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کی۔ یعنی اُس وقت اُس کی توبہ اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ یہ اس کی اضطراری توبہ ہے نہ کہ اختیاری وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ اور اس کا عطف الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ پر ہے۔ یعنی اُن لوگوں کی توبہ بھی قبول نہیں کہ جب وہ مرتے ہیں۔ وَهُمْ كُفَّارٌ اور وہ اپنے کفر پر اصرار کرنے والے ہوتے ہیں۔ یعنی کفر پر اصرار کرنے والے موت اور عذاب آخرت کو دیکھ کر توبہ کریں اُولٰٓئِكَ مذکورہ بالا دونوں گروہ وہ ہیں کہ اَعْتَدْنَا ہم نے اُن کے لیے تیار کر رکھا ہے اعتدنا دراصل اُعددنا تھا پہلی دال کو تاء سے تبدیل کیا گیا ہے لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ دردناک اور دائمی عذاب ہے۔

سوال: جلدی توبہ کرے یا گناہ کرتے آخری لمحات میں توبہ کرے یہ دونوں قبول توبہ میں برابر اور پھر نزع روح کے وقت توبہ کرنے والے اور کافر کی عدم قبول توبہ میں برابری کیوں۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ نزع روح کے وقت کی توبہ کا کسی قسم کا اعتبار نہیں۔ اس میں مبالغہ و تاکید مطلوب ہے۔ گویا یوں کہا کہ پہلے دونوں قبول توبہ اور پچھلے عدم قبول توبہ کے درجہ کے لحاظ سے برابر ہیں۔ اس کی وجہ یہ کہ نزع روح آخرت کے احوال سے پہلا قدم ہے پھر ایسے وقت قبول توبہ کا سوال ہی نہیں پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ کسی کی کفر میں زندگی گزری۔ پھر اس پر موت آئی لیکن توبہ نہ کر سکا تو ایسے ہی یہ سوچے اگر گھبرا اور اب توبہ کرتا ہے تو اسے کیا فائدہ۔ اس لیے کہ اس کی اور کافر کی کیفیت اب برابر ہو گئی ہے۔ اس میں ایک نکتہ اور بھی ہے وہ کوئی گناہوں سے توبہ کرنے والے کو گناہوں سے توبہ کرنے پر کوئی حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ ایسے ہی جو شخص اپنے گناہوں سے جلد تر مغفرت کی طلب کرتا ہے تو اسے کوئی نااہل نہ سمجھے۔

حضرت جلال الدین رُومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گر سیہ کردی تو نامۂ عمر خویش　　توبہ کن زانہا کہ کردستی تو پیش

توبہ آرید و خدا توبہ پذیر　　امر او گیرید او نعم الامیر

ترجمہ: (۱) اگر تو نے اپنا اعمال نامہ گناہوں سے سیاہ کیا ہے توبہ کرے قبل اس کے کہ حاضری ہو۔

(۲) توبہ کرو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے اس کا حکم مانو وہ بہتر فرمانروا ہے۔

تفسیر صوفیانہ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت کی ہوا کسی کو نصیب ہوتی ہے تو بندہ توبہ کرنے میں عجلت کرتا ہے اور توبہ کی قبولیت کے اسباب کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ ایسے کی معمولی سی نیکی بھی پذیرائی حاصل کر لیتی ہے۔ جس سے اُس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے اور پھر تمام قبائح کے ارتکاب سے باز آجاتا ہے۔

حکایت: حضرت ابُو سلیمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ایک واعظ کی محفل میں آتا جاتا تھا۔ اس کی بات میرے دِل پر اثر کر گئی۔ لیکن جب میں اُس کی مجلس سے اٹھا تو اس کا اثر زائل ہو گیا۔ پھر دُوبارہ حاضر ہوا کہ اس کا اتنا اثر ہوا کہ گھر تک اس کے نشانات دِل پر باقی رہے۔ مَیں نے نفس کے موافق کی تمام باتوں کو یک لخت چھوڑنے کا عزم کر لیا اور نیک لوگوں کے طریقے پر چل پڑا اور جا کر یہی واقع حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالےٰ کو سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ چڑیا نے کرکی کو شکار کر لیا۔ انہوں نے چڑیا سے واعظ اور کرکی سے حضرت سلیمانی دارانی مراد لیا ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش

در نوشتہ است پند بر دیوار

ترجمہ: مرد کو چاہیئے کہ نصیحت کو توجہ سے سنے اگرچہ وہ دیوار پر لکھی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی طرف جلدی کرو۔ یعنی گناہوں سے توبہ کرنے میں عجلت کرو۔ پھر گناہوں کو یک لخت چھوڑ دو۔ اور اللہ تعالیٰ مالک غفار کے دروازے پر پہنچ جاؤ اور نیک بخت صالح مرد کی جلدی کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ گناہوں سے اجتناب اور خیرات و حسنات میں جلد بازی کرے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انسان کے دائیں مونڈھے پر بیٹھنے والا فرشتہ امین ہے کہ جب بھی کوئی شخص ایک نیکی کرتا ہے تو وہ اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھتا ہے ؎

نکو کاری از مردم نیک رائے
یکے راہ بدہ می نوید خدائے

ترجمہ: نیک عمل والے مخلص کی ایک نیکی کو اللہ تعالیٰ دس نیکیاں لکھتا ہے۔

اور پھر بائیں جانب والے فرشتے کا حال سُننے - وہ یہ ہے کہ جب بندہ برائی کرتا ہے تو بائیں مونڈھے والا فرشتے اُس کی برائی لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ کہتا ہے ذرا ٹھہریئے - یعنی کم از کم چھ یا سات گھڑیاں ٹھہر جا - پس اگر وہ اس گناہ سے بخشش مانگ لیتا ہے یعنی اس گناہ کی جلد ہی توبہ کرتا ہے تو اُس کا وہ گناہ نہیں لکھا جاتا - اور اگر توبہ نہیں کرتا تو بھی صرف ایک گناہ ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے۔

سبق: ہر مسلمان پر واجب ہے کہ صبح و شام اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر لیا کرے - اس میں تاخیر نہ کرے۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ اچانک موت گھیر لے۔

حکمت کی باتیں حضرت ابُوبکر واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر امر میں تاخیر ضروری ہے - صرف تین کاموں میں ہرگز نہ کی جائے۔

① نمازیں۔
② میّت کی تدفین میں۔
③ گناہ کے بعد توبہ میں۔

ف: اُمم سابقہ کے لیے حکم ربانی تھا کہ گناہ کرنے پر ان پر حلال چیزیں حرام ہو جاتیں - اور جس وقت کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا کہ اس سے فلاں گناہ ہوا - یا اس کے ماتھے پر (قدرتی طور) لکھا جاتا کہ اس سے فلاں گناہ صادر ہوا - اُس نے اگر گناہ معاف کرانا ہے تو اُس کا طریقہ یہ ہے - اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے آسانی فرمائی کَمَا قَالَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۤءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا جس شخص سے برائی سرزد ہو جائے یا اس سے اپنے نفس پر ظلم ہو جائے پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا۔

حکایت ابلیس مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ملعون ٹھہرایا تو اللہ تعالیٰ سے شیطان نے مہلت مانگی - اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت دے دی - شیطان نے کہا یا اللہ تعالیٰ میں انسان کے دل پر قبضہ کروں گا یہاں تک کہ اُس کی جان بلب ہو گی - اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں بھی اس سے توبہ کو بے نقاب رکھوں گا یہاں تک کہ نزع میں مبتلا ہو گا۔

سبق: اللہ تعالیٰ کی مہربانی دیکھئے کہ اُس نے بندوں کو اگرچہ گناہ میں مبتلا ہوں تب بھی انہیں مومن کے پیارے لقب سے یاد کیا قَالَ تُوبُوْا اِلَی اللّٰہِ اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْن اگر وہ گناہوں سے توبہ کریں تو اُن سے محبت کا اظہار فرمایا کما قال اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ ۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

بمہلتے کہ سپہرت دہد از راہ مرو
ترا کہ گفت کہ ایں زال ترک دستان گفت

ترجمہ: وہ مہلت جو تجھے زمانہ نے دی ہے صحیح راہ نہ ہٹ تجھے کس نے کہا کہ اس پرانے ساتھی نے تجھے ہمیشہ مہلت دینی ہے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنے چند اچھے احوال دیکھ کر دھوکہ نہ کھائے ۔ اس لیے کہ اگر دنیا میں چند روز کی مہلت مل گئی ہے لیکن سزا سے تو نہیں بچ سکے گا۔ اس لیے کہ موت آخر آئے گی ۔ اس چار روزہ زندگی نے ختم ہونا ہے ۔ اور زندگی کا پیالہ بالآخر لبریز ہو کر چھوٹنا ہے ۔ اور یہ امر یقینی ہے ۔

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْھًا ۔
اے ایمان والو تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کے بالجبر وارث بن جاؤ ۔

حل لغات: کرھا ۔ مصدر ہے اور النساء سے حال کے قائم مقام واقع ہوا ہے ۔

شان نزول جاہلیت کے لوگوں عادت تھی کہ اُن کا کوئی قریبی رشتہ دار فوت ہو جاتا تو وہ اپنا کپڑا اس عورت یا اس کی (رہائش کے) خیمہ پر ڈال دیتا اور کہتا کہ اب سے میں اس عورت کا وارث ہوں ۔ جیسے اس کے مال کا وارث ہوں ۔ اس لحاظ سے باقی حصہ داروں سے اسے زیادہ حقدار سمجھا جاتا ۔ اور اگر چاہتا تو اسے ویسے ہی گھر میں مقید کر کے ذلیل و خوار کرتا ۔ یہاں تک کہ وہ عورت اپنی جان چھڑانے کے لیے چند ٹکے اُس کے حوالے کر دینے پر مجبور ہوتی تاکہ وہ شخص اپنی وراثت کا مطالبہ نہ کرے ۔ اگر وہ عورت اس شخص کے کپڑا ڈالنے سے پہلے ہی خود بخود شوہر کے گھر سے نکل کھڑی ہوتی تو پھر وہ اپنی آپ مالک ہوتی ۔ اس بُری رسم سے اللہ تعالیٰ نے انہیں رُوکا اور فرمایا کہ تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم انہیں اپنی وراثت سمجھ کر اپنے قبضے میں لے لو ۔ جیسا کہ تمہارا خیال فاسد ہے ۔

خلاصہ: یہ کہ شوہر مُردہ عورتوں کو تنگ نہ کرو ۔ وَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ ۔

لِتَذْھَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ تاکہ تم اُن سے چھین لو وہ جو کہ تم نے انہیں حق مہر وغیرہ دیا ہے کہ وہ عورتیں مجبور ہو کر حق مہر کا بعض حصہ تمہارے حوالے کریں ۔ اور تم اُسے لے لو اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ ۔ اگر وہ کھلم کھلا کسی برائی کا ارتکاب کریں ۔

حل لغات: مبینہ مشتق از بین ہے بمعنے تبیین اور البغی سے نافرمانی اور خلق خدا کی جائز شکایت اور شوہر کو سزا دینا اور اس کے رشتہ داروں کو غلیظ گالی دینا مُراد ہے۔ یعنی فحش اور بدزبانی یا الفاحشہ سے زنا مراد ہے۔ یہ استثناء اعم الاحوال واعم الاوقات یا اعم العلل کے قبیل سے ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ الا وقت اتیانہن یعنی ان کے ان برائیوں کے ارتکاب کے وقت پھر تمہیں اُن کا تنگ کرنا جائز ہے یا ان کی ان غلط رویوں سے تمہیں ان کا ٹھیک کرنا جائز ہے اس لیے کہ اب یہ سبب انہوں نے خود ہی اپنے لیے بنایا ہے۔ اور تم اُن سے خلع وغیرہ کے مطالبہ میں مجبور ہو وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور اُن سے نیکی کے ساتھ گزارو۔ یہ خطاب ان شوہروں کو ہے جو اپنی عورتوں کے ساتھ معاشرہ صحیح نہیں رکھتے۔ المعروف ہر وہ فعل جو شرعًا اور مروۃ اچھا ہے یہاں پر عورتوں کو گھر میں ٹھہرانا اور انہیں خرچ دینا اور اُن سے نرم لہجہ میں بات کرنا وغیرہ وغیرہ مُراد ہے۔ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ اُن سے کراہت کرتے ہو۔ یعنی اُن کے ساتھ گزارنے سے تنگ ہو بوجہ طبعی کراہت کے نہ کہ بوجہ امور مذکورہ بالا کہ اگر امور مذکورہ بالا اُن میں نہیں تو پھر انہیں اپنے سے جُدا نہ کرو۔ یعنی انہیں طلاق نہ دو۔ محض اپنی طبعی کراہت کی وجہ سے بلکہ اُن کے ساتھ گزارنے پر صبر کرو فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ۱ اس لیے کہ بہت سے اُمور کو تم مکروہ سمجھتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ ان میں تمہاری بہت بڑی بھلائی پیدا فرمائے گا۔ یہاں خیرًا کثیرًا سے اولادِ صالحہ یا محبت و اُلفت اور صلاح فی الدین مُراد ہے یہ جزاء کی علت ہے اور اس کے قائم مقام لائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ اپنی قوت کے لحاظ سے اس کو مستلزم ہے گویا کہ کہا گیا ہے کہ اگر تم اُن سے طبعی نفرت کرتے ہو تو پھر کراہت طبعی کے باوجود ان کے ساتھ گزارنے پر صبر کرو۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ جس سے تم نفرت کر رہے ہو اُس میں تمہارے لیے بہت بڑی خیر و برکت ہو۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں جسے تم چاہتے ہو۔

ف: عسٰی کا لفظ تامہ ہے اور اپنے مابعد کو رفع کر دیتا ہے۔ اور خبر کی تقدیر سے بھی مستغنی ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ فقد قربت الخ یعنی قریب ہے کہ جسے تمہاری طبیعت مکروہ سمجھتی ہے اُن میں اللہ تعالیٰ بہت بھلائی پیدا فرمادے۔ چنانچہ بارہا کا تجربہ ہے کہ انسان کسی شئے سے کراہت کرتا ہے حالانکہ وہی شئے اس کے لیے ہزاروں بھلائیاں اپنے اندر رکھتی ہے۔ جس کا انجام بڑا بہترین ہوتا ہے جو اس کے لیے خیر ہی خیر ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ اس کے برعکس کا خواہشمند ہوتا ہے فلہٰذا انسان کو چاہیئے کہ اس شئے کی طلب دل میں رکھے جس میں بھلائی اور بہتری ہو نہ یہ کہ جو جی میں آئے اُسے پُورا کرنے کے پیچھے لگا رہے۔

مسئلہ: جب طبع عورتوں کے ساتھ گزارنے سے متنفر ہو لیکن پھر بھی اس پر صبر ضروری ہے یہ وہاں ہے جہاں رضائے الٰہی کے اُمور مدِنظر ہیں۔ ورنہ انہیں جلد از جلد اپنے سے جدا کرنا۔ واجب ہے مثلًا اُن میں بے غیرتی پائی جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ مرد کا غیور ہونا تو اخلاق الٰہیہ میں سے ہے اور انبیاء و اولیاء

کا یہی طریقہ رہا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غیرت پر تعجب کرتے ہو میں تو اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور میرا اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیور ہے۔

نکتہ: یہی غیرتِ الٰہی ہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ظاہری و باطنی فواحش حرام فرمائے ہیں۔

ف: جو اعمال ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں انہیں عرف تصوف میں ظاہر اور جو احوال باطن سے متعلق ہیں انہیں باطن سے تعبیر کرتے ہیں اور انہیں غیر اللہ کی طرف میلان بھی کہا جاتا ہے۔ غیرت کے مقتضیات سے یہ ہے کہ اپنی عورت کے ساتھ اجنبی مرد کا میل جول گوارا نہ ہو اور نہ ہی اس کے لیے بازاروں میں جانا گوارا ہو۔ ہاں حمام میں جا سکتی ہے۔

مسئلہ: حمام میں مردوں اور عورتوں ہر دونوں کو جانا جائز ہے کما افتی الامام قاضی خان (خلافاً لما قالہ البعض)[1]

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حمام میں داخل ہونا اور نورہ کا استعمال ثابت ہے۔

ف: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بھی حمص (شہر) کے حمام میں داخل ہونا ثابت ہے

مسئلہ: حمام میں داخل ہونا اس وقت مباح ہے جب کہ اس میں کوئی آدمی ننگا نہ موجود ہو۔ ہمارے زمانہ کے لوگ خواہ اونچے طبقہ کے ہوں یا نچلے کے سب کے سب حمام میں ننگے ہو کر نہاتے ہیں۔

مسئلہ: متقی کو چاہیئے کہ وہ حمام میں بلا عذر داخل نہ ہو۔

خلاصہ تفسیر عورت جب کہ غلط کاریوں سے پاک اور عفیف طبیعت ہو تو پھر مرد پر واجب ہے کہ اس کے ساتھ نیک سلوک سے گزارے۔ اس کی دوسری غلطیوں سے درگزر کرے اور اس کی بدزبانی اور قبیح صورتی پر صبر کرے۔ ہاں اگر اس میں عفت نہ ہو اور غلط کار بھی ہو تو اسے اپنے سے دُور کرے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اگر پارسا باشد و خوش سخن

بدیدار او در بہشت است شوئے

ترجمہ: اگر بیوی نیک اور خوش سخن ہے تو شوہر کا اس کو دیکھنا بہشت ہے۔

---

[1] اس کا مطلب یہ نہیں کہ مردوں اور عورتوں کا حمام میں مخلوطی طور پر خلوت گزین ہونا جائز ہے۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ مرد و عورتیں حمام میں جا سکتی ہیں کیونکہ اکثر اوقات حمام میں جانا معالجے کے لیے ہوتا ہے نا کہ محض عیش و عشرت کے لیے۔ جیسا کہ بعض بدنیتوں کا عمل ہوتا ہے۔ (اویسی غفرلہ)

اگر پارسا باشد و خوش سخن | نگہ در نکوئی و زشتی مکن
چُو زن راہ بازار گیرد بزن | دگر نہ تو در خانہ بنشین چو زن
زبیگانگاں چشم زن کور باد | چو بیروں شد از خانہ در گور باد
نکوے نماند دران خاندان | کہ بانگ خروس آید از ماکیان
گریز از کفش در دہان نہنگ | کہ مُردن بہ از زندگانی بہ ننگ

ترجمہ: ① اگر بیوی نیک اور خوش سخن ہو تو پھر اس کے حسن و قبح کو نہ دیکھ۔

② جب عورت بازار جانا چاہے تو اسے جوتے مار ورنہ عورت بن کر تو خود گھر بیٹھ جاؤ۔

③ بیگانوں کو دیکھنے سے خدا کرے عورت کی آنکھ اندھی ہو جب گھر سے باہر نکلے تو کہو خدا کرے قبر میں تیرا جانا ہو۔

④ اس گھر کا رعب اٹھ جاتا ہے جہاں مرغوں کے بجائے مرغیاں اذان کہنے لگیں۔

⑤ اس کے ہاتھ سے نکل کر مگرمچھ کے منہ چلا جا کیونکہ ایسی تنگ زندگی سے موت بھلی۔

ف: عورتوں کا معاملہ بہ نسبت مَردوں کے سنگین ہے۔ اس لیے کہ وہ دین و عقل کے لحاظ سے کمزور واقع ہوئی ہیں اور ان میں خوش خلقی کی بھی کمی ہوتی ہے اُن سے سلوک کرنے۔ اُن کی بدزبانی پر صبر کرنے سے انسان کے اخلاق درست ہوتے ہیں اور اُن کے ایسے حالات میں صبر کرنے والے کو مجاہدین فی سبیل اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ازواجِ مطہرات سے نیک سلوک فرماتے۔

حکایت: مروی ہے کہ ایک نیک بخت اپنی عورت سے تادم زیست نیک سلوک کرتا رہا۔ اس کے مرنے کے بعد اسے کسی اور عورت سے نکاح کرنے کا کہا گیا تو اُس نے انکار کر دیا اور فرمایا تنہائی میں میری روحانیت کو قرار ملتا ہے۔ اس عورت کی وفات کے ہفتہ بعد خواب میں دیکھا کہ گویا آسمان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور وہاں سے نیچے چند لوگ اُتر رہے ہیں اور ہوا میں ایک دوسرے کے پیچھے اڑتے نظر آتے ہیں اُن میں سے ایک نے مجھے دیکھ کر اپنے پیچھے والے کو کہا۔ کہ یہ وہی بدبخت ہے۔ اسی طرح اُس نے اپنے سے پیچھے والے کو یہاں تک کہ ان میں باقی ایک رہ گیا۔ مجھے خیال گزرا کہ اس سے پوچھوں کہ تمہاری بدبختی سے مُراد کون شخص ہے چنانچہ میں نے اُن سے پُوچھا تو اُس نے کہا وہ بدبخت تو ہے۔ جس کا ہم نام لے رہے ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کیوں۔ اس نے کہا کہ ہم ایک ہفتہ پہلے تیرے اعمال مجاہدین فی سبیل اللہ میں لے جاتے تھے۔ لیکن اب ایک ہفتہ سے ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہم تیرے اعمال سب سے پیچھے لے جائیں۔ نا معلوم تیرے لیے کون سی نحوست پیدا ہوئی ہے بیدار ہوتے ہی اپنی برادری کو بُلا کر کہا کہ بلا تاخیر میری شادی (نکاح) کر دو۔ اس کے بعد تو اس کے نکاح میں بیک وقت

دُو دُو تین تین عورتیں رہیں۔

ازالۂ توہم: زیادہ عورتوں سے نکاح دینوی امور میں سے نہیں۔ اس لیے کہ بہت بڑے زہاّد عباد بھی دُو دُو تین تین چار چار عورتوں سے نکاح بیک وقت کرتے تھے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے تمہاری دُنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں۔

① عورت۔

② خوشبو۔

③ آنکھوں کی ٹھنڈک نمازیں۔

حکایت: ایک واعظ کا ذکر ہے [1] کہ وہ ایک بھرے مجمع میں کہنے لگے۔ کہ اس دُنیا میں خواہش نفسانی سے کوئی بھی بچ نہیں سکا۔ اگرچہ فلاں فلاں۔ فلاں۔ یہاں پر ایسے حضرات کا نام بھی لیا کہ جن کے متعلق ایسا الزام اُن کے شایان شان نہیں۔ اسے کسی صاحب دِل نے فرمایا۔ خدا کا خوف کیجئے۔ ایسے بزرگوں کو بھی ایسی قبیح نسبت سے ملوث کئے جا رہا ہے (یعنی حضور علیہ السلام کو) اُس نے کہا کیا خود انہوں نے نہیں فرمایا حبّب الیّ الخ میں نے اُسے کہا تو نے غور نہیں کیا۔ آپ نے حبّب الخ فرمایا ہے کہ نہ احببتُ الخ یعنی مجھے از خود محبت نہیں بلکہ میں اُس کی محبت کا حکم دیا گیا ہوں اُس کی اِس بکواس سے مجھے سخت ملال ہوا۔ میں وہاں سے مغموم و محزون ہو کر نکلا تو خواب میں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور فرمایا۔ عزیز غم نہ کھایئے ہم نے اُسے قتل کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد وہ واعظ کسی دیہات میں گیا تو ڈاکوؤں نے اسے قتل کر دیا۔

ازالہ توہم: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت سے نکاح کرنا شریعت کے باطنی اسرار میں سے تھا۔

شانِ نبوت کا بیان حضرت حکیم ترمذی نوادر الاصول میں فرماتے میں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام قوتِ مردی میں باقی عام لوگوں سے بدرجہا فضیلت رکھتے ہیں۔ یہ اُن کی نبوت کی عزت افزائی کی بنا پر۔

نکتہ: اُس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب (نُورِ نبوت) اُن کے سینہ مبارک میں موجزن ہوتا ہے تو پھر وہ اُن کی رگوں میں سرایت کر جاتا ہے۔ جس سے نفس و عروق لذت پاتے ہیں اور انہیں اس نور کی قوت سے بھر دیا جاتا ہے۔

---

[1] وہ بھی کوئی وہابیوں دیوبندیوں وغیرہم کی طرح بے ادب گستاخ ہوگا۔ نعوذ باللہ من امثال ھٰؤلاءِ

الوعاظ والقصاص ص ۱۲

(اویسی غفرلہ)

خوشبو کے طبی فوائد اور اصلی مرکز خوشبو تلب کی صفائی اور رُوح کو طاقت بخشتی ہے۔ دراصل یہ بہشت [illegible] ہے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے نکلے تو آپ نے جسم کو ڈھانپنے کیلئے بہشت کے پتے جسم پر چمٹائے اور انہوں پتوں پر خوشبو پڑی تھی جو آدم علیہ السلام کے ساتھ بہشت سے زمین پر وارد ہوئی۔

نماز کا نکتہ: نماز دراصل اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا ایک شرف ہے جو نمازی کو نصیب ہوتا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازی اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتا ہے۔

ف: جب تمہیں یہ حقیقت معلوم ہوئی تو پھر تمہیں چاہیئے کہ اللہ والے پر انکار کی نگاہ سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ اس لیے کہ اللہ والے کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے رازوں سے ایک راز ہوتا ہے جسے عوام کی عقلیں وہاں تک رسائی نہیں کر سکتیں۔ اگرچہ ہزار سال تک اس کے تجسس میں لگے رہیں۔ تب بھی وہ بھید نہیں کھلے گا۔

حضرت مولانا جلال الدین رُومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

از محقق تا مقلد فرقہا است کیں چوں داود ست وآں دیگر صدا است
کار درویشی ورائے فہم تست سُوئے درویشاں منگر سست سست

ترجمہ: (۱) محقق و مقلد کے درمیان بڑا فرق ہے جیسے داؤدی لحن اور دیوار کی صدائیں فرق۔

(۲) درویشی (ولایت) کے امور تیری سمجھ سے بالا تر ہیں محبوبان خدا کو حقارت کے نگاہ سے نہ دیکھ۔

تفسیر عالمانہ وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ اور اگر تم تبدیل کرد اپنی عورتوں کو۔ یعنی کسی دوسری عورت سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتے ہو کہ جس کے متعلق تمہیں رغبت ہے مَّكَانَ زَوْجٍ دوسری عورت کے بجائے یعنی جس عورت سے تمہیں رغبت نہیں۔ اور تم اُسے طلاق دینا چاہتے ہو۔

وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ اور تم نے ان میں سے کسی ایک کو دے دیا ہے۔ یہاں زوج سے اس جنس کی کوئی عورت مراد ہے قِنْطَارًا بہت سا مال فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ پس تم اُس سے مت لو یعنی وہی دیا ہوا بہت سا مال۔ واپس مت لو شَيْئًا معمولی شئے بھی اس سے نہ لو چہ جائے کہ بہت سا مال اس سے لو اَتَاْخُذُوْنَهٗ کیا تم اس سے معمولی شئے لیتے ہو بُهْتَانًا بہتان باندھنے والے ہو کر۔ یہ حال ہے یا مفعول لہ ہے یعنی بہتان کے لیے اور ظلم عظیم کی بنا پر۔

شان نزول اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ کسی عورت سے شادی کر لینے کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح کرنے کی رغبت پیدا ہو جاتی تو پھر پہلی عورت پر بہتان تراشی شروع کر دیتے۔ اور قسم و قسم کی الزام اور فواحش کی نسبت سے اُسے تنگ کر دیتے تاکہ وہ مجبور ہو کر کچھ دے کر یا کم از کم وہی حق مہر معاف کر کے طلاق کی خواہشمند ہو

جائے تاکہ اسے طلاق دے کر اس دوسری جدید عورت (کہ جس کے ساتھ اُسے رغبت ہے) سے نکاح کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بدعادت سے رُوکا۔

حل لغات: البہتان لغت میں اس جھوٹ کو کہتے ہیں کہ جسے انسان بول کر زبردستی اپنے بالمقابل پر غلبہ حاصل کرلے۔ یہ بہت الرجل سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب انسان حیران ہو جائے اور بہتان کو کبھی بہتان اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب پر بہتان باندھا گیا ہے وہ حیران ہو کر اپنے مدمقابل سے مغلوب ہو جاتا ہے کبھی اس کا اطلاق فعل باطن پر بھی ہوتا ہے لیکن یہاں پر ظلم کے معنے میں تفسیر کی گئی ہے وَاِثْمًا مُّبِيْنًا اور کھلم کھلا گناہ۔ یعنی کھلم کھلا گناہ کرنے والے ہو۔ یا یہ کام ظاہری گناہ کے لیے کرتے ہو۔

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ اور کس وجہ سے لے رہے ہو یعنی یہ کام کر رہے ہو وَقَدْ اور حال یہ ہے کہ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ بیشک تمہارا بعض تمہارے بعض کو پہنچ چکا ہے یعنی تمہارے اور تمہاری عورتوں کے درمیان چند ایسے احوال جاری رہے مثلاً اُن سے خلوتیں ہوئیں اور اُن کے حق مہر تم پر ثابت ہو چکے اور اُن کی خدمت کے حقوق تمہارے لیے واضح ہو چکے وغیرہ وغیرہ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا۔ اور وہ تم سے بہت بڑا سخت اور پختہ وعدہ لے چکی ہیں۔ اس کا عطف ماقبل پر ہے جو اسی ماقبل کے حکم میں داخل ہے۔ اور اُن کا وہ پختہ اور سخت وعدہ یہی ہے۔

① حق صحبت۔

② آپس میں مل جل کے زندگی بسر کرنا۔

③ نیک سلوک سے پیش آنا۔

یا یہ کہ خود اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے بہت بڑا سخت اور پختہ وعدہ لیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے فامساك بمعروف اوتسریح باحسان یعنی یا انہیں نیک سلوک کے ساتھ اپنے پاس رکھو یا انہیں پورے طور چھوڑ دو۔ یا اُن کے پختہ اور سخت وعدہ سے مُراد وہ ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ سے بطور امانت کے لیا ہے اور اُن کی فروج تمہارے لیے حلال ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی برکت سے۔

تفسیر صوفیانہ یہ معاملات یعنی عورتوں کو تنگ کرنا اور انہیں اپنے شوہروں سے روکنا اور ظلم کر کے انہیں مال دے کر پھر چھین لینا۔ جب کہ اُن سے بہت بڑا سخت اور مضبوط وعدہ کر چکے ہو کہ تم اُن کے حقوق میں کسی قسم کی کمی نہیں کرو گے۔ اسی طرح کے اور امور میں خامی رکھنا۔ ایمان کے علامات اور اُس کے ثمرات سے نہیں۔ اس لیے کہ مومن تو مومن کا بھائی ہے اور بھائی پر نہ ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اُسے گالی دیتا ہے۔

حدیث شریف نمبر (۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن مومن کیلئے سفید بنیاد کی طرح ہے کہ ایک دوسرے کو مضبوط اور پختہ کرتے ہیں۔

حدیث شریف نمبر (۲): اور فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔

حدیث شریف نمبر (۳): حضور علیہ السلام نے ہر اُس شخص سے ایمان کی نفی فرمائی ہے جو اپنے بھائی کے لیے ہر وہ شئے پسند نہیں کرتا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے ؎

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت — دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست

زگوش پنبہ بیروں آرد داد خلق بدہ — اگر تو می ندھی داد روز دادے ہست

ترجمہ: (۱) جو بُرا بیج بوکر اچھے اناج کی امید رکھے غلط خیالی میں ہے اور اس کا فاسد گمان ہے۔

(۲) کان سے روئی باہر پھینک اور خلق خدا کے حقوق ادا نہ کرے گا تو تیرے اوپر ادر بڑی ذات ہے جو تجھ سے حقوق پورے کرے گا۔

سبق: ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ ہر شخص کے حقوق میں مُنصفانہ برتاؤ کرے خصوصًا اقارب اور بالخصوص عورتوں کے حقوق میں۔ اس لیے کہ اُن کے حقوق میں عدل و انصاف واجبات سے ہے۔

مسئلہ: آیت سے حق مہر میں فراوانی کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس لیے ارشاد باریتعالیٰ وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا میں فراوانی یعنی بہت زیادہ حق مہر دینے کی کوئی دلالت نہیں۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ہے کہ لَوْكَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا آیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ مَعبُود بکثرت ہو سکتے ہیں۔

قاعدہ: یہ شرع میں ضروری نہیں کہ ایک شئے کو کسی شئے کی شرط بنائی جائے تو اس کے لیے ضروری ہو کہ وہ شئے جائز الوقوع بھی ہو کَذَا قَالَ الْاِمَامُ فِیْ تَفْسِیْرِہٖ چنانچہ اس کی تائید اس مسئلہ سے بھی ہوتی ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو چاہیئے کہ اُن کا حق مہر بہت زیادہ نہ ہو۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری عورتیں وہ ہیں کہ جن کا جمال بیمثال اور ان کے مہر معمولی ہوں۔

حدیث شریف نمبر (۲): حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی بیبیوں سے نکاح فرمایا لیکن کسی بی بی کو حق مہر دس درہم سے آگے نہ بڑھائی۔

حدیث شریف نمبر (۳): اور گھر کا اثاثہ صرف اتنا تھا (۱) چکی (۲) پانی کا گھڑا۔ سرہانہ چمڑے کا جس کا اندر کا حصہ کھجور وغیرہ کی چھال تھا۔

حدیث شریف نمبر (۴): میں ہے کہ بہترین عورت وہ ہے جو نکاح میں جلدی کرے اور بچہ جننے میں بھی۔ اور اس کا حق مہر بھی معمولی ہو۔

مسئلہ: مرد پر ضروری ہے کہ نکاح کے بعد اپنی عورت کا حق مہر جلد تر ادا کرے۔ اور مکمل طور یا کم از کم دینے کی نیت کرلے۔

حدیث شریف: جس شخص کے دل میں ارادہ ہو کہ نکاح تو کروں پھر حق مہر ہرگز نہیں دوں گا تو وہ جب قیامت میں آئے گا تو اُسے زانیوں میں اٹھایا جائے گا۔

مسئلہ: یہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص کسی سے قرض لے لیکن دل میں ارادہ ہو کہ یہ قرض نہیں اُتار دوں گا۔ تو قیامت میں یہ شخص چوروں کے ساتھ اُٹھے گا۔

مسئلہ: مہر کی ادائیگی میں تاخیر نہ کرے۔ ہاں اگر محتاج اور تنگدست ہو تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: اگر عورت اپنی مہر کی اپنے شوہر کو خود مہلت دے دیا تو جائز ہے۔

مسئلہ: شادی کے بعد مرد پر لازم ہے کہ اپنی عورت کو سب سے پہلے طہارت اور حیض اور نماز وغیرہ کے اتنے مسائل یاد کرائے کہ جتنے اُس کو ضرورت درپیش ہوتی ہے۔

مسئلہ: اپنی عورت کو اہلسنت کے عقائد سے آگاہ کرے۔ اور اسے اہل بدعت کی تردید کے دلائل بھی سمجھائے۔

مسئلہ: اگر وہ خود نہیں جانتا تو کسی معتبر عالم دین مفتی اسلام سے پوچھ کر بتلائے۔

مسئلہ: اگر مقامی طور پر اُسے کسی عالم دین سے مسائل کا سمجھنا میسر نہ ہو تو اس کے لیے سفر کر کے باہر جائے۔

مسئلہ: جب عورت کو فرائض اپنے شوہر سے معلوم ہو سکتے ہیں تو اُسے باہر کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی دوسری تعلیم یا ذکر وغیرہ کی مجلسوں میں شوہر کی اجازت کے بغیر جائے۔

مسئلہ: اگر مرد عورت کو نہ خود کوئی مسئلہ سمجھاتا ہے اور نہ ہی اسے کہیں سے سمجھنے کی اجازت دیتا ہے تو وہ گناہ میں عورت کا برابر کا شریک ہے۔

حدیث شریف: سب سے زیادہ سخت عذاب ہر اس شخص کو ہوگا جو اپنے اہل وعیال کو دینی علوم سے محروم رکھتا ہے یعنی انہیں جاہل بناتا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سب کے سب نگہبان ہو اور تم سب کے سب پر اپنی رعیت کے متعلق سوال ہوگا۔

تفسیر علما لمبانہ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

اور نہ نکاح کرو جن سے تمہارے آباء نکاح کر چکے ہیں۔

سوال: مَا تو غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ یہاں پر تو آباء کی منکوحات ذوی العقول ہیں۔ فلہٰذا مَا کے بجائے مَن ہونا چاہیئے۔ چونکہ یہاں پر یہ صرف صفت مطلوب ہے۔ جسے مِنَ النساء سے بیان کیا گیا ہے۔

مسئلہ: آباء میں اجداد بھی مجازاً داخل ہیں۔

شانِ نزول زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ وہ آباء کی منکوحات سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قبیح عادت سے منع فرمایا کہ اپنے آباء کی منکوحات سے نکاح نہ کرو۔ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ یہ حاشیہ سے استثناء ہے۔ تحریم میں مبالغہ کا فائدہ دے رہا ہے جو کہ کلام کو نکالنے کے لیے تعلیق بالمحال کے طور کیا گیا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اپنے آباء کی مُردہ منکوحات نکاح کر سکتے ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ اب وہ نہ ہیں نہ نکاح کر سکتے ہو۔ اس سے اباحت کے طریق کو بالکلیہ منقطع کرنا مطلوب ہے حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِی سَمِّ الْخِیَاطِ کے قبیل سے ہے اِنَّہٗ بیشک ان سے نکاح کرنا کَانَ فَاحِشَۃً یہ بُرا اور قبیح فعل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔ سابقہ اُمم میں سے کسی اُمت کو بھی اس کی اجازت نہیں تھی وَمَقْتًا ط اہلِ مروّت کے نزدیک بھی یہ عمل مبغوض ہے۔ المقت بمعنے اشد البغض ہے وَسَآءَ سَبِیْلًا اور بُرا راستہ ہے یہ۔ اس کا منسوب ہونا تمیز کی بنا پر ہے۔ یعنی ہر سمجھدار کے ہاں یہ برا راستہ ہے اور کوئی بھی اس پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے کہ یہ عمل اپنے عامل کو جہنم میں لے جانے والا ہے۔

ف: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قبح کے تین مراتب ہیں۔

(۱) قبح عقلی۔ اسے انہ کان فاحشۃ میں بیان کیا گیا ہے

(۲) قبح شرعی اسے مقتاً میں بیان کیا گیا ہے۔

(۳) قبح عادی۔ اس کی طرف وَسَآءَ سَبِیْلًا۔ میں اشارہ ہے۔ جس میں یہ تمام مراتب جمع ہوں تو وہ قبح کے انتہائی مراتب پر ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ آباء سے مراتب علویہ اور امہات سے مراتب سفلیہ مُراد ہے اور اُن کے ازدواج سے اللہ تعالیٰ کی وہ تمام مخلوق مُراد ہے جو ان سے پیدا ہوتی ہے وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ الخ سے مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سفلیات میں تصرف و تعلق سے رُوکا ہے کہ وہی امہات ہیں جن پر تمہارے آباء یعنی علویات تصرف کرتے ہیں اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ مگر وہ جو کہ گزرا۔ تدبیر الٰہی میں کہ ارواح و اشباح کو آپس میں متعلق کر دیا۔ حاجات ضروریہ انسان کو اگرچہ ضروری ہیں لیکن اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّسَآءَ سَبِیْلًا۔ وہ قبیح عمل اور بُرا راستہ ہے یعنی سفلیات میں تصرف اور ان سے تعلق پیدا کرنا اور اُن کی طرف میلان رکھنا ایسے اُمور ہیں کہ جن سے جوہر روحانی صفاتِ روحانیہ سے ملوث ہو جائے گا۔ اس سے جوہر روحانی سفلی طبع ہو کر حضرت الٰہیہ سے دور ہو کر دنیا کا عاشق بن جائے گا اور رب تعالیٰ کو بھلا دے گا۔ بلکہ حق تعالیٰ کا مبغوض ترین ہو جائے گا۔ اور یہ راستہ ایسا بُرا ہے جو گمراہی کی طرف لے جائے گا۔

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود
زہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

ترجمہ: میں ہمت کا غلام اسی لیے ہوں کہ نیلے آسمان کے نیچے کیونکہ جو رنگ کو قبول کرے وہ آزاد ہے۔

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

اے کہ در شرح خداوندان حال — میکنی از سنت و فرضم سوال
سنت آمد دل ز دنیا تافتن — فرض راہ قرب مولیٰ یافتن

ترجمہ: ① اے کہ صاحبان حال کی شرح میں میرے فرض و سنت کے متعلق سوال کرتا ہے۔

② ان کے ہاں دنیا میں منہ پھیرنے کا نام سنت ہے اور مولیٰ کے راہ میں قرب کا پانا فرض ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب مجلس کے لحاظ سے وہ شخص ہوگا جو زندگی بھر بھوکا اور پھر غم اور حزن کا نشانہ بنا ہے لوگ نرم نرم گرم بستروں پر سوتے ہیں لیکن اُس کا بچھونا زمین ہے۔ جن چیزوں سے لوگوں کو خصوصی رغبت ہو وہ اُن سے دُور ہو۔ اور گھاٹے میں ہے ہر وہ جو اُن کا مخالف ہو اگر وہ حضرات کچھ کھاتے ہیں تو جو کی روٹی غذا اور موٹا کپڑا پہنتے ہیں اور دُنیا سے وہ صحیح و سالم رخصت ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قُدس سرہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ مجحوب است او خود کودکے است — مرد آنست کہ بیرون از شکیست
اے خنک آنکہ جہادے میکند — بر بدن زجرے و دادے میکند
اے بسا کارا کہ اول صعب گشت — بعد ازاں بکشادہ شد سختی گذشت
اندریں رہ می تراش و می خراش — تا دمِ آخر دمی فارغ مباش

ترجمہ: ① جو مجحوب ہے وہ بچہ ہے مرد وہ ہے جو شک سے دُور رہے۔

② وہ خوش قسمت ہے جو جہاد کرتا ہے بدن پر اور اس کی داد دیتا ہے۔

③ بہت سے کام پہلے سخت نظر آتے ہیں بعد ازاں اس کی سختی ٹل جاتی ہے۔

④ اس خراش و تراش کے راہ میں آخری دم تک فارغ نہ ہو۔

بقیہ صفحہ نمبر آئندہ

[1] اُنہیں کسی نے انہیں سے متعلق کیا خوب کہا ہے

بستر خاک کا اور ٹکڑا اِک کمبل کی کلاہ — تاجِ خسرو ہے یہی اور تختِ سلیمان ہے یہی

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَ
بَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ أُمَّهٰتُ
نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ
لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ
أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

ترجمہ: حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بیبیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیبیاں اور دو بہنیں اکٹھی کرنا مگر جو ہو گزرا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بقیہ گذشتہ صفحہ

روحانی نسخہ حضرت ابو علی دقاق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جو شخص اپنے ظاہر کو مجاہدہ سے سنوارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مشاہدات سے نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ الخ اور وہ لوگ جو ہمارے لیے مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہم انہیں سیدھے راہ چلائیں گے۔

روحانی نسخہ جو اپنے ابتدائی حال میں مجاہدہ کرتا۔ وہ لذت طریقت سے محروم رہے گا۔

حکایت و دیگر روحانی نسخے حضرت ابو علی دقاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے ابتدائی حالات بڑے سخت تھے۔ جو سید ابو عثمان ایثار میں گزرے۔ یہاں تک کہ ہمارے لیے روحانیت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ ہم کسی متعین وقت کے لیے نہیں سوتے تھے۔ اور جو ہمیں دکھ پہنچائے اس سے ہم بدلہ نہ لیں۔ بلکہ اس سے معذرت کریں اور اس کی تواضع اور جب ہم کسی کو نگاہِ حقارت سے دیکھیں تو اس کے ساتھ احسان کریں اور اس کی خدمت کریں یہاں تک کہ وہ راضی ہو جائے۔

دیگر: حضرت ابو حفص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی تباہی میں کسی قسم کی تاخیر نہیں ہو گی جو اپنے عیوب کو جانتا ہے اس لیے کہ گناہ کفر کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔

عیب رنداں مکن اے زاہد پاکیزہ سرشت — کہ گناہ دگراں برتو نخواہند نوشت
من اگر نیکم وگر بد تو برو خود را باش — ہر کسے آں درود عاقبت کار کہ کشت

ترجمہ: ① اے پاکیزہ سرشت زاہد رندوں کی عیب جوئی نہ کر۔ دوسروں کا گناہ تو تیرے عملنامہ میں نہ لکھیں گے۔

② میں اچھا ہوں یا برا تو جا اپنا کام کر۔ جس نے جو بویا وہی اٹھائے گا۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ ۔ تمہارے اوپر تمہاری مائیں حرام ہیں یعنی ان سے نکاح کرنا حرام ہے اس لیے کہ عرف میں شئے کی حرمت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس شئے سے جو اصلی غرض اور مقصود ہے وہ حرام ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ شراب حرام ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا پینا حرام ہے اس سے ثابت ہوا کہ عورتوں کی حرمت سے اُن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اس کی مثال یہ ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ خنزیر حرام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔

مسئلہ: امہات میں جدات (دادیاں بھی شامل ہیں اور اَب (باپ) اُم ماں اور اس کی مائیں دادیاں، نانیاں وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں وَبَنٰتُكُمْ اور تمہارے اوپر تمہاری صلبی لڑکیاں۔ اسی طرح تمہارے بیٹوں کی صلبی لڑکیاں حرام ہیں۔ اگرچہ نیچے کی نسل میں جہاں تک سلسلہ چلے وَاَخَوٰتُكُمْ اور تمہاری بہنیں خواہ عینی بہنیں ہوں یا علاتی یعنی پدری یا اخیافی یعنی مادری۔ اس معنے پر اخوات کا لفظ تمام مذکورہ بہنوں کو شامل ہے۔

مسئلہ: اُمہات وبنات کی حرمت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا ایندم ثابت ہے کسی زمانہ میں اور کسی مذہب اور دین میں اُن سے نکاح کی حلت کا ثبوت نہیں ملتا۔

سوال: زرادشت مجوس کا پیغمبر تو اُن سے نکاح کرنے کا قائل تھا۔ پھر تمہارا کہنا کہ کسی دین و مذہب میں اس کے اس کے جواز کا ثبوت نہیں ملتا۔

جواب: اس کی اس حرکت پر اس زمانہ اور آنے والی نسلوں میں مذمت کی گئی اور اس دعوی میں اسے کذاب کہا گیا۔

مسئلہ: بہنوں سے نکاح کے جواز میں منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں اُن سے نکاح مباح تھا وہ بھی بوجہ ضرورت تھا۔

نکتہ: مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ عورت سے وطی ایک ذلیل اور ذلت والا عمل ہے

اس لیے کہ انسان کو طبعی طور اس کے ذکر سے شرم وحیا محسوس ہوتی ہے اور اس کا ارتکاب بھی وہاں ہو سکتا ہے ۔ جہاں کوئی بھی نہ ہو۔ یعنی تنہائی میں وہ بھی اُس شرم وحیاء کی بناپر ۔ اور گالی بھی ۔ کسی کو دی جاتی ہیں تو ماں، بہن ۔ لڑکی کے نام لے کر تو وہ بھی اُسی بناپر۔ جب یہ اُمور مُسلّمات ا سے ہیں تو واجب ہے کہ ایسی باتوں سے اُمہات کو محفوظ رکھا جائے ۔ اس لیے کہ ماؤں کے احسانات، اولاد پر اَن گنت ہیں ۔ اس لیے ماں کو مذکورہ بالا ذِلتوں اور اہانتوں سے محفوظ رکھا جانا واجب ہے ۔ اور لڑکی انسان کا جُزو ہے ۔ گویا وہ اُس کے جسم کا ٹکڑا ہے ۔ پھر اسے بھی مذکورہ بالا ذِلتوں اور اہانتوں سے بچایا جائے ۔ اس لیے کہ اُس سے وطی کرنا بھی مذکورہ بالا ذلتیں اور اہانتیں لازم ہوں گی ۔ اسی طرح باقی محرّمات کا قیاس کیجئے (کذا ذکرہ الامام فی التفسیرہ) وَعَمّٰتُكُمْ اور تمہاری پھوپھیاں (عمہ) ہر وہ عورت کہ جس کی اولاد کی نسبت تمہارے والد کی طرف ہوتی ہو ۔ قریبی ہو بعیدی وَخٰلٰتُكُمْ اور تمہاری خالائیں (ماسیاں) (خالہ) ہر اُس عورت کو کہا جاتا ہے جس کی (رشتہ) اولاد تمہاری والدہ کی طرف منسوب ہوتی ہو ۔ وہ قریبی ہوں یا بعیدی ۔

مسئلہ : عمات کا لفظ عام ہے کہ وہ باپ کی بہنیں ہوں یا جدات کی اگرچہ اُوپر کو جہاں تک سلسلہ چلے ۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی چودہ قسمیں حرمت نکاح میں بیان فرمائی ہیں ۔ سات نسبی ہیں اور سات سببی ۔ سات نسبی تو بیان ہو چکی ہیں سات سببی اَب بیان ہوتی ہیں ۔ چنانچہ فرمایا اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری رضائی بہنیں یعنی تمہارے اُوپر اللہ تعالیٰ نے رضاعی مائیں اور بہنیں ایسے حرام فرمائی ہیں جیسے تمہاری نسبی مائیں اور بہنیں حرام فرمائی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے رضاع (دودھ پینے کو) بمنزلہ نسب کے مقرر فرمایا ہے ۔ یہاں تک کہ دودھ پلانے والی کو ماں اور جس لڑکی یا لڑکے کے ساتھ دُودھ پیا گیا اُسے بہن بھائی سے تعبیر فرمایا ہے ۔ اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کو باپ اور اس کے ماں باپ کو نانی اور دادا اور اس کی بہن کو پھوپھی اور مرضعہ دودھ پلانے والی کے شوہر کی تمام اولاد کو اگرچہ دودھ پینے والے کے ساتھ دودھ نہیں پیا تو انہیں بھی بہن بھائی اور دودھ پلانے والی عورت کی ماں اور بہن کو دُودھ پینے والے کی نانی اور خالہ کہا ہے ۔ اسی طرح دودھ پلانے والی کی دوسری اولاد اس کی بہن بھائی کہی جاتی ہے ۔ غرض یہ کہ تمام رشتہ داری نسبی رضاع میں ثابت ہوتی ہے ۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رضاع میں ہر وہ حرام ہے جو نسب میں حرام ہے ۔ یہ حکم کلی ہے اور وہ اپنے عموم پر ہی ہے ۔

مسئلہ : پدری بھائی کی ماں سے نکاح حرام ہے ۔ اس لیے کہ اس میں حرمت مصاہرہ ثابت ہے بایں معنیٰ کہ یہ اُس کے باپ کی موطوئہ ہے ۔

مسئلہ: مادری بھائی کی بہن سے بھی نکاح حرام ہے۔ اسی طرح اپنے بیٹے کی نانی اور دادی اور اس کے ماموں کی ماں اگرچہ پدری ہیں تب بھی حرام ہے اس لیے کہ ان میں بھی حرمت مصاہرت ثابت ہے مثلاً بیٹے کی مادری بہن بایں معنی حرام ہے کہ اس کی ماں اس کی موطوئہ ہے اور بیٹے کی نانی اس کی عورت کی ماں ہوئی اور بیٹے کی دادی اس کے دادا کی موطوئہ ہوئی۔ اسی طرح بیٹے کے ماموں کی اس کے نانا کی موطوئہ ہوئی اور یہ سب رشتے نسباً حرام ہیں۔ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ اور تمہاری عورتوں کی مائیں۔ یہاں پر نسآء سے مرد کی عورت منکوحہ مراد ہے خواہ وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کہ آپ سے پوچھا گیا کہ فلاں شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا لیکن اسے دخول سے پہلے طلاق دے دی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ شخص اس عورت کی ماں سے نکاح نہ کرے۔ البتہ اگر دخول نہیں ہوا تو اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے۔

مسئلہ: مذکورہ بالا تمام صورتیں اسی میں شامل ہوں گی۔

مسئلہ: جنہیں شہوت سے ہاتھ لگایا ہے ان کے متعلق بھی یہی مسئلہ ہے اور اس کی وہی صورتیں ہیں جو مذکور ہوئیں وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ اور تمہاری پروردہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں یعنی تمہاری پروردہ لڑکیاں بھی تمہارے اوپر نکاح کے لحاظ سے حرام ہیں۔

حل لغات: ربائب ربیبہ کی جمع ہے شرعاً ہر اس اولاد کو کہا جاتا ہے جو عورت منکوحہ کی اولاد دوسرے شوہر سے ہو۔ اسے ربیب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ شوہر سے اپنی اولاد کی طرح پالتا ہے۔ اور عموماً ایسے ہی ہوتا ہے یہاں پر فعیل بمعنے مفعول کے ہے اور تاء منقولہ ہے کہ اسے صفت سے اسمیت کی طرف نقل کیا گیا ہے اور الحجور حجر کی جمع ہے اس میں دو لغتیں ہیں ابن السکیت فرماتے ہیں۔ حجر الانسان کو بالفتح و بالکسرہ ہر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے ہر اس کپڑے کو کہتے ہیں کہ اسے جمع کر کے دونوں رانوں پر ڈالا جائے۔ لیکن یہاں پر حجورکم سے تربیت مراد ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے فلان فی حجر فلان یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کی تربیت میں ہو اور اس استعارہ کا سبب یہ ہے کہ جو بھی کسی بچے کی تربیت کرتا ہے تو وہ عموماً اپنی گود میں بٹھلاتا ہے۔ اس معنے پر اس کی تربیت کو گود سے تعبیر کیا جانے لگا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے فلانۃ فی حضانۃ فلان یہ راس ل الحسن سے ہے بمعنے بغل۔

مسئلہ: حرمت مصاہرہ میں تربیت شرط نہیں۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ آیت میں تربیت کی قید اغلبیت کی بنا پر ہے کہ عورتیں اس وقت دوسرے شوہر سے نکاح کرتی ہیں۔ جب ان کی اولاد صغیر ہو۔ اگر اولاد بڑی ہو تو پھر کسی سے نکاح نہیں کرتیں۔ وہ صرف اس لیے کہ چھوٹی اولاد کی تربیت اسی طرح سے باآسانی ہوتی

ہے۔ اس اعتبار پر تربیت کی قید لگائی گئی ہے۔ نہ کہ حرمت مصاہرۃ کے لیے شرط ہے۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ اور اُن سے نکاح نہ کرو درانحالیکہ تم مساجد میں معتکف ہو۔ یہاں پر اعتکاف فی المساجد کی قید لگا کر جماع سے روکا گیا ہے حالانکہ اعتکاف غیر مساجد میں بھی ہو تب بھی جماع ناجائز ہے مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ تمہاری اِن عورتوں سے کہ جن سے تم نے دخول کیا ہے یعنی وہ پروردہ اولاد تمہاری اُن عورتوں سے کہ جن سے تم نے دخول کیا ہے۔ یہ مِن فعل محذوف سے متعلق ہے جو رَبَائِبُكُمْ سے حال واقع ہے اور دخول سے انہیں نکاح کے بعد تنہائی میں لے جانا مُراد ہے اور یہ باء تعدیۃ کی ہے۔ اس سے جماع مُراد ہے چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں۔ بنی علیہا وضرب علیہا الحجاب۔

مسئلہ: دخول میں لمس اور اس کے دیگر نظائر بھی داخل ہیں۔

فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا پس اس سے پہلے تم نے دَخَلْتُمْ بِهِنَّ اُن سے دخول نہیں کیا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ پس اُوپر تمہارے کوئی گناہ نہیں یعنی اس وقت تمہارا ربائب سے نکاح کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ جب کہ تم نے اُن عورتوں کو دخول سے پہلے طلاق دے دی۔ یعنی ربائب کی ماؤں کو دخول سے پہلے طلاق دے چکے ہو۔ یا وہ دخول سے پہلے ہی مر گئی ہیں۔

مسئلہ: جسے پہلے اشارہ وکنایہ سے بیان کیا گیا اب اس کی تشریح کی گئی۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ اور تمہارے صُلبی بیٹوں کی عورتیں یعنی تمہارے اوپر تمہارے لڑکوں کی عورتیں بھی حرام ہیں۔

ف: لڑکوں کی عورتوں کو حلائل اس لیے کہا گیا کہ وہ عورت اپنے شوہر کے لیے حلال ہوتی ہے یا اس لیے کہ وہ اب اپنے موقعہ ومحل پر پہنچی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس لیے کہ وہ دونوں شوہر ومرد آپس میں ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں۔

مسئلہ: لڑکوں کی مزنیہ عورتوں کا حکم بھی یہی ہے اسی طرح شہوت سے ہاتھ لگانا۔ اور بوسہ دینا وغیرہ وغیرہ کا یہی حکم ہے الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ۔ وہ لڑکے جو تمہارے صُلبی ہیں۔ اس لیے کہ وہ لڑکے نکالنا مراد ہیں۔ جو صُلبی نہیں۔ بلکہ وہ منہ بولے مُتبنّٰی ہیں۔

اسی طرح پوتے اور پر پوتے بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔ یعنی اُن کی عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے۔ اسی طرح وہ لڑکے جو رضاعی ہیں۔ اُن کی عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے۔

مسئلہ: مُنہ بولے متبنّٰی کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لیا۔ جو کہ آپ کی پھوپھی امینۃ بنت عبد المطلب کی لڑکی تھیں۔

جب کہ انہیں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلاق دے دی تھی۔ اور یہ زید بن حارثہ وہ ہیں جن کی حضور علیہ السلام نے تربیت فرمائی۔ اور منہ بولا بیٹا کہا۔ اس پر آپ کو مشرکین نے عار دلائی کیونکہ آپ کے منہ بولے بیٹے کی عورت سے نکاح کرنا اُن کے نزدیک حرام تھا۔ اس لیے کہ اسے وہ صلبی بیٹے کی طرح سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے کسی ایک کے باپ نہیں اور نازل فرمایا وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنائے وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ۔ اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو۔ یعنی تمہارے اوپر حرام ہے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا۔

مسئلہ: ملک یمین میں دو بہنوں کو جمع کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: ملک یمین کے ساتھ ساتھ دونوں سے جماع نہ کرنا چاہیئے کہ یہ مسئلہ بھی نکاح کے حکم میں ہے۔ اس لیے کہ جو مقصد نکاح میں ہے وہ اس میں بھی ہے اس لیے ان دونوں کا ایک حکم ہے اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ یہ استثناء منقطع ہے۔ یعنی ہاں جو کچھ پہلے گزرا ہے۔ اُس کا تم سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ اس کے لیے کہ جس سے یہ فعل زمانۂ جاہلیت میں ہوا۔ اس کیلئے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ فقط

بحمدہٖ تعالیٰ پارہ تفسیر چہارم ختم ہوئی۔